سنسنی خیز موضوعات پر دُنیا کی بہترین کہانیوں کا انتخاب

جاسوسی ڈائجسٹ کراچی

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
www.pakistanipoint.com
پاکستانی پوائنٹ
اردو ادب کی بہترین ویب سائٹ
ایک رابطہ اپنوں سے

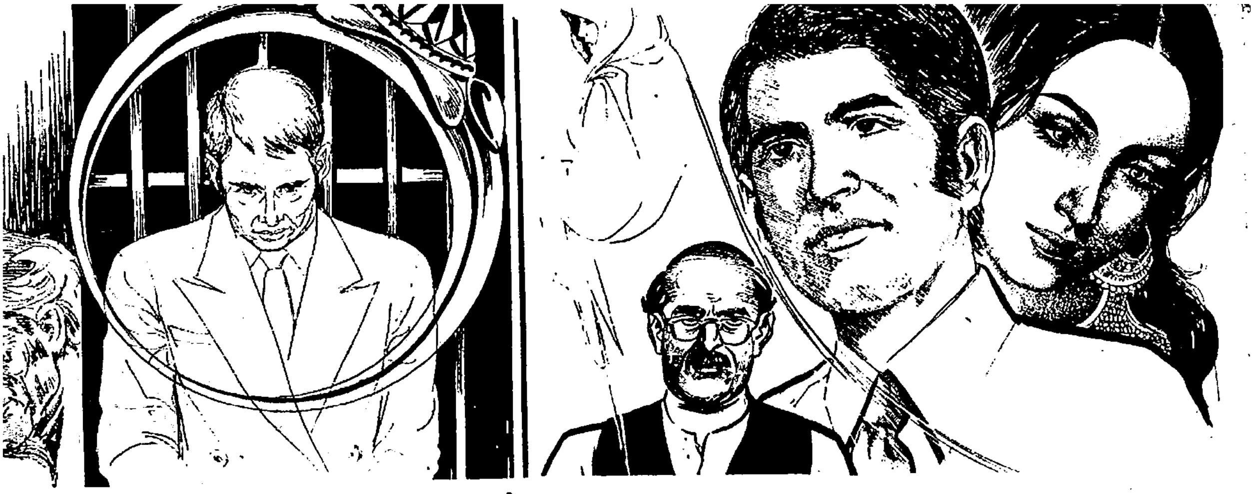

دولت کے غلام — عبدالقیوم شاد — ۱۰
اس ماہ کی پہلی کہانی
جیمس ہیڈلے چیز کے ایک معرکتہ الآرا ناول کی مکمل تلخیص

ظالم انگوٹھی — حفیظ اقبال — ۴۲
اس انگوٹھی کا پُراسرار قصہ،
جو ایک شخص کے لیے مصیبت بن گئی

صدیوں کا بیٹا — ایم۔اے راحت — ۴۶
جاسوسی ڈائجسٹ کا مقبول ترین سلسلہ
چودھویں قسط۔ سابقہ قسطوں کے خلاصے کے ساتھ

بکھرے خواب — ش۔م جمیل — ۶۷
اس عورت کی کہانی تشنگی جس کا مقدر بن گئی تھی
ایک خوبصورت تاثر انگیز کہانی

کاغذی حملہ — نسیم سحر — ۷۶
ایک فضائی حملے کا رپورتاژ
دوسری جنگِ عظیم کا ایک دلچسپ واقعہ

مطبوعہ: جاوید پریس، آئی آئی چندریگر روڈ۔ کراچی —— خط و کتابت کے لیے پوسٹ بکس ۲۲۹ کراچی —— مقام اشاعت ۱۴۳/ ۷ / ۷۰۴، ناظم آباد، کراچی

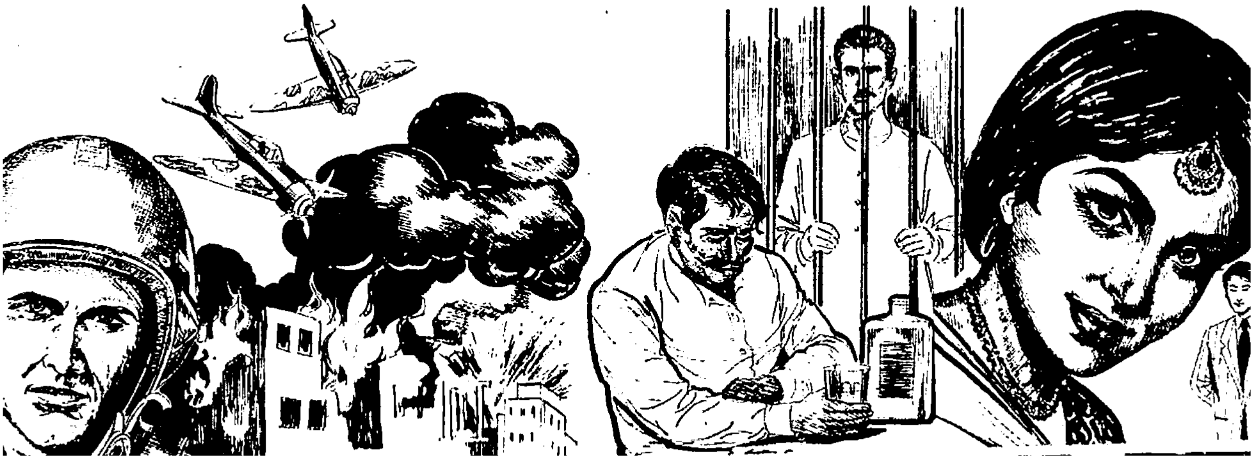

جُرم اسی کا تھا — اویس ناصر — ۸۳۰
الفرڈ ہچکاک سے انتخاب
وہ نہیں جانتا تھا کہ جو دس لاکھ ڈالر اسے ملے وہ انعام تھا یا معاوضہ

★

مامتا کی لاش — ابوالمنصور — ۸۷
اقبال پاریکھ کا انتخاب
ایک بڑھی عورت کی کہانی جو اپنے بیٹے کے لئے سراپا انتظار تھی

★

خون کے دھبے — انجم نوید — ۹۰
الفرڈ ہچکاک سے انتخاب
سُراغرسانی کی ایک نئے انداز کی کہانی

مفرور — تسلیم علیم — ۱۰۰
جاسوسی ڈائجسٹ کا دلچسپ سلسلہ
چھٹی قسط، سابقہ قسطوں کے خلاصے کے ساتھ

★

روح کا ڈرامہ — اثر نعمانی — ۱۱۴
سرورق کی پہلی کہانی
اس عورت کی بے قرار روح کی کہانی جو اپنے شوہر سے انتقام لینے کے لئے بیتاب تھی

★

اجنبی ہمدرد — نسیم اقبال — ۱۳۰
سرورق کی دوسری کہانی
سزائے موت پانے والے ایک قیدی کی آپ بیتی

جلد: ۵ شمارہ: ۱ جنوری ۱۹۷۵ء قیمت: تین روپے سالانہ: ۲۵ روپے پبلشر: عبدالغفار پرنٹر: منظور احمد خاں

RGA.3.74.UD

R&LINTAS

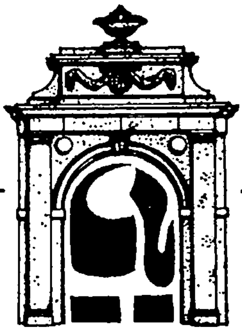

ہمارے معاشرے کی حیثیت ایک باغ جیسی ہے اور جن لوگوں کے ہاتھوں میں قوانین کی باگ دوڑ ہے اُن کی حیثیت ایک مالی جیسی ہے۔ ہر مالی کا فرض ہوتا ہے کہ اگر اس کے باغ میں کوئی غلط پودا پیدا ہو گیا ہو تو وہ اس کو پیدا ہوتے ہی ختم کر دے۔ یہی حالت معاشرے کی ہوتی ہے۔ اگر لوگوں میں کوئی شخص غلط کار بن جائے تو اُسے معاشرے سے علیحدہ ہی کر دینا پڑے گا ورنہ پوری جماعت خطرے میں پڑ جائے گی۔ سماج میں غلط کار وہ لوگ متصوّر ہوتے ہیں جو سماج کے بنائے ہوئے قوانین پر عملدرآمد نہیں کرتے یا اُن کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اسی خلاف ورزی کا نام جرم ہے اور مجرموں کی یہ جماعت ہی ہوتی ہے جس کی وجہ سے قانون پسند افراد بھی چین کی نیند نہیں سو سکتے۔ ملک میں عوامی حکومت کے قیام کے بعد قانون شکن لوگوں کی سرگرمیاں ماند پڑ گئی تھیں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ لوگ پھر آہستہ آہستہ سر اُٹھا رہے ہیں اور کسی دن کا اخبار ایسا نہیں ہوتا جس میں قتل، چوری، بے ایمانی، اغوا یا کسی اور جرم کی خبریں نہ ہوتی ہوں۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے۔ جیسا کہ ہم ہمیشہ سے کہتے آئے ہیں کہ ہم دوسرے کی آنکھ کا تنکا دیکھ سکتے ہیں مگر ہمیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ دوسرے کے جرموں پر تو ہماری نظر پڑ جاتی ہے مگر ہم خود کس حد تک قانون کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اُس پر ہماری نظر نہیں پڑتی۔

سماج کی تطہیر میں حصہ لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ کام ہم اپنے گھر سے بلکہ خود اپنی ذات سے شروع کریں۔ اگر ہم نے اپنے کو قانون پسند بنا لیا۔ اگر ہم نے اپنے گھر والوں کو امن پسند بنا دیا تو یاد رکھیئے کہ ہمارا کام نہایت آسان ہو جائے گا۔ معاشرے میں ہر شخص ایک اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہی اکائیوں سے مل کر پورا معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ اگر ہر اکائی اپنی جگہ مکمّل ہو جائے تو پورا معاشرہ خود بخود مکمّل ہو جائے گا۔ جاسوسی ڈائجسٹ کے اجراء کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں کو قانون شکنی سے روکا جائے اور ان کو جرم کے گھناؤنے نتائج سے باخبر کیا جائے۔ پتہ نہیں۔ ہم کس حد تک کامیاب ہوئے۔؟

James Hadley Chase

کے معرکتہ الآرا ناول

The Vulture is a Patient Bird

کی

مکمل تلخیص

تلخیص و ترجمہ

عبدالقیوم شاد

ایڈورڈ گیری

اپنی نئی دریافت شدہ محبوبہ گریٹا کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ڈیلی ٹیلی گراف میں

نوکریوں کے اشتہارات دیکھ رہا تھا، تپائی پر رکھی ہوئی کافی کی پیالی سے ہلکی ہلکی بھاپ اُٹھ رہی تھی۔

وہ طویل القامت اور خوشگوار شخصیت کا مالک تھا۔ جسم مضبوط اور عمر تقریباً تیس سال تھی اُسکی آنکھوں کا رنگ بھورا تھا جن میں سدابہار شوخی پائی جاتی تھی بال بھورے اور لمبے تھے مجموعی طور پر وہ ایسی شخصیت کا مالک تھا جو کسی بھی شوخ اور چنچل لڑکی کے دل میں ہلچل پیدا کرسکتی تھی۔

گریٹا سے اُسکی پہلی ملاقات تین ہفتے قبل ایک بحری جہاز کی بار میں ہوئی تھی جو فرانس سے انگلستان جارہا تھا۔ گریٹا مختصر ترین منی اسکرٹ پہنے اسٹول پر بیٹھی شراب کی چسکیاں لے رہی تھی، گیری دندناتا ہوا اندر داخل ہوا اور پُرشور آواز میں ویٹ ۶۹ کا آرڈر دیا اور پھر اُس نے شوخ نظروں سے گریٹا کی طرف دیکھا اور سلیوٹ کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ گریٹا نے دلچسپ نظروں سے گیری کا جائزہ لیا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اُس کے سلیوٹ کا جواب دیا۔ لڑکیوں کے معاملے میں گیری ہمہ گیر تجربے کا مالک تھا ابتدائی تعارف کے بعد گیری نے گریٹا کو اپنے کیبن میں چلنے کی دعوت دی جسے اُس نے بلاپس وپیش قبول کرلیا، وہ ایسے مردوں کو زیادہ پسند کرتی تھی جو غیر ضروری تکلفات کی بجائے فوراً مطلب کی بات پر آجاتے تھے۔

گریٹا کی عمر بائیس سال آنکھیں گہری نیلی اور جسم پُرکشش تھا۔ وہ ایک کامیاب ماڈل گرل تھی، چیلزی کے علاقے میں دو کمرے کے مختصر فلیٹ میں تنہا رہتی تھی، دونوں جلد ہی بے تکلف ہوگئے گریٹا نے گیری کو لندن میں قیام کے دوران اپنے فلیٹ میں رہنے کی پیشکش کی جسے اُسنے قبول کرنے میں تاخیر نہیں کی۔

فرانس سے روانگی کے وقت وہ کرامویل روڈ کے کسی سستے ہوٹل میں قیام کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا اُس کے پاس صرف دو سو نوتے پونڈ تھے جنہیں وہ نہایت کنجوسی کے ساتھ خرچ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا کیونکہ سردست وہ بے روزگار تھا اور نوکری ملنے تک کام چلانا چاہتا تھا۔ گریٹا کی پیشکش اُسکے لیے خاصی خوشکن تھی جسے قبول نہ کرنا اُسکے نزدیک کفرانِ نعمت تھا۔ اب وہاں رہتے ہوئے اُسے تین ہفتے ہوگئے تھے اور تاحال نوکری نہیں ملی تھی کئی جگہوں پر درخواستیں بھجوانے کے بعد وہ خاصا مایوس ہو چلا تھا اس نے کافی کا آخری گھونٹ حلق سے اتارا اور اخبار ایک طرف اچھال دیا۔ اُس کے مطلب کی ایک بھی نوکری نہیں تھی، پھر وہ کھڑکی کے قریب کھڑے ہوکر سڑک پر گزرنے والی ٹریفک کا نظارا کرنے لگا۔ لندن کی گلیاں اور بازار دھند میں لپٹے ہوئے تھے، ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی، ہزاروں مرد اور عورتیں برساتی کوٹ پہنے اور ہاتھوں میں چھاتے لئے تیز روی کے ساتھ اپنے اپنے کاموں پر جارہے تھے وہ رشک اور حسد کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس ہجوم کو دیکھنے میں محو تھا کہ یکایک دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور ساتھ ہی لیٹر بکس میں خط ڈالنے کی آواز سُنائی دی، وہ تیزی کے ساتھ دروازہ کھول کر باہر نکلا اور لیٹر بکس سے خطوط نکال کر اندر لے گیا۔ تقریباً سارے خطوط گریٹا کے مداحوں اور چاہنے والوں کی طرف سے آئے تھے، تاہم ایک خط اُس کے نام تھا اُس نے جلدی سے لفافہ چاک کیا اور خط پڑھنے لگا۔

رائل ٹاور ہوٹل لندن۔ ڈبلیو۔ ا

مسٹر ایڈورڈ گیری سے گذارش ہے

کہ وہ ۱۱ فروری کو صبح ساڑھے دس بجے

مندرجہ بالا ہوٹل میں مسٹر آرمو شیلک سے

ملاقات کریں۔

(بحوالہ ڈیلی ٹیلی گراف "بکس نمبر ایس ۱۰۱۲")

خط پڑھ کر گیری خوشی سے اچھل پڑا، سات روز قبل اُس نے ڈیلی ٹیلی گراف میں ایک اشتہار دیکھا تھا۔ جس میں لکھا تھا کہ تین ہفتوں کی ایک خصوصی مہم کیلیے ایک تجربہ کار ہیلی کاپٹر پائلٹ کی ضرورت ہے۔ اشتہار دیکھتے ہی اُس نے درخواست بھجوادی تھی اور یہ خط اُسی درخواست کے جواب میں موصول ہوا تھا۔ رائل ٹاور ہوٹل اور آرمو شیلک دو ایسے نام تھے جن سے تازہ کرنسی نوٹوں کی مہک آرہی تھی، جوش مسرت کے ساتھ اُس نے دو تین بار خط کو پڑھا۔ لفافہ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر خط کو لہراتا ہوا گریٹا کی خوابگاہ میں گھس گیا۔ وہ بے ہنگم انداز میں مسہری پر لیٹی خواب سحری کے مزے لے رہی تھی اُس کا بدن زیادہ تر لباس کی قید سے آزاد تھا۔ گیری بستر کے کنارے پر بیٹھ کر چند لمحوں تک اُس کے حُسن خوابیدہ کو شوخ نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر اُسکے گال تھپتھپائے۔ گریٹا نے انگڑائی لے کر آنکھیں کھولدیں اور ایک لمحے تک خالی نظروں سے اُسکی طرف دیکھتی رہی حواس بحال ہونے کے ساتھ ہی اُس نے بے ترتیب پھیلی ہوئی ٹانگیں سکوڑ لیں۔ اور بکھرے ہوئے گاؤن کو جسم پر درست کرنے لگی۔

"یہ سراسر مجرمانہ حرکت ہے ......" اُس نے اعلان کیا "اور قابل دست اندازی پولیس ہے۔"

"فی الحال میں دست درازی کے موڈ میں نہیں۔" گیری نے کہا۔ "ذرا بہکے ہوئے جذبات کو قابو میں کرو تو ایک خوشخبری سُناؤں!"

"کیا لاٹری نکل آئی ہے؟"

"نوکری مل گئی ہے۔" گیری نے خط اُس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ دیکھو۔ آج ہی انٹرویو کے لئے بُلایا ہے۔ اب آرام سے سو جاؤ۔ میں تیار ہوکر جارہا ہوں، دوپہر تک واپس آجاؤں گا۔"

"نوکری ملنے کے بعد بھول نہیں جانا ۔۔۔؟" گریٹا نے کہا اور دوبارہ کروٹ بدل کر سوگئی۔

◘

آرمو شیلک کا دفتر رائل ٹاور ہوٹل کی دسویں

سڑن پر واقع تھا۔ ٹھیک ساڑھے دس بجے گیری لفٹ مین کی راہنمائی میں دفتر کے اندر داخل ہوا، وہ ایک چھوٹا سا پُروقار کمرہ تھا، داہنی جانب رکھی میز کے پیچھے ایک دُبلی سی لڑکی بیٹھی تھی۔ میز کے اوپر تین ٹیلی فون، ایک ٹائپ رائٹر، ایک انٹرکام اور ایک ٹیپ ریکارڈر پڑا تھا، گیری کو دیکھ کر لڑکی نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا، اس بات سے گیری کو خاصی مایوسی ہوئی۔ آج تک اُسے کسی ایسی لڑکی سے واسطہ نہیں پڑا تھا، جو اُسکی رنگین اور پُرکشش شخصیت سے متاثر نہ ہوتی ہو۔ لڑکی کے لباس اور رکھ رکھاؤ میں خاصی نفاست پائی جاتی تھی، تاہم چہرہ سپاٹ اور جنسی کشش سے عاری تھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس کے اندر کی عورت بہت عرصے پہلے مرچکی ہے۔ اُسکی حرکات وسکنات کسی حنوط شدہ ممی کی مانند تھیں۔ گیری نے دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ اُسکی طرف دیکھا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اُس نے کسی قسم کا ردعمل ظاہر کئے بغیر انٹرکام کا بٹن دبایا اور کہا۔ ”سر! ایڈورڈ گیری آپ سے ملنا چاہتے ہیں!“

جواب میں انٹرکام پر سبز رنگ کی بتی جل گئی۔ غالباً مسٹر شلیک معمولی بات پر الفاظ کی فضول خرچی نہیں کرتا تھا۔ لڑکی نے اپنی نشست سے اُٹھ کر ایک بغلی دروازہ کھولا اور گیری کو اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے گیری نے اظہار تشکر کے طور پر ایک اور دلفریب مسکراہٹ لڑکی کی جانب پھینکی لیکن اُسکے یخ بستہ جذبات میں کوئی لہر پیدا نہ ہوئی، وہ مشینی انداز میں دروازہ بند کرکے اپنی میز کی طرف چلی گئی۔

کمرہ کشادہ اور نہایت عمدگی سے سجایا گیا تھا، دیواروں پر نامور مصوروں کی جاذب نظر تصاویر آویزاں تھیں، ایک طرف غیر معمولی بڑی میز پڑی تھی جس کے پیچھے ایک پستہ قد اور فربہ اندام شخص ہاتھ میں سگار لئے بیٹھا تھا۔ اُسکی سیاہ آنکھیں بلا کی تیز تھیں۔ عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ چہرے پر نرمی یا مسکراہٹ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ گیری نے اندازہ لگایا کہ وہ یا تو امریکی ہے یا مصری۔

”بیٹھو مسٹر گیری!“ اُس نے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ چند لمحوں تک وہ سگار کے کش لیتا ہوا گیری کو گھورتا رہا، پھر سامنے پڑا ہوا کاغذ اُٹھالیا، جسے گیری نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ وہ اُسکی درخواست تھی جو اُس نے ہفتہ بھر پہلے بھجوائی تھی۔

”تم ہیلی کاپٹر پائلٹ ہو مسٹر گیری!“ اُس نے پُرخیال انداز میں سگار کی راکھ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔“ گیری نے مستعدی کے ساتھ جواب دیا۔ ”گزشتہ ہفتے ڈیلی ٹیلی گراف میں آپ کا اشتہار...“

لیکن شلیک نے اُسکی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”اس درخواست کے اندر جو لغویات لکھی ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ تم تصورات کی دُنیا میں رہتے ہو!“

”جج... جی...“ گیری نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

شلیک نے اُسکی درخواست کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اُسے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ پھر اُس نے سگار کی راکھ جھاڑتے ہوئے کہا۔ ”تم نے جن خیالی تجربات کا ذکر اپنی درخواست میں کیا ہے، اُن کا تعلق غالباً کسی سیارے سے ہے، میں نے اپنے طور پر تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ تمہارا نام ایڈورڈ گیری، عمر اُنتیس سال اور جائے پیدائش اوہایو امریکہ ہے، تمہارا باپ ایک سروس اسٹیشن چلاتا تھا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد تم کچھ عرصے تک اپنے باپ کے ساتھ کام کرتے رہے، جہاں تم نے گاڑیوں کی مرمت کا کام سیکھا لیکن تم اپنے باپ کے ساتھ نبھاؤ نہ کرسکے، پھر تم نے فلائنگ کی تربیت حاصل کی اور ٹیکساس کے ایک جاگیردار کے پاس بطور پائلٹ ملازم ہوگئے۔ جہاں تمہیں اچھی تنخواہ ملتی تھی کچھ عرصے بعد تمہاری ملاقات ایک پیشہ ور اسمگلر سے ہوئی۔ جس نے پیسے کا لالچ دے کر تمہیں انسانوں کی اسمگلنگ پر آمادہ کرلیا۔ پھر ایک عرصے تک تم میکسیکو کے باشندوں کو امریکہ اسمگل کرتے رہے، اس کام میں تم نے خوب رقم کمائی، یہ رقم لے کر تم الجزائر آگئے اور ایک پرانا جہاز خرید کر فرانس میں منشیات کی اسمگلنگ کرنے لگے۔ ہر نئے اسمگلر کی طرح شروع میں تم نے خوب دولت کمائی۔ لیکن ایک دن دھر لئے گئے، تمہارا ساتھی جہاز سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ فرانس کی عدالت نے تمہاری ساری دولت ضبط کرلی اور تمہیں تین سال قید کی سزا دی اور سزا پوری کرنے کے بعد تمہیں فرانس سے نکال دیا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد تمہارا ساتھی جہاز سمیت گرفتار ہوگیا اور آج کل فرانس میں جیل کاٹ رہا ہے اور تم ان دنوں گریٹا وہائٹ نامی پاپ گرل کے فلیٹ پر مقیم ہو۔“ شلیک نے طلائی راکھ دان میں سگار جھاڑتے ہوئے گیری کی طرف دیکھا۔ ”کیا خیال ہے میری فراہم کردہ معلومات میں کوئی خامی یا غلطی تو نہیں۔“

”مدلل اور مکمل... کوئی خامی نہیں۔“ گیری نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”میں آپ کا مزید وقت ضائع نہیں کروں گا۔ اجازت چاہتا ہوں۔“

”بیٹھ جاؤ!“ شلیک نے ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم میرے کام کیلئے مفید ثابت ہوسکتے ہو۔ اگر تم جہاز چلانا جانتے ہو اور تمہارے پاس پائلٹ لائسنس ہے تو میں معاملے کی بات کرسکتا ہوں۔“

”یقیناً ہے۔“ گیری نے ایک پلاسٹک فولڈر جیب سے نکال کر شلیک کے سامنے رکھ دیا۔ اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ شلیک سگار کا کش لیتے ہوئے کاغذات کا جائزہ لینے لگا۔

”تسلی بخش۔“ اُس نے فولڈر واپس دیتے ہوئے کہا۔ ”اب یہ بتاؤ کہ تم ایسا کام کرنے پر تیار ہو جسے مجموعی طور پر جائز نہیں کہا جاسکتا۔؟“

”معاوضہ خاطر خواہ ہو تو مضائقہ نہیں۔“

”کام صرف تین ہفتے کا ہے۔ اخراجات کے علاوہ نو ہزار ڈالر معاوضہ ہوگا۔ یعنی تین ہزار ڈالر فی ہفتہ۔ پولیس کی مداخلت کا کوئی امکان نہیں۔ تمہارے علاوہ تین افراد اور بھی اس مہم میں شامل ہوں گے۔“

”کام کی نوعیت کیا ہے؟“

”آج رات کو نو بجے آجانا۔“ شلیک نے کہا۔ ”تاکہ تفصیلات کے علاوہ ٹیم کے دیگر ممبران سے تعارف کرادیا جائے!“

"بہتر ہے۔" گیری نے کہا۔ "مقررہ وقت پر حاضر ہو جاؤں گا۔"

"یاد رہے رازداری شرطِ اوّل ہے۔" شیلک نے کہا۔ "یقیناً اس سلسلے میں تمہیں کسی تاکید کی ضرورت نہیں۔"

اُسے باہر آتا دیکھ کر شیلک کی سکریٹری اپنی نشست سے کھڑی ہو گئی اور بیرونی دروازہ کھول کر ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔ گیری اُس کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا اُس کا ذہن نو ہزار ڈالر کے خوش کن تصور میں اُلجھا ہوا تھا۔ دروازہ بند کر کے لڑکی اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔ قدرے توقف کے بعد اُس نے میز کی دراز آہستگی سے کھولی، اندر ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر چل رہا تھا اُس نے مشین کو بند کر دیا اور ٹیپ نکال کر پرس میں رکھ لی۔

✪

رات کے نو بجے گیری دوبارہ شیلک کے دفتر میں داخل ہوا لڑکی بدستور اپنی کرسی پر موجود تھی، اس وقت میز پر اُس کے نام کی تختی بھی موجود تھی۔ جس پر "ہیلن نارمن" لکھا ہوا تھا حسبِ معمول اُس نے شیلک کے دفتر کا دروازہ کھول دیا اور گیری اُس کی طرف دیکھے بغیر اندر داخل ہو گیا، دو افراد پہلے ہی سے آفس میں موجود تھے، دونوں گیری کو گھورنے لگے، گیری ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا اور سرسری نظر سے دونوں کا جائزہ لینے کے بعد دیوار پر آویزاں تصاویر کو دیکھنے لگا چند ساعتوں کے بعد کمرے کے دور اُفتادہ حصّے کا دروازہ کھلا اور آرمو شیلک اندر داخل ہوا۔ کرسی پر بیٹھنے کے بعد اُس نے ایک سگار سلگایا اور چند لمحوں تک سامنے پڑے ہوئے کاغذات کو دیکھتا رہا۔

"خوب! سب لوگ حاضر ہیں۔۔۔!" اُس نے حاضرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ زیادہ مناسب ہو گا کہ پہلے تعارف ہو جائے۔۔۔۔ یہ ہیں مسٹر ایڈورڈ گیری۔۔۔" اُس نے گیری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہیلی کاپٹر پائلٹ اور ہماری مہم کے اہم رکن۔۔۔" اس کے بعد اُس نے گیری کے مکمل حالات بیان کرنے شروع کئے۔ گیری کا تعارف ختم ہونے کے بعد اُس نے داہنی جانب بیٹھے ہوئے شخص کی طرف اشارہ کیا اُسکی عمر تقریباً تیس سال قد درمیانہ اور جسم دُبلا تھا اُس کے بال قبل از وقت سفید ہونے شروع ہو گئے تھے۔ "مسٹر کنیڈی جونز۔" شیلک نے سلسلہ تعارف جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "جونز آج ہی جوہنسبرگ سے لندن پہنچا ہے، اس طویل سفر کا مقصد صرف اس اجلاس میں شرکت ہے، جونز ایک لمبے عرصے سے جوہنسبرگ میں مقیم ہے۔ اُس کا کام مہم جو سیاحوں کے لئے سفر کے انتظامات کرنا ہے، تاریک براعظم کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسے جونز نہ جانتا ہو خصوصیت کے ساتھ اُسے جنوبی افریقہ کے جنگلات اور وحشی زندگی کے بارے میں مکمل معلومات ہیں، بدقسمتی سے جونز کو پریٹوریا کی جیل میں کچھ عرصہ گزارنا پڑا۔ بہرحال یہ ایک ذاتی معاملہ ہے اور آپ حضرات اس سلسلے میں تفصیلات جاننے کے خواہشمند نہ ہوں گے۔۔۔۔ اور آخر میں ہمارے دوست مسٹر سوفرن۔۔۔" شیلک نے تیسرے آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس کا چہرہ کرخت اور جسم خاصا مضبوط تھا، پہلی ہی نظر میں اُسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ایک خاندانی اور پیشہ ور مجرم ہے، شیلک نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ جان کر آپ لوگوں کو کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئیے کہ فیرن ایک کہنہ مشق اور ماہر قفل شکن ہے، اس بات میں ذرا بھی مبالغہ آمیزی نہیں، پولیس کے ریکارڈ میں اُسکی اس خصوصیت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ مسٹر فیرن کو وقتاً فوقتاً جیل کے اندر قیام کرنے کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے۔۔۔" قدرے توقف کے بعد شیلک نے مزید کہا۔ "تو حضرات! یہ امر باعث مسرت ہے کہ آپ سب میں ایک قدر مشترک موجود ہے۔"

تینوں خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔

"تعارف ختم ہوا۔۔۔" شیلک نے میز کی دراز سے ایک بڑے سائز کی تصویر نکالتے ہوئے کہا۔ "اب کاروبار کی بات ہو جائے۔۔۔ یہ تصویر اُس مشہور ہیرے کی انگوٹھی کی ہے جس کا ڈیزائن نامور ڈیزائنر سیزر بورجیا نے تیار کیا تھا۔۔۔"

تینوں آگے جھک کر پُرشوق نظروں سے انگوٹھی کی تصویر دیکھنے لگے۔

"اس انگوٹھی کو موت کی انگوٹھی بھی کہتے ہیں۔" شیلک نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "یہ خوبصورت انگوٹھی کئی لوگوں کو موت کی نیند سُلا چکی ہے۔ سیزر بورجیا نے اسے پندرھویں صدی کے اوائل میں تیار کرایا تھا بنانے والا ایک گمنام جوہری تھا جو اس انگوٹھی کا پہلا شکار تھا۔ ان چمکدار ہیروں کے درمیان ایک چھوٹا سا خفیہ خانہ ہے جس میں زہر بھرا رہتا تھا خفیہ خانہ سے ایک پتلی سی اور غیر معمولی تیز سوئی منسلک ہے۔ انجکشن لگانے والی سوئی جیسی۔ جب بورجیا اپنے کسی حریف کو قتل کرنے کا ارادہ کرتا تو وہ ہیروں کا رُخ ہتھیلی کی جانب کر لیتا اور اُس سے ہاتھ ملاتا، تیز سوئی مقابل کے ہاتھ پر معمولی سی خراش ڈال دیتی جس کے ذریعہ زہر اُسکے جسم میں سرایت کر جاتا۔ اور وہ چند گھنٹوں کے اندر موت کی نیند سو جاتا۔۔۔ اگر کوئی اناڑی یہ انگوٹھی پہن لے تو اُسکے بھی ہلاک ہونے کا اتنا ہی امکان ہے بشرطیکہ اندر زہر موجود ہو لیکن پانچ صدیاں گزر جانے کے بعد زہر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لہٰذا اب انگوٹھی گلاب کے پھول کی مانند بے ضرر ہے۔"

"چار صدیوں تک یہ انگوٹھی نامعلوم ہاتھوں میں رہی۔۔۔ چند سال پہلے فلورنٹین کا ایک امیر شخص اپنے بیوی بچوں سمیت کار کے حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ جب اُس کا ذاتی سامان فروخت کیا گیا تو اُس میں سے یہ انگوٹھی بھی نکل آئی جسے ایک ایکسپرٹ نے شناخت کر لیا۔۔۔" شیلک نے سگار کا کش لیتے ہوئے کہا۔ "اس مرحلے پر یہ بتانا مناسب ہو گا کہ ہماری فرم معقول معاوضے پر مشکل اور غیر معمولی نوعیت کے کام کرتی ہے جس میں اہم کاروباری اور سیاسی رازوں کے حصول کے علاوہ گمشدہ نوادرات کی بازیابی کا کام بھی شامل ہے۔۔۔ موقع کی مناسبت سے ہم نوادرات کی خرید و فروخت بھی کر لیتے ہیں۔ جب مجھے اس عجوبۂ روزگار انگوٹھی کے بارے میں معلوم ہوا تو میں نے فوراً اُسے خرید لیا۔ اور بعد میں معقول منافع پر ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں فروخت کر دیا جسے نوادرات جمع کرنے کا جنون ہے۔۔۔ چھ ماہ کے بعد انگوٹھی چوری ہو گئی۔ اب

انگوٹھی کے مالک مسٹر مورشیل نے انگوٹھی کی بازیابی کے لئے میری خدمات حاصل کی ہیں انتھک کوشش کے بعد میں یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو چکا ہوں کہ انگوٹھی کس شخص نے چوری کروائی ہے اور اس وقت کہاں موجود ہے ۔۔۔ تو حضرات آپ لوگوں کی خدمات صرف مذکورہ انگوٹھی کی بازیابی کیلئے حاصل کی گئی ہیں۔"

کئی لمحوں تک کمرے کے اندر خاموشی چھائی رہی۔ پھر فیرن نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"یعنی قصہ مختصر یہ ہے کہ تم ہمارے ذریعہ یورجیا انگوٹھی چوری کروانا چاہتے ہو۔۔۔؟"

شیلک نے ناگواری کے ساتھ فیرن کی طرف دیکھا۔

"تم ہر چیز کا تاریک پہلو دیکھنے کے عادی ہو۔" اس نے ترش لہجے میں کہا۔ "بہر حال اس معاملے میں پولیس کی مداخلت کا کوئی امکان نہیں انگوٹھی چرائی گئی ہے اور ہم اسے اُسکے قانونی مالک تک پہنچانا چاہتے ہیں ۔۔۔ اس وقت یہ انگوٹھی ایک ایسے شخص کے پاس ہے جس کا شمار افریقہ کے امیر ترین افراد میں ہوتا ہے، یہ شخص بسوٹولینڈ اور نیٹال کے سرحدی علاقے میں ڈریکین برگ کی پہاڑیوں کے دامن میں کسی مقام پر۔"

"تمہارا اشارہ ارب پتی میکس کیلن برگ کی طرف تو نہیں۔۔؟" جونز نے پوچھا۔

"تمہارا اندازہ بالکل صحیح ہے ۔۔۔ میرا خیال ہے کہ تم اس شخص کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو گے؟"

"جنوبی افریقہ کا بچہ بچہ اسے جانتا ہے۔" جونز نے کہا۔ "اس شخص کے بارے میں عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں۔" چند لمحوں تک وہ بھنویں سکیڑ کر سوچتا رہا۔ "میکس کا باپ کارل کیلن برگ جرمنی کا باشندہ تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران وہ ہجرت کر کے جنوبی افریقہ میں آ گیا۔ خوش قسمتی سے جوہنسبرگ سے کچھ فاصلے پر اسے ایک سونے کی کان مل گئی، جو اس مقام پر دریافت ہونیوالی سب سے بڑی کان تھی۔ کارل ایک ہوشیار شخص تھا اس نے تمام سونا نکال کر اسے کاروبار میں لگا دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ارب پتی بن گیا۔ پہلی بیوی کی موت کے بعد اس نے ساٹھ سال کی عمر میں ایک مقامی دوشیزہ سے شادی کر لی جس سے میکس پیدا ہوا ۔ لیکن بدقسمتی سے اسکی ٹانگیں بدوضع اور بہت چھوٹی تھیں۔ بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ اسکی ٹانگیں کسی جنگلی درندے کے پنجوں سے مشابہ ہیں۔ تاہم آج تک ڈاکٹر اور میکس کی ماں کے سوا کسی نے اسکی ٹانگیں نہیں دیکھیں ۔۔۔ بوڑھے کارل کی وفات کے بعد اسکی ماں نے ڈریکین برگ کے علاقہ میں ایک وسیع قطعہ خرید کر رہائش اختیار کر لی کیونکہ وہ اپنے معذور بچے کو سوشل زندگی سے دور رکھنا چاہتی تھی۔

گھنے اور پُرخطر جنگلات کے درمیان گھری ہوئی میکس کی قیامگاہ اور اسکے گرد لگے ہوئے سرسبز باغات کم و بیش ایک سو مربع میل کے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں اس جگہ کا نام کارل ہاؤس ہے۔ میکس کے پاس افریقی محافظوں کی پوری فوج موجود ہے جو ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ مجموعی اعتبار سے کارل ہاؤس ایک مضبوط قلعے کی مانند ہے۔ جس میں بُری نیت سے داخل ہونے کا مطلب موت کو دعوت دینا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میکس کی حیثیت پورے نیٹال کے علاقہ میں ایک نواب کی سی ہے میں نے سُنا ہے کہ لندن میں اس کا ایک بنک بھی ہے جسے نیشنل بنک آف نیٹال کہتے ہیں۔"

چند لمحوں تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ فیرن نے سگریٹ کا آخری کش لیا اور اسے ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"کیا جونز نے جو کچھ بتایا ہے، وہ سچ ہے؟" اس نے شیلک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اُسکی آواز میں واضح احتجاج پایا جاتا تھا۔

"تقریباً سچ ہے۔" شیلک نے جواب دیا۔

"یعنی تم ہمیں موت کے منہ میں دھکیلنا چاہتے ہو۔؟"

"اگر تم میرے بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق کام کرو گے تو تمہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئیگی۔" شیلک نے کہا۔ "کام خطرناک ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ مجھے امید ہے کہ نو ہزار ڈالر کیلئے کوئی بھی شخص جان کی بازی لگا سکتا ہے۔ صرف تین ہفتے کے اندر نو ہزار ڈالر میکس کے بارے میں جونز نے ایک بات نہیں بتائی وہ خوبصورت عورتوں کا بہت شیدائی ہے، اُس تک رسائی حاصل کرنے کیلئے میرے پاس ایک ایسی عورت ہے جسکی خوبصورتی و رعنائی میکس کو دیوانہ کر دینے کیلئے کافی ہے۔ اگر یہ خاتون کارل ہاؤس میں داخل ہونے کا ذریعہ نہ بن سکی تو پھر دنیا کی کوئی ہستی وہاں رسائی نہیں پا سکتی۔" شیلک نے ڈرامائی انداز میں تینوں کی طرف دیکھا اور کرسی پر جھکتے ہوئے ایک بٹن دبایا، ایک ثانیے کے بعد دروازہ کھلا اور ایک دراز قد اور پیکر حسن و جمال جس کی خوبصورتی و رعنائی، واقعی بے مثال تھی اندر داخل ہوئی اور شاہانہ تمکنت سے چلتی ہوئی اُن کے قریب آگئی تینوں سحر زدہ انداز میں اُسکی طرف دیکھنے لگے۔

"مس شرلے ڈلینڈ!" شیلک نے شرلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تینوں احتراماً کھڑے ہو گئے، شرلے نے دلنواز مسکراہٹ کے ساتھ اُنکی طرف دیکھا، رسمی تعارف کے بعد سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ شیلک نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا ۔۔۔ "مس شرلے مہم کی رُکن کی حیثیت سے تمہارے ساتھ سفر کریگی ۔ جوہنسبرگ کے رینڈ انٹرنیشنل ہوٹل میں چار کمروں کا بندوبست کر لیا گیا ہے، جوہنسبرگ سے آگے کے سفر کے انتظامات جونز کے سپرد ہیں انتظامات مکمل ہونے تک تم لوگ ہوٹل میں قیام کرو گے، لیک کرایے کے ہیلی کاپٹر کا انتظام بھی موجود ہے جسے گیری اور شرلے استعمال کریں گے ۔ میں نے کارل ہاؤس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کی ہیں، تاہم تصدیق کے بغیر اُن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، پروگرام کے مطابق شرلے ایک پیشہ ور فوٹوگرافر کی حیثیت سے ہیلی کاپٹر کے ذریعہ کارل ہاؤس میں داخل ہو گی گیری اُس کا پائلٹ ہو گا۔ شرلے خود کو امریکہ سے شائع ہونیوالے "اینمل ورلڈ" کی نمائندہ ظاہر کریگی، رسالے کے مالک اور پبلیشر سے میں نے ایک سرٹیفکیٹ بھی حاصل کر لیا ہے۔ جس میں شرلے کو رسالے کی نمائندہ ظاہر کیا گیا ہے۔ میکس ایک زیرک شخص ہے عین ممکن ہے کہ وہ شرلے کے بیان

کی تصدیق کیلئے رسالے کے دفتر ٹیلیفون کر ڈالے پھر شیلک نے گیری اور شرلے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کارل ہاؤس کے اندر ائیر فیلڈ بھی ہے جہاں تم اپنا ہیلی کوپٹر اُتارو گے۔ میکس کے محافظوں کے استفسار پر تم کہو گے کہ جنگل کے اوپر سے گزرتے ہوئے تمہاری نظر اس خوبصورت سبزہ زار پر پڑی جسے دیکھ کر تم بہت متاثر ہوئے اور فوٹو گرافی کیلئے نیچے اُتر آئے۔ یقیناً تمہیں فوٹو گرافی کی اجازت نہیں ملے گی لیکن اس طرح تم میکس تک رسائی حاصل کر لو گے۔

عمارت کے اندر بہت بڑا عجائب گھر ہے جس کے اندر نادر روزگار شاہکار موجود ہیں ان نوادرات میں بیشتر مسروقہ ہیں تقریباً آٹھ سال قبل مجھے اپنے ایک ایجنٹ کے ذریعہ معلوم ہوا تھا کہ میکس نے سویڈن کی مشہور قفل ساز کمپنی بیل سٹارم سے کچھ سامان خریدا ہے میری ہدایت پر مذکورہ نمائندے نے شپنگ ایجنٹ کی مٹھی گرم کر کے اُس کے سامان کی انوائس حاصل کر لی جو اس وقت میرے پاس موجود ہے۔" شیلک سگار کا کش لینے کیلئے رکا اور پھر فرن کو گھورنے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ تم بیل سٹارم کمپنی سے بخوبی واقف ہو۔"

"بہت اچھی طرح۔" فرن نے جواب دیا۔ "کچھ سال پہلے میں اس کمپنی میں کام کر چکا ہوں۔"

"گویا تم قفل شکنی کے علاوہ قفل سازی کا کام بھی جانتے ہو۔"

شیلک نے میز کی دراز سے ایک پلاسٹک کور نکال کر فرن کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "یہ بیل اسٹارم کمپنی کی انوائس ہے! اس میں اُس سامان کی فہرست موجود ہے جو میکس نے خریدا تھا اس فہرست کو دیکھ کر تم اندازہ کر لو گے کہ کارل ہاؤس میں کس قسم کے تالے استعمال کئے گئے ہیں۔" پھر اُس نے میز کی دراز سے ایک اور پلاسٹک کور نکالا اور گیری کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "یہ ڈریکین برگ کے جنگلات' اور کارل ہاؤس کا نقشہ ہے۔ اس کے ذریعہ تم بآسانی کارل ہاؤس تک پہنچ سکتے ہو۔" قدرے توقف کے بعد اُس نے کہا۔ "اب آج کی میٹنگ برخاست ہوتی ہے' اگلی ملاقات سوموار کو ہوگی جس میں مزید تفصیلات طے کی جائینگی۔ کسی کو کچھ پوچھنا تو نہیں؟"

"آج کی میٹنگ سے اور باتوں کے علاوہ ایک بات سمجھ میں آئی ہے کہ تم نے ہمیں اپنی مہم کیلئے منتخب کر لیا ہے۔" فرن نے کہا۔ "اور ہم میں سے ہر شخص کو نو ہزار ڈالر ملیں گے لیکن ایڈوانس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ مطالبہ کرو گے۔" شیلک نے دراز کے اندر سے چار لفافے نکالے اور چاروں کے ہاتھوں میں ایک ایک لفافہ دیتے ہوئے کہا۔ "ہر لفافے کے اندر تین تین ہزار ڈالر کے سادہ سفری چیک ہیں' باقی رقم مہم کی کامیابی کی صورت میں واجب الادا ہوگی۔ اب آئندہ سوموار تک کیلئے یہ اجلاس برخاست کیا جاتا ہے۔"

شرلے اپنی کرسی سے اُٹھ گئی اور نہایت تمکنت کے ساتھ چلتی ہوئی کمرے سے رخصت ہو گئی۔ تینوں لاشعوری طور پر اُسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر جونز اور گیری بھی اُٹھ گئے اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگے فرن کی نگاہیں ہنوز اُس دروازے پر مرکوز تھیں جہاں سے شرلے باہر نکلی تھی۔

پھر وہ ایک ٹھنڈا سانس لیتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"کیسی لڑکی ہے مسٹر فرن!" شیلک نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"آں ہاں! لاجواب چیز ہے۔" پھر وہ ایک دم سنبھل گیا۔

"جی کیا کہا۔؟"

"مسٹر فرن!" شیلک نے ترش لہجے میں کہا۔ "اس لاجواب چیز کو حاصل کرنے اور اُس کی تربیت کرنے پر میں نے ایک خطیر رقم خرچ کی ہے اس کا شمار میری فرم کی غیر منقولہ جائیداد میں ہوتا ہے۔ لیکن میں تمہارے چہرے پر شیطان کا عکس دیکھ رہا ہوں۔ یہ مت بھولو کہ تم ایک مفرور مجرم اور قاتل ہو۔ تم نے تین بے گناہ لڑکیوں کو قتل کیا ہے اور پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ میرے پاس تمہارے جرائم کے ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں میں جب چاہوں تمہیں انٹرپول کے حوالے کر سکتا ہوں۔ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"کیا تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو مسٹر شیلک؟" فرن نے کہا۔ "کیا ہم نے ملکر کام کرنے کا عہد نہیں کیا ہے۔؟"

"یقیناً کیا ہے۔" شیلک نے کہا۔ "لیکن میں تمہیں کھلی چھٹی نہیں دے سکتا اسلئے تمہیں دو باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا۔ پہلی بات یہ کہ تم مس شرلے ڈسینڈ کے معاملات میں مداخلت نہیں کرو گے' افریقہ کے گھنے جنگلات میں سفر کرتے ہوئے تنہائی کے مواقع پیدا ہو سکتے ہیں اور ابھی ابھی تمہارا شیطانی ذہن ان مواقع سے فیضیاب ہونے کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ بس میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر تم نے اس قسم کی حرکت کی تو انٹرپول کے بے رحم ہاتھ تمہاری گردن پر ہونگے۔"

"یہ محض تمہاری قیاس آرائی ہے۔" فرن نے کہا۔ "پھر بھی تمہاری تسلی کیلئے وعدہ کرتا ہوں کہ شرلے کی طرف بُری نظر سے دیکھوں گا بھی نہیں۔ بلکہ دیکھوں گا ہی نہیں۔ بلکہ آج سے اُسے اپنی امی جان کی طرح سمجھوں گا۔ اب تو خوش ہو؟"

"اور دوسری بات یہ ہے۔" شیلک نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کہ میں ہر صورت میں انگوٹھی حاصل کرنا چاہتا ہوں' اگر تم ناکام ہو گئے یا بالفاظ دیگر ناکامی کا ڈرامہ کھیلنے کی کوشش کی تو بھی میں تمہیں انٹرپول کے حوالے کر دوں گا۔ تم ایک کہنہ مشق قفل شکن اور دلیر چور ہو' اس لئے ناکامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ تم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو۔" فرن نے کہا۔ "یعنی یہ کہ اس مہم کی کامیابی کا دارومدار میری محنت پر ہے۔ لہٰذا میں زائد معاوضہ طلب کرنے میں حق بجانب ہوں۔"

"تم میری توقعات سے بڑھ کر لالچی ہو۔" شیلک نے بیزاری سے کہا۔ "انگوٹھی میرے ہاتھ میں آجائے تو زائد معاوضہ بھی دیدوں گا۔ اور اب خدا حافظ۔"

فرن نے مزید کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا لیکن شیلک نے اُسے ہاتھ سے

باہر نکل جانے کا اشارہ کیا اور ریسیور اُٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کرنے لگا ــــ گیری دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ بیرونی کمرے میں ہیلن کوئی خط ٹائپ کر رہی تھی، گیری نے ناگوار نظروں سے اُسے دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گیا جونہی وہ باہر نکلا ہیلن اپنی سیٹ سے اُٹھ کر اندرونی کمرے کے دروازے کے قریب جا کر سننے لگی شیلک فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ پورا اطمینان کر لینے کے بعد اُس نے میز کی دراز کھولی، ٹیپ ریکارڈر بند کیا اور کیسٹ نکال کر پرس میں رکھ لیا۔

✵

دس منٹ کے بعد شیلک ہیلن کے کمرے میں داخل ہوا۔ اُسکے ہاتھ میں سفری سوٹ کیس اور بازو پر اوورکوٹ تھا۔ ہیلن ٹائپ کا کام روک کر اُسکی طرف دیکھنے لگی۔ وہ ایک محنتی اور مستعد سکریٹری تھی اُسکی عمر پینتیس سال، چہرہ سپاٹ اور جسم بے کیف سا تھا، کام کے علاوہ اُس کا کوئی مشغلہ نہیں تھا، اپنی فطری کم گوئی کی وجہ سے وہ آج تک کسی لڑکے سے بے تکلف نہ ہو سکی تھی اُسکی زندگی ویران اور تنہا گزر رہی تھی، دفتر سے چھٹی پر وہ سیدھی اپنے فلیٹ میں جا کر مقید ہو جاتی تھی، زندگی کے طویل سفر میں اُسے عشق و محبت کا ایک لمحہ بھی میسر نہیں آیا تھا اس محرومی کی وجہ سے وہ اپنے کام میں بہت دلچسپی لیتی تھی۔ انگریزی کے علاوہ جرمن اور فرانسیسی زبان نہایت روانی کے ساتھ بول لیتی تھی وہ شیلک کی زندگی کا ایک ایسا جزو بن چکی تھی جس کے بغیر وہ ایک دن بھی نہیں گزار سکتا تھا۔ لیکن وہ اُسے ایک مشین سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا تھا، دوران گفتگو اُس نے کبھی اُسکے چہرے کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی، وہ صرف خوبصورت اور جنسی طور پر پرکشش عورتوں کو پسند کرتا تھا۔ ہیلن کی میز کے قریب رک کر اُس نے کہا۔ ”مس ہیلن! میں ایک ہفتہ کیلئے لندن سے باہر جا رہا ہوں اور آئندہ اتوار سے پہلے واپس نہیں آؤں گا جب تک تم بھی چھٹی کر سکتی ہو۔ سوموار کو صبح نو بجے ایک اہم میٹنگ ہے، تم ایک گھنٹہ پہلے آ جانا۔“

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا اُسکے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی، نہ ہی اُس نے ہیلن کو خدا حافظ کہنے کی ضرورت محسوس کی، اُس کے جانے کے بعد ہیلن نے ٹائپ مشین بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور میز پر پھیلے ہوئے کاغذات سمیٹنے لگی، اس اثنا میں شیلک کا بزنس منیجر جارج شربورن اندر داخل ہوا۔ ہیلن جارج سے سخت نفرت کرتی تھی دوسری طرف جارج بھی اُس سے کم نفرت نہیں کرتا تھا، تاہم یہ نفرت کام میں کبھی حائل نہیں ہوتی تھی۔

”جا رہی ہو؟“ جارج نے پوچھا۔

”چند منٹوں کے اندر!“ اُس نے اُسکی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

جارج نے کچھ اس طرح سر کو جنبش دی گویا کہہ رہا ہو، جلدی جاؤ جان چھوڑو، پھر وہ شیلک کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اور کسی کو ٹیلیفون کرنے لگا۔ ہیلن دروازے کے ساتھ کان لگا کر سننے لگی، جارج اپنی گرل فرینڈ سے بات کر رہا تھا۔

”ہیلو بے بی ــــ! دفتر میں بالکل اکیلا ہوں، باس لندن سے باہر چلا گیا ہے... ہاں آج ہی گیا ہے۔ وہ چھپکلی کی بچی بھی جا رہی ہے ہاں ہاں... پورے ایک ہفتے کیلئے... دفتر سے چھٹی کر کے سیدھی ادھر ہی آ جاؤ.....“

ہیلن نے میز کی نچلی دراز سے پلاسٹک کا تھیلا نکالا، وہ ایک عام خریداری کا تھیلا تھا، پھر اُس نے دوسری دراز سے ٹیپ ریکارڈر نکال کر تھیلے میں ڈال لیا۔ اور جلدی جلدی اوورکوٹ پہننے لگی۔ جارج ہنوز ٹیلی فون پر باتیں کر رہا تھا۔ ہیلن نے اپنا پرس اور پلاسٹک کا تھیلا اُٹھا لیا اور کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے باہر نکل گئی۔ راہداری میں پہنچ کر اُس نے لفٹ کا بٹن دبایا اور انتظار کرنے لگی۔ ایک منٹ کے بعد دفتر کا دروازہ کھلا اور جارج نے گردن نکال کر باہر جھانکا ــــ وہ ہیلن کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پلاسٹک کے تھیلے کو عجیب نظروں سے گھورنے لگا، اُسے یقین تھا کہ جب ہیلن صبح کو دفتر میں آئی تھی تو اُس کے ہاتھ میں کوئی تھیلا نہیں تھا۔

”تمام خفیہ راز ساتھ ہی لئے جا رہی ہو؟“ اُس نے کہا۔

”ہاں۔ تم اپنے کام سے مطلب رکھو۔“

عین اُس وقت لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔

✵

میکس کیلن برگ کا کاروبار یورپ کے تقریباً تمام ممالک میں پھیلا ہوا تھا۔ لیکن اپنی پیدائشی خامی کی وجہ سے اُس نے کبھی ان ممالک کا دورہ نہیں کیا تھا، وہ جنوبی افریقہ کے پُر خطر اور ناقابل عبور جنگلات میں گھرے ہوئے اُس مقام سے جسے کارل ہاؤس کے نام سے متعارف کرایا جا چکا ہے تمام کاروبار کو کنٹرول کرتا تھا اُس کا اپنا ایک بینک بھی تھا جس کا نام نیشنل بینک آف نیٹال تھا، بینک کی لندن شاخ کا چیئرمین چارلس برائنٹ میکس کے قابل اعتماد کارکنوں میں سے ایک تھا، وہ نہایت ہوشیار اور زیرک شخص تھا۔ میکس مشکل اور غیر معمولی نوعیت کے کام چارلس ہی کے سپرد کیا کرتا تھا، اس قسم کے معاملات کے بارے میں خط و کتابت کرتے وقت وہ کوڈ ورڈ (مخصوص الفاظ) استعمال کرتا تھا، دو ہفتے قبل چارلس کو میکس کی طرف سے ایک خفیہ ہدایت ملی تھی جس میں اُسے آرمو شیلک کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کو کہا گیا تھا ــــ چارلس شیلک کو اچھی طرح جانتا تھا، لیکن اُسکی کاروباری سرگرمیوں کے بارے میں اُسے کچھ معلوم نہیں تھا۔

خوش قسمتی سے پیغام ملنے کے اگلے ہی روز چارلس کو شیلک کی طرف سے ایک کاک ٹیل پارٹی میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا، اس پارٹی میں چارلس کی ملاقات شیلک کی سکریٹری ہیلن سے ہوئی، وہ نہایت مستعدی کے ساتھ مہمانوں کی تواضع میں مصروف تھی لیکن کسی بھی مہمان نے اُسے توجہ کا مستحق نہیں سمجھا اُس کا چہرہ سپاٹ اور جسم جنسی کشش سے عاری تھا، چارلس کی جہاندیدہ نظروں نے فوراً اندازہ کر لیا کہ ہیلن جنسی محرومی کا شکار ہے۔

مہمانوں کی تواضع سے فارغ ہو کر ہیلن تنہا ایک کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر باہر دیکھنے لگی، چارلس مہمانوں کے جمگھٹے سے نکل کر اُس کے قریب پہنچ گیا چند لمحوں میں اُس نے اپنی خوشگوار اور بے تکلف باتوں سے ہیلن کا دل موہ لیا۔

"اوں ہوں نہیں۔" جیک نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "بہت مشکل ہے، کئی کام کرنے ہیں نوکری کا بندوبست بھی کرنا ہے۔"

"اچھا۔۔۔ مجھے اُمید ہے کہ۔۔۔ کہ تم آئندہ بھی ملتے رہو گے۔ اگر ہو سکے تو رات کا کھانا میرے ساتھ ہی کھانا۔"

"کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اُس نے لاپرواہی کے ساتھ جواب دیا "حالات پر منحصر ہے!۔ خدا حافظ!"

ہیلن نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا مگر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

اگلے دن شام کے وقت ہیلن کو طلائی سگریٹ کیس، لائٹر اور زیورات کی گمشدگی کا پتہ چلا اُسے یہ اندازہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ یہ حرکت جیک کے سوا کسی نے نہیں کی اس انکشاف سے اُسے گہرا صدمہ ہوا، اُس نے سوچا یقیناً وہ ایک اوباش اور کم ظرف شخص تھا اُس کے دل میں پولیس کو فون کرنے کا خیال آیا لیکن دھیرے دھیرے جذبۂ ہمدردی اُس پر غالب آگیا' وہ سوچنے لگی کہ جیک بے روزگار تھا اور نہ معلوم کتنے دنوں سے کھانے پینے کی تنگی برداشت کر رہا تھا اگر وہ اُس کی جگہ ہوتی تو شاید ایسی ہی کوئی حرکت کر گزرتی، یوں بھی یہ اشیاء اُس کے کسی کام کی نہ تھیں، ایک رات میں اُس نے جو خوشی اُسے دی تھی، اُس کے بدلے وہ ایسی کئی چیزیں قربان کر سکتی ہے۔ پانچ راتوں تک وہ شدت سے اُس کا انتظار کرتی رہی۔ پھر وہ تقریباً مایوس ہو گئی۔ لیکن اچانک رات کے دس بجے اُس کا فون آگیا، اُس وقت وہ بستر پر لیٹی اپنی بے کیف زندگی پر افسوس کر رہی تھی جیک کی آواز نے اُس کے دل و دماغ میں بہار کی سی کیفیت پیدا کر دی۔

"ہیلو ہیلن! جیک بول رہا ہوں۔" اُس نے شگفتہ لہجے میں کہا۔ "پہچانا؟"

"اوہ جیک!" ہیلن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟"

"ہیلن ڈیئر!" اُس نے تاسف انگیز لہجے میں کہا۔ "میں بہت شرمندہ ہوں۔ تمہاری چیزیں چُرا کر لے گیا تھا۔ تم ناراض ہو نا؟"

"ناراض! بالکل نہیں۔" ہیلن نے پُرخلوص لہجے میں کہا۔ "ناراضگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

"دراصل میں بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔" اُس نے کہا۔ "مجھے پیسوں کی سخت ضرورت ہے تمہاری چیزیں لے جانے کے بعد مجھے سخت ندامت ہوئی۔ میں نے سوچا کہ مر جاؤں گا لیکن تمہاری چیزیں نہیں بیچوں گا اب میں تھوڑی دیر کے اندر تمہاری چیزیں واپس کرنے آ رہا ہوں۔ دیکھو ڈانٹنا نہیں۔" یہ کہہ کر اُس نے فون بند کر دیا۔

نصف گھنٹے کے بعد ہیلن کو دروازے پر دستک سنائی دی ہیلن اُس کے انتظار میں بے چینی کے ساتھ کمرے کے اندر ٹہل رہی تھی آواز سُنتے ہی اُس نے دروازہ کھول دیا۔ جیک سر جھکائے کھڑا تھا اُس کے چہرے پر پریشانی اور اُلجھن کے آثار تھے۔

"یہ رہی تمہاری امانت اُس نے رومال میں لپٹی ہوئی چیزیں بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اور میں اجازت چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" ہیلن کو اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ "کیا تم بیٹھو گے نہیں؟ ۔۔۔ تمہاری نوکری کا کیا بنا؟ دیکھو میں نے تمہاری حرکت کا بالکل بُرا نہیں مانا' اس قسم کے حالات میں ایسی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ تم نے کھانا کھا لیا؟"

"اوہ! شکریہ" جیک نے کہا۔ "دراصل مجھے نہایت ناخوشگوار حالات کا سامنا ہے، اگر میں فوری طور پر پیسوں کا بندوبست نہ کر سکا تو۔۔۔ نہ معلوم کیا ہو گا؟"

"ایک منٹ کے لئے اندر آجاؤ!" ہیلن نے کہا۔ "شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

جیک نے اندازہ لگایا کہ تیر نشانے پر بیٹھ چکا ہے۔ لہٰذا وہ اندر آکر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اُسکے چہرے پر بدستور فکرمندی کے آثار تھے "کیا سوچ رہے ہو؟" ہیلن نے اُس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سود خور تو صرف پچاس پونڈ کیلئے آدمی کی کھال اُتار لیتے ہیں" جیک نے مدھم لہجے میں کہا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود سے باتیں کر رہا ہے' اُس نے دروازے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو پورے بارہ سو پونڈ دینے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اتنی بڑی رقم کا بندوبست ناممکن ہے ایک ہی صورت ہے، مجھے ڈبلن کی طرف بھاگ جانا چاہئے' یہ ٹھیک ہے۔" اُس نے ہیلن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کل صبح میں ڈبلن جا رہا ہوں۔"

"لیکن کیوں ڈیئر؟" ۔ ہیلن نے اُسکے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں کسی کا قرض دینا ہے؟"

"ہاں، بارہ سو پونڈ!" جیک نے کہا۔ "یقیناً تم اتنی بڑی رقم کا انتظام نہیں کر سکتیں! اگر تم کر بھی سکتی ہو۔ تو کیوں کرو گی، میرے ساتھ تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ میں ایک لاوارث اور آوارہ گرد شخص ہوں سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ میں ڈبلن چلا جاؤں۔"

ہیلن سوچ میں پڑ گئی' اُسکے بنک اکاؤنٹ میں صرف تین سو پونڈ تھے' فوری طور پر اتنی بڑی رقم کا انتظام کرنا بہت مشکل تھا' دفعتاً اُس کے ذہن میں چارلس برائنٹ کے الفاظ گونجنے لگے۔ "اگر کبھی تمہیں مالی مسائل کا سامنا ہو تو بے تکلف میرے پاس آجانا۔"

جیک اُسکے چہرے کا بغور جائزہ لے رہا تھا' اُسے اندیشہ تھا کہ شاید اُس نے کچھ زائد رقم کا مطالبہ کر ڈالا ہے۔

"جیک ڈیئر! میں بارہ سو پونڈ کا انتظام کر سکتی ہوں۔" اُس نے کہا۔ "لیکن ایک شرط پر کہ تم ڈبلن جانے کا ارادہ ترک کر دو گے اور ہمیشہ میرے پاس رہو گے"

"کیا مطلب!!" جیک نے بناوٹی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا

"اوہ ڈیئر! میں تمہیں کیسے بتاؤں۔" ہیلن نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ "نجانے تم نے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے تمہارے بغیر مجھے اپنی زندگی ادھوری معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ اب میں ایک دن بھی تمہارے بغیر نہیں گذار سکتی۔"

"آہ — میری بھی یہی حالت ہے۔" جیک نے پوری دردمندی کے ساتھ کہا۔ "میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہاری خاطر کہیں بھی رہ سکتا ہوں۔"

"تم کتنے دن تک پیسوں کا انتظار کر سکتے ہو؟" ہیلن نے پوچھا۔

"زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ!"

▪

ہیلن سے ساری بات سننے کے بعد بنک آف نیشنل کا چیئرمین چارلس برائنٹ چند لمحوں تک معنی خیز نظروں سے اُسے گھورتا رہا۔ اُسے جیک کے ذریعہ اطلاع مل چکی تھی کہ ہیلن کو پیسوں کی ضرورت ہے۔

"رقم خاصی بڑی ہے۔" چارلس نے کہا۔ "مگر میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ مس ہیلن! تم ایک ذہین لڑکی ہو اس لئے تمہیں الفاظ میں نہیں اُلجھاؤں گا۔ آج کل کے زمانے میں 'کچھ لو اور کچھ دو' کے اصول پر عمل ہوتا ہے۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔۔۔"

"تمہیں رقم کی ضرورت ہے، مجھے معلومات کی ضرورت ہے۔ تم آسانی کے ساتھ معلومات مہیا کر سکتی ہو اور میں آسانی کے ساتھ رقم مہیا کر سکتا ہوں۔" قدرے توقف کے بعد اُس نے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ مسٹر شیلک کی بعض سرگرمیاں مسٹر باس میکس کیلن برگ آف نیشنل کے مفادات کے خلاف ہیں مسٹر شیلک کی ان سرگرمیوں کے بارے میں میں جاننا چاہتا ہوں۔ اُمید ہے کہ تم میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی؟"

ہیلن کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔

اُسے یاد آیا کہ کچھ دنوں سے شیلک کے دفتر میں میکس کیلن برگ کا نام لیا جا رہا تھا لیکن اُسے کوئی تفصیل معلوم نہیں تھی۔

"مسٹر چارلس! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی" اُس نے مایوسانہ لہجے میں کہا۔ "میں مسٹر شیلک کی کاروباری سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی میں اس قسم کے معاملے میں ملوث ہونا چاہتی ہوں۔ میں صرف اُسکے نجی امور کی نگرانی کرتی ہوں، کاروباری معاملات جارج شربورن انجام دیتا ہے۔"

"تم بخوبی میری مدد کر سکتی ہو مس ہیلن۔" چارلس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ کام تمہارے تصور سے بھی زیادہ آسان ہے۔"

پھر وہ کام کی تفصیل اُسے سمجھانے لگا۔ ہیلن غور سے سنتی رہی۔ بیس منٹ کے بعد ہیلن نے پندرہ سو پاؤنڈ کے عوض کام کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ چارلس نے اُسے پلاسٹک کا ایک تھیلا دیا جس کے اندر چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر چھ ریلیں اور پیپر کلپ کی شکل اور سائز کا مائیکروفون تھا۔

"مس ہیلن!" چارلس نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ "اگر ریکارڈنگ عمدہ ہوئی تو معاوضہ میں اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے — اور فی الحال یہ پانچ سو پونڈ بطور ایڈوانس رکھ لو۔" ہیلن نے رقم پرس میں ڈال لی۔ اور پلاسٹک کا تھیلا لے کر رخصت ہو گئی۔

چھ روز تک وہ شیلک کے کمرے میں ہونے والی گفتگو ٹیپ کرتی رہی چھٹے روز شیلک ایک ہفتے کیلئے لندن سے باہر چلا گیا اور اُسے بھی چھٹی پر بھیج دیا۔ گھر آ کر اُس نے چارلس کو فون پر بتایا کہ معلومات تیار ہیں اور اب وہ بقایا رقم کی منتظر ہے۔ چارلس فی الفور اُسکے فلیٹ پر پہنچ گیا اور ایک ہزار پونڈ دے کر ٹیپ ریکارڈر اور ریلیں لے کر رخصت ہو گیا۔ جوش اور گھبراہٹ کی وجہ سے وہ کلپ نما مائیکروفون لینا بھول گیا۔

گھر پہنچ کر جب اُس نے ٹیپ شدہ گفتگو سُنی تو یہ جان کر حیران رہ گیا کہ شیلک کارل ہاؤس کی مشہور زمانہ بورجیا انگوٹھی چرانے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔ اس گفتگو کے ذریعہ اُسے منصوبے کی تفصیل اور مہم میں شامل افراد کے نام بھی معلوم ہو گئے اُس نے فوری طور پر یہ تمام تفصیلات خفیہ الفاظ میں تحریر کر کے میکس کیلن برگ کو بھجوا دی۔

▪

ہیلن کا خیال تھا کہ پیسوں کا ذکر سُن کر جیک خوشی سے دیوانہ ہو جائیگا لیکن اُسکی توقع کے برعکس اُس نے کسی خوشی کا اظہار کئے بغیر کہا۔

"پیسے کہاں ہیں؟"

ہیلن کو اُس کا خشک رویہ دیکھ کر تعجب بھی ہوا اور دُکھ بھی تاہم اُس نے اپنی آواز میں خوشگواری برقرار رکھتے ہوئے کہا۔

"آج میں نے تمہاری پسند کی ڈش تیار کی ہے۔"

"کھانے کی ایسی تیسی۔" جیک نے کرخت لہجے میں کہا — "پیسے کہاں ہیں؟"

اُسکے چہرے پر کمینگی اور مکاری جھلک رہی تھی۔ ہیلن اُسکی اس تبدیلی پر حیرت زدہ تھی اُس نے مزید کچھ کہے سُنے بغیر پرس کھولا اور ایک ہزار پونڈ جیک کے ہاتھ پر رکھ دیے۔

"دو سو پونڈ کل دیدوں گی۔" اُس نے ہمت کر کے کہا — "کیا تم خوش ہو؟"

جیک نے اُسکی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے نوٹوں کو مختلف جیبوں میں ٹھونسنا شروع کر دیا۔ پھر وہ واپس جانے کیلئے مُڑا۔

"کیا ... کیا تم جا رہے ہو؟" ہیلن نے چیخ کر کہا۔

"ہاں جا رہا ہوں — اور اب کبھی واپس نہیں آؤں گا۔" اُسنے حقارت سے ہیلن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یعنی رقم ملنے کے بعد تمہیں میرے ساتھ کوئی محبت نہیں رہی؟"

"محبت!!" اُس نے اُنگلی سے ہیلن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہڈیوں کے اس ڈھانچے سے کوئی گدھا ہی محبت کر سکتا ہے — جو عورت اپنے باس سے دھوکا کر سکتی ہے، وہ اپنے محبوب کی بھی وفادار

نہیں رہ سکتی۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ اُسکی اُنگلی ابھی تک ہیلن کے بدن میں چُبھ رہی تھی۔ کئی لمحوں تک وہ بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑی رہی۔ راہداری سے لفٹ کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سُنائی دی۔ پھر اُسکے چاروں طرف مکمل سناٹا چھا گیا۔ وہ لاشعوری طور پر چلتی ہوئی قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی اور دیر تک اپنے غیر متناسب جسم کو گھورتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد اُسکے ہاتھوں میں حرکت پیدا ہوئی اور اُس نے غیر ارادی طور پر اپنے تمام کپڑے اُتار کر ایک طرف رکھ دیے۔ اب وہ بالکل برہنہ حالت میں کھڑی اپنے عکس کو گھور رہی تھی۔

"میرا جسم واقعی ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے" اُس نے پوری سچائی کے ساتھ سوچا۔

"اور واقعی اس ڈھانچے کے ساتھ محبت کرنا بہت مشکل ہے۔" دفعتاً اُس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے بال پکڑ لئے اور پوری قوت سے شیشے کو ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔ "اوہ ڈیئر جیک!" اُس نے چیخ کر کہا۔ "تم سچ کہتے ہو، ہڈیوں کے اس ڈھانچے کے ساتھ کوئی گدھا ہی محبت کر سکتا ہے، میں بھی اس ڈھانچے سے محبت نہیں کرتی، میں اُسے چکنا چور کر دونگی۔ توڑ دونگی۔ ریزہ ریزہ کر دونگی، تاکہ یہ مکروہ ڈھانچہ دوبارہ کسی کو ___ دھوکا نہ دے سکے۔"

شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ ہیلن کا چہرہ لہولہان ہو چکا تھا۔ گرم گرم خون اُسکے برہنہ جسم پر پھیلتا ہوا قالین میں جذب ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسکی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ بے جان ہو کر فرش پر گر گئی۔

■

سوموار کی صبح جب شیلک دفتر آیا تو ہیلن کو سیٹ پر نہ پا کر سخت متعجب ہوا۔ اپنی طویل سروس کے دوران وہ کبھی اطلاع کئے بغیر غیر حاضر نہیں ہوئی تھی، اُس نے جارج شربورن سے ہیلن کے بارے میں دریافت کیا۔ مگر اُس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گیری، جونز اور فیرن اجلاس میں شرکت کیلئے پہنچ گئے، شرلے سب سے آخر میں آئی، اُسکے آتے ہی اجلاس کی کارروائی شروع ہو گئی، آج کی کارروائی بہت مختصر تھی، آخر میں جارج نے شرکائے مہم کو جوہنسبرگ کے ٹکٹ دئے اور ہوائی جہاز کی روانگی وغیرہ کے بارے میں تفصیلات بتائیں، اجلاس برخاست کرنے کے بعد شیلک نے گیری اور شرلے کو روک لیا۔

"ایک بات یاد رکھو۔" شیلک نے گیری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "فیرن ایک خطرناک عادی مجرم ہے۔ اُسے بامرِ مجبوری اس مہم میں شریک کیا گیا ہے تم ایک مضبوط شخص ہو اور اپنی حفاظت بخوبی کر سکتے ہو اس لئے میں مس شرلے کی حفاظت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔" گیری نے کہا۔ "میں فیرن جیسے لوگوں سے نمٹنا خوب جانتا ہوں۔"

"اوہ مسٹر شیلک!" شرلے نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں اپنی حفاظت کر سکتی ہوں، تم کیوں پریشان ہوتے ہو۔"

"مرد ہمیشہ خوبصورت عورتوں کیلئے پریشان ہوتے ہیں۔" شیلک نے کہا "اور تم صرف حسین ہی نہیں ذہین بھی ہو۔"

اپنی تعریف سُن کر شرلے کے گالوں پر سُرخی کی لہر دوڑ گئی۔

نصف گھنٹے کے بعد جارج نے اطلاع دی کہ سارجنٹ گڈیارڈ ملنے آیا ہے۔

"سارجنٹ گڈیارڈ!!" شیلک نے حیرت سے کہا۔ "پہلی مرتبہ نام سُنا ہے موصوف کی آمد کا مقصد کیا ہے؟"

"اُس نے اپنی آمد کا مقصد نہیں بتایا، اُس کا کہنا ہے کہ معاملہ نہایت اہم ہے۔ اور وہ صرف آپ ہی سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

شیلک کا رنگ قدرے متغیر ہو گیا، تاہم اُس نے اپنی آواز کو رعب دار بناتے ہوئے کہا۔

"سارجنٹ گڈیارڈ کو اندر بھیج دو۔"

اُسکے خیالات کی رو کرنسی کے اُس ناجائز کاروبار کی طرف گئی، جو اُس نے چند روز پہلے کیا تھا، ایک منٹ کے بعد سارجنٹ گڈیارڈ اندر داخل ہوا، وہ طویل القامت اور قوی الجثہ شخص تھا، اُس کی آنکھیں تیز اور ہونٹ سختی سے بھینچے ہوئے تھے

"بیٹھو سارجنٹ!" شیلک نے نرم لہجے میں کہا۔ "کیسے آنا ہوا؟"

"کیا مس نارمن ہیلن تمہارے دفتر میں کام کرتی تھی؟" سارجنٹ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"مس ہیلن یہیں پر کام کرتی ہے!" شیلک نے تعجب کے ساتھ جواب دیا۔

"لیکن آج وہ دفتر نہیں آئی، کیا اُس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔"

"وہ اپنے فلیٹ میں مُردہ پائی گئی ہے۔" سارجنٹ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "خودکشی کا کیس معلوم ہوتا ہے۔"

"شیلک آنکھیں پھاڑ کر سارجنٹ کو گھورنے لگا، سب سے پہلا جو خیال اُس کے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ اب اُسے نئی سکریٹری کا انتظام کرنا پڑیگا۔ اُسے ہیلن کی موت کا غم نہیں تھا، صرف ایک قابلِ اعتماد اور محنتی سکریٹری سے محروم ہو جانے کا افسوس تھا۔

"نہایت افسوسناک خبر ہے۔" اُس نے ایک سگار نکالتے ہوئے کہا۔ "خودکشی کی وجہ کیا تھی؟"

"یہی بات میں جاننے کیلئے یہاں حاضر ہوا ہوں" سارجنٹ نے کہا۔ "تم اس معاملے میں کیا کہتے ہو؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں ہیلن کی نجی زندگی کے بارے میں کوئی بات نہیں بتا سکتا۔" شیلک نے سگار سلگاتے ہوئے کہا۔ "سچی بات یہ ہے سارجنٹ کہ میں انتہائی مصروف انسان ہوں، مجھے اپنے ملازمین کی سوشل سرگرمیوں کے بارے میں جاننے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔"

سارجنٹ نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹی سی چیز نکالی، اور شیلک کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا تم اس چیز کو پہچانتے ہو؟"

"وہ ایک بڑے سائز کا پیپر کلپ تھا۔" شیلک بھنویں سکیڑ کر اُس کا مشاہدہ کرنے لگا۔

"واضح طور پر یہ ایک پیپر کلپ ہے۔" شیلک نے ناگوار لہجے میں جواب دیا۔ "سارجنٹ! میں تمہارے سوال کا مطلب نہیں سمجھا، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میرا وقت بہت قیمتی ہے۔"

"مسٹر شیلک میں بے مقصد سوال کرنے کا عادی نہیں ہوں ——" سارجنٹ نے کہا۔ "یہ پیپر کلپ نہیں بلکہ نہایت حساس مائیکروفون ہے جسے صرف حکومت کا محکمہ جاسوسی ہی استعمال کر سکتا ہے، اس قسم کے آلات کو اپنے پاس رکھنا یا استعمال کرنا سنگین جرم ہے۔"

شیلک کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ کیا ہیلن میری جاسوسی کرتی رہی ہے؟ اُس نے سوچا۔

"سارجنٹ! میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔" اُس نے اپنی حیرت چھپاتے ہوئے کہا۔

"یہ کلپ ہیلن کے فلیٹ سے برآمد ہوا ہے۔" سارجنٹ نے کہا ——
"اس کلپ کے بارے میں تم کیا وضاحت کر سکتے ہو۔ کیونکہ ہیلن تمہاری ملازم تھی۔"

"میں نے پہلی مرتبہ یہ چیز دیکھی ہے۔" شیلک نے کہا۔ "وضاحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

سارجنٹ نے مائیکروفون اُٹھا کر جیب میں رکھ لیا۔

"ہیلن کے بارے میں کیا خیال ہے۔" اُس نے پوچھا۔ "کیا وہ قابل اعتماد سکریٹری تھی؟"

"وہ ایک وفادار اور خاموش طبع لڑکی تھی۔" شیلک نے کہا۔ "میرے خیال میں وہ اس قسم کی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔"

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ جیکسن نامی ایک نوجوان اُس کے ساتھ رہتا تھا۔ کیا تم اُسے جانتے ہو؟"

"ناقابل یقین۔" شیلک نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔ "گو میں ہیلن کی سوشل زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تاہم میں نے کسی لڑکے کو اُسکے ساتھ نہیں دیکھا۔ بہرحال میں اُس نوجوان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"شکریہ مسٹر شیلک!" سارجنٹ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "شاید مجھے دوبارہ آنا پڑے۔"

سارجنٹ دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ شیلک کے چہرے پر فکرمندی کے آثار اُبھر آئے۔ اگر ہیلن واقعی اُسکی جاسوسی کرتی رہی تھی تو اس کا یہ مطلب تھا کہ کوئی شخص یا تنظیم اُسکے منصوبوں کو ناکام کرنے کے درپے ہے۔ سب سے بڑا خدشہ اُسے تازہ ترین مہم کے بارے میں تھا اگر میکس کو اس منصوبے کا علم ہو گیا تو شرکائے مہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ اُس نے سوچا تین آدمیوں کا نعم البدل تو مل جائے گا لیکن شریے کو کھو کر اُسے ناقابل تلافی نقصان ہو گا۔ دوسری طرف وہ اس مبہم اندیشے کی بنا پر مہم کو ملتوی بھی کرنا نہیں چاہتا تھا، کیونکہ یورجیا انگوٹھی کی بازیابی کا معاوضہ اخراجات کے علاوہ پانچ لاکھ ڈالر طے ہوا تھا، اتنی بڑی رقم کو چھوڑ دینا اُس کے لئے المناک سانحے سے کم نہیں تھا، لہٰذا اُس نے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

کارلی ہاؤس کا پُراسرار ماحول صبح کے خوشگوار سکوت میں لپٹا ہوا تھا۔ میکس قیمتی سامان سے آراستہ خوابگاہ کے اندر کشادہ پلنگ پر محوِ خواب تھا۔ آبنوسی شیلف پر رکھی ہوئی طلائی گھڑی نے صبح کے پانچ بجنے کا اعلان کیا۔ میکس نے کروٹ بدل کر گھڑی کی طرف دیکھا اور پیچھے کی طرف ہاتھ بڑھا کر سرخ رنگ کا ایک بٹن دبا دیا۔ وہاں مختلف رنگوں کے کئی بٹن لگے ہوئے تھے، بٹن دبتے ہی کھڑکیوں کے پردے ایک طرف ہٹ گئے، باہر ملگجی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے، جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ دن کے وقت موسلادھار بارش ہو گی۔ پھر اُس نے نیلے رنگ کا بٹن دبایا اور قریبی دیوار میں ایک مستطیل راستہ بن گیا۔ جس کے اندر سے ٹرالی پر رکھی ہوئی کافی کی ٹرے برآمد ہوئی اور میکس کے سامنے آ کر رُک گئی۔ خوبصورت اور کشادہ بستر پر بیٹھا ہوا وہ ایک روایتی شہزادہ معلوم ہو رہا تھا۔ کافی پینے کے بعد اُس نے سگریٹ سلگایا اور سبز رنگ کا بٹن دبا دیا، بستر کے سامنے نصب ٹی وی اسکرین روشن ہو گئی، ایک ثانیے کے بعد اُسکی سکریٹری مینا کا چہرہ اسکرین پر نظر آیا۔ وہ نہایت خوبصورت اور دلکش خدوخال کی ہندوستانی لڑکی تھی اسکرین روشن ہوتے ہی اُس نے پنسل اور پیڈ اُٹھا لیا اور ڈکٹیشن لینے کے لئے تیار ہو گئی۔ میکس خوبصورت لڑکیوں کا دلدادہ تھا اس لئے لڑکیوں کی ملازمت کے سلسلے میں خوبصورتی بنیادی قابلیت متصور ہوتی تھی۔ ٹیلی وژن اسکرین یکطرفہ تھی یعنی مینا اپنے باس کو نہیں دیکھ سکتی تھی، تاہم اُس نے اپنی موٹی موٹی آنکھیں اوپر اُٹھاتے ہوئے کہا۔ "گڈ مارننگ سر!"

چند لمحوں تک وہ مینا کے حُسن و جمال سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر خوشگوار لہجے میں کہا۔ "گڈ مارننگ مینا! کیا صبح کی ڈاک آ گئی؟"

"جی ہاں جناب، میں نے تمام خطوط پڑھ لئے ہیں!"

"جواب ایک گھنٹے کے بعد لکھواؤں گا" اُس نے کہا۔ "جب تک تم ناشتہ کر لو۔"

پھر اُس نے ٹی وی کا سوئچ آف کر دیا اور سیاہ رنگ کا ایک اور بٹن دبایا۔ جس کے ساتھ ہی غسلخانے کے اندر رکھا ہوا ٹب نیم گرم پانی سے بھر گیا۔ میکس نے گاؤن اُتار کر ایک طرف رکھ دیا اور برقی قوت سے چلنے والی کرسی پر بیٹھ کر غسلخانے کی طرف چل پڑا، اُسکے جسم کا نچلا حصہ خاصا کریہہ المنظر تھا جسے ڈاکٹر اور اُس کی ماں کے سوا آج تک کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ غسل سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے لباس تبدیل کیا اور پہیوں والی کرسی پر بیٹھ کر خوابگاہ سے ملحقہ کمرے میں داخل ہو گیا جو دفتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا کرسی کے سامنے کا حصہ اس طرح بنایا گیا تھا کہ اُسکی ٹانگیں بالکل چھپ جاتی تھیں اب وہ نہایت باوقار اور رعب دار شخص نظر آ رہا تھا۔

دس بجے تک اُس نے کم از کم پچاس خط لکھوائے، پھر اُس نے انٹرکام کا بٹن دبایا

اور اپنے پرسنل اسسٹنٹ گائیلو ٹینک کو طلب کیا' ایک منٹ کے بعد ایک طویل قامت اور سنجیدہ طبع شخص دفتر میں داخل ہوا۔ اُسکی سیاہ اور چمکدار آنکھوں سے ہوشیاری' اور ذہانت ٹپک رہی تھی' وہ سوئٹزرلینڈ کا باشندہ تھا اور اس سے پہلے نیشنل بینک آف نیٹال کی لندن شاخ میں فنانشیل ڈائریکٹر کے عہدے پر کام کر چکا تھا۔

"گڈ مارننگ سر!" اُس نے قدرے خم ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹھو مسٹر گائیلو!" میکس نے کہا۔ "بورجیا انگوٹھی والے معاملے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"ہمارے جاسوس چوبیس گھنٹے شیلک کے آدمیوں کی نگرانی کر رہے ہیں ــــ!" گائیلو نے جواب دیا۔ "اب سے تھوڑی دیر پہلے تین مرد اور ایک خوبصورت لڑکی لندن سے بذریعہ ہوائی جہاز جوہنسبرگ پہنچے ہیں اُنکا قیام ریڈ انٹرنیشنل ہوٹل میں ہے ایک مقامی ورکشاپ کا مالک جیفرسن اُن کے سفر کے انتظامات کر رہا ہے ایئرپورٹ پر ہمارے فوٹوگرافر نے اُنکی تصاویر بھی اُتار لی ہیں ـــ" اُس نے ایک بڑے سائز کا لفافہ میکس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "لفافہ کے اندر چار دن کی تصاویر' حالات زندگی' اور منصوبے کی پوری تفصیل درج ہے ـــ ویسے لڑکی بہت خوبصورت ہے۔"

میکس لفافے کے اندر سے تصویریں نکال کر دیکھنے لگا' شرلے کی تصویر دیکھ کر وہ ایک لمحے کیلئے مبہوت ہو کر رہ گیا۔ ایسی حسین و جمیل لڑکی اُسکی نظروں سے بہت کم گزری تھی اُس نے تصویریں دراز میں رکھ دیں اور کاغذ پر لکھی ہوئی تفصیل پڑھنے لگا۔ پروگرام کے مطابق مہم کے ارکان سینٹ کارل ہاؤس سے چند میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالنے والے تھے۔ سفر کیلئے ایک لینڈ روور کا انتظام کر لیا گیا تھا اور ایک مقامی شخص تھیمبا کو بطور گائیڈ ملازم رکھ لیا گیا تھا' اُنہوں نے ایک ہیلی کاپٹر بھی حاصل کر لیا تھا۔ جس کے ذریعہ اینڈرز ڈگیری اور شرلے ڈیسنڈ کارل ہاؤس میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔

"بہت عمدہ پروگرام ہے۔" میکس نے کہا۔ "اُمید ہے کہ تم نے اُن کے شایان شان استقبال کرنے کا انتظام کر لیا ہوگا۔"

"سارے انتظامات آپکی ہدایت کے مطابق کر لیئے گئے ہیں۔"

"کیا خیال ہے' یہ وحشی محافظ انسانی شکار سے خاصے لطف اندوز ہوں گے خصوصاً گورے لوگوں کا شکار' ویسے اس عورت کی موت پر مجھے افسوس ہوگا۔"

گائیلو کے چہرے پر خوف کی ہلکی سی جھلک آئی اور ایک دم غائب ہو گئی۔ اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا "میرے لائق کوئی خدمت؟"

"میں انگوٹھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"بہت بہتر جناب!"

"اور دیکھو کیموسا کو میرے پاس بھیج دو۔" میکس نے کہا۔

گائیلو دروازہ کھول کر باہر نکل گیا' پانچ منٹ بعد ایک خمیدہ پشت بوڑھا حبشی اندر داخل ہوا' اُس نے عجیب وضع کا چغہ پہن رکھا تھا' وہ نہایت پُرانا اور قابل اعتماد ملازم تھا' وہ مقامی ملازموں کا انچارج تھا۔

"کیا وہ پُرانا عامل طبیب ابھی تک ہماری ملازمت میں ہے؟"

"جی ہاں آقا!" کیموسا نے جواب دیا۔

"بہت دنوں سے اُسکی شکل نہیں دیکھی۔ میں سمجھا مر گیا ہوگا! میرے والد نے بتایا تھا کہ یہ شخص زہروں کے بارے میں وسیع تجربہ رکھتا ہے ـــ کیا یہ سچ ہے؟"

"آپ نے ٹھیک سُنا آقا!"

"مجھے فوری طور پر ایک ایسا زہر چاہیئے' جو آہستہ آہستہ کام کرے اور جس کی معمولی مقدار ایک صحتمند آدمی کو بارہ گھنٹے کے اندر موت کی نیند سُلادے۔"

"بہتر آقا!" کیموسا نے جواب دیا۔

"اور خیال رہے کہ یہ شخص معقول انعام سے محروم نہ رہے۔"

کیموسا خم ہوتا ہوا اُلٹے پاؤں واپس چلا گیا' اُس کے جانے کے فوراً بعد گائیلو اندر داخل ہوا' اُس کے ہاتھ میں شیشے کا ایک خوبصورت ڈبہ تھا۔ جس کے اندر مخمل کے اسٹینڈ پر ٹکی ہوئی بورجیا انگوٹھی نظر آ رہی تھی' ڈبہ میکس کے سامنے رکھنے کے بعد وہ خاموشی سے واپس چلا گیا۔ میکس نے دراز سے ایک گول شیشہ نکالا جسے عام طور پر گھڑی ساز استعمال کرتے ہیں اور اُسے آنکھ پر لگانے کے بعد انگوٹھی کا جائزہ لینے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد کیموسا ایک چھوٹی سی شیشی لئے کمرے میں داخل ہوا۔ میکس نے شیشہ اُتار کر میز پر رکھ دیا۔ اور معنی خیز نظروں سے شیشی کو دیکھنے لگا۔

"یہ کیا چیز ہے کیموسا؟" اُس نے پوچھا۔

"زہر میرے آقا!"

"یہ کونسا زہر ہے؟"

"اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں آقا!" کیموسا نے جواب دیا ـــ "میں نے عامل طبیب سے کہہ دیا ہے کہ اگر زہر نے کام نہ کیا تو اُس کا گھر جلا دیا جائیگا اور اُسے مگرمچھوں والے تالاب میں پھینک دیا جائے گا!"

"بہت خوب!" میکس نے کہا۔ "تم نے طبیب کو انعام دیا؟"

"ہاں آقا! بیس پلی ہوئی بھیڑیں دی ہیں!"

"معقول انعام ہے۔ اب تم جا سکتے ہو!"

میکس نے قریبی الماری سے ربڑ کے دستانوں کا جوڑا نکال کر پہنا ایک سرنج نکال کر میز پر رکھ لی' دستانے پہننے کے بعد اُس نے دوبارہ محدب شیشہ آنکھ پر لگا لیا اور انگوٹھی کا جائزہ لینے لگا' خاصی دیر کے بعد وہ ایک خفیہ خانہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جو ایک چھوٹے سے ہیرے کے پیچھے بنا ہوا تھا ہیرے کے ایک سرے پر چھوٹا سا قبضہ لگا ہوا تھا اور وہ اس خفیہ خانے کا ڈھکنا تھا۔ یہی وہ خفیہ خانہ تھا جس کے اندر سیزر بورجیا نے آج سے پانچسو سال قبل مہلک زہر بھرا تھا اور اُس زہر کے ذریعے کئی حریفوں کو موت کی نیند سُلا دیا تھا' آج تاریخ پھر اپنے آپ کو دوہرا رہی تھی۔ میکس نے سرنج کے ذریعہ خفیہ خانے میں زہر بھر کر ڈھکنا بند کر دیا۔ انگوٹھی کو رومال کے ساتھ صاف کرنے

کے بعد اُس نے اُسے اچھی طرح جھٹک کر دیکھا کہ کہیں زہر لیک تو نہیں کرتا۔
ہر طرح کی تسلی کر لینے کے بعد اُس نے زہر کی شیشی سرنج، دستانے اور رومال ایک خاکی لفافے کے اندر ڈال کر اُسے کیموسا کے حوالے کر دیا اور کہا کہ ان چیزوں کو جلانے کے بعد مٹی کے اندر دبا دے۔

میکس نے انگوٹھی داہنے ہاتھ کی اُنگلی میں پہن لی اور کُرسی کو جلاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ باغیچے والی خوبصورت روشوں کے درمیان پہنچ گیا، اُسکی نظریں زروائیڈ نامی ایک ملازم کو تلاش کر رہی تھیں جس کے متعلق کیموسا کو شکایت تھی کہ وہ کام چور ہے اور اکثر اپنی بیوی کو مارتا ہے تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ اُسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا، وہ ایک پیڑ کے سائے میں لیٹا ہوا تھا۔ میکس کو آتا دیکھ کر ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"میں نے سُنا ہے کہ تم اس مہینے کے آخر میں کام چھوڑ کر جا رہے ہو۔؟" میکس نے اُس کے قریب کرسی رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں مالک! مجھے کیموسا نے نوکری سے جواب دے دیا ہے۔" زروائیڈ نے کہا

"مجھے اُمید ہے کہ دوسری جگہ تم زیادہ خوش رہو گے۔" میکس نے سلام کے لئے انگوٹھی والا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "میری تمام نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں"

زروائیڈ نے قدرے ہچکچاتے ہوئے ہاتھ ملایا لیکن میکس نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ اُس کا ہاتھ دبایا۔ اور پھر آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اُس نے مُڑ کر دیکھا، زروائیڈ عجیب نظروں سے اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا پھر اُس نے اُنگلی مُنہ میں ڈال لی۔ میکس نے سوچا سوئی برابر کام کر رہی ہے۔ اب زہر کی تاثیر معلوم کرنے کیلئے بارہ گھنٹے انتظار کرنا پڑے گا۔

ہیلی کاپٹر گھنے جنگل کی پُراسرار خاموشی میں ارتعاش پیدا کرتا ہوا کارل ہاؤس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ گیری اور شرلے متجسس نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہے تھے۔

"ہوشیار، خبردار!" ۔ گیری نے کہا۔ "جنگل کے بادشاہ کی حدود شروع ہو رہی ہے۔"

شرلے پُرشوق نظروں سے اس وسیع اور سرسبز خطۂ زمین کو دیکھنے لگی اُسکے اندر جا بجا خوبصورت روشیں بنی ہوئی تھیں، .... سرسبز قطعات کے اختتام پر ایک طویل عمارت تھی جو کم از کم دو سو گز لمبی تھی۔ عمارت یک منزلہ اور فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ تھی، عقب میں تقریباً تین سو گز جگہ چھوڑ کر لاتعداد مکانوں اور بنگلوں کی قطار نظر آ رہی تھی، اردگرد بے شمار پھلدار اور سایہ دار درخت اُگے ہوئے تھے جن کے بیچ میں کئی ایک سوئمنگ پول تھے ہر سوئمنگ پول کے گرد رنگ برنگی چھتریاں ایستادہ تھیں۔
گیری کو ایئرفیلڈ کی تلاش میں زیادہ دقت پیش نہیں آئی، دوسرے چکر میں جب وہ نیچے آیا تو وہاں ایک ہینگر بھی نظر آ رہا تھا۔ اور تین اشخاص یونیفارم میں ملبوس اوپر دیکھ رہے تھے، گیری نے ہیلی کاپٹر نیچے اُتار دیا۔ اور دروازہ کھول کر عمارت کی طرف دیکھنے

اب زمانہ پھر شاہکار کتابوں کا آگیا ہے!

آپ اپنے ہاکر سے کہہ دیجیے کہ وہ ہر پہلی اور پندرہ تاریخ کے اخبار کے ساتھ "شاہکار کتاب" بھی گھر میں دے دیا کرے ———— !

رسالے کی شکل و صورت میں دُنیا بھر میں ارزاں ترین شاہکار کتابیں

۱

عالمِ اسلام کے پہلے گوریلا لیڈر امام شامل اور اُن کے نائب "حاجی مُراد" کی اُس آویزش کی ڈرامائی داستان جس سے حُریت پسندوں کی تحریک کو نقصان پہنچانے والی سازشوں نے جنم لیا۔ یہ ناول ادبیاتِ عالیہ کا شاہکار بھی ہے اور مسلمانوں کے ماضی کا ایک دلگداز باب بھی۔ ٹالسٹائی کا آخری ناول۔

حاجی مُراد

یہ ناول عام روایتی کتاب کی صورت میں شائع ہوتا تو اس کی قیمت سترہ اٹھارہ روپے ہوتی — عمدہ سفید کاغذ۔ رنگین مضبوط سرورق

تاریخ اشاعت: یکم جنوری ۱۹۷۵ء —— قیمت: ۲/۵۰ روپے

۲

محبت کی ایسی کہانی جو دو دھڑکتے نوجوان دِلوں کے پُرجوش جذبوں سے شروع ہوتی اور پڑھنے والوں کے آنسوؤں پر ختم ہوتی ہے ——
دَورِ جدید کا پسندیدہ ترین ناول، جو لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکا ہے، جس پر انگریزی میں ایک عظیم فلم بن چکی ہے، بھارت میں اُردو میں بننے والی فلم نے کروڑوں روپے کا بزنس کیا اور اب پاکستان میں اِس ناول پر مبنی ایک فلم بنائی جا رہی ہے!

دُنیا بھر کے نوجوانوں کا مقبول ترین ناول

لَوسٹوری

انگریزی کتاب کی قیمت تیرہ چودہ روپے ہے، اُردو میں عام کتابی صورت میں چھپتی تو پندرہ سولہ روپے سے کم قیمت کی نہ ہوتی!

تاریخ اشاعت: ۱۵ جنوری ۱۹۷۵ء —— قیمت: ۲/۲۵ روپے

مکتبہ شاہکار - پوسٹ بکس ۱۷۵۴ - لاہور

"مکمل تنہائی!" گیری نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔ "واپس جانے کے بعد میں عورتوں کی نفسیات کا مطالعہ کروں گا۔"

"نفسیات کی بجائے جنسیات کا مطالعہ کروگے تو عاقبت سنور جائیگی" شرلے نے اٹھتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔

"باغ میں سیر کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" گیری نے تنکے کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

"شوق سے کرو۔" شرلے نے مڑے بغیر کہا۔ "حبشی خواتین کثرت سے ملیں گی۔"

پھر وہ اپنے کمرے میں داخل ہوگئی اور اندر سے دروازہ بند کرلیا۔

گیری نے سرد آہ بھرتے ہوئے بند دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اٹھ کر باغ کی طرف نکل گیا۔ ڈیڑھ گھنٹے کے بعد جب وہ واپس لوٹا تو شرلے ہنوز کمرے میں بند تھی، اسے بہت غصہ آیا، اس نے دھڑادھڑ دروازہ پیٹنا شروع کردیا۔ چند منٹوں کے اندر شرلے آنکھیں ملتی ہوئی باہر آگئی۔

"آگئے گھاس خوری کرکے!" اس نے غصے سے کہا۔ "ساری نیند کا بیڑا غرق کردیا۔"

"میں سمجھا تم عدم سدھار گئی ہو۔" گیری نے کہا "یہاں ایسا زبردست سناٹا ہے کہ خواہ مخواہ دل بیٹھا جا رہا ہے، اگر چند منٹوں تک تم باہر نہ آتیں تو میں مرثیہ خوانی شروع کردیتا۔"

شرلے نے ایک سگریٹ سلگایا اور صوفے پر نیم دراز ہوگئی، واقعی چاروں طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا، باہر سے مکھیوں کی ہلکی سی بھنبھناہٹ سنائی دیتی تھی۔

"میکس کی اقامت گاہ کے گرد زبردست پہرہ ہے۔" گیری نے کہا۔ "میں ٹہلتا ہوا اس طرف نکل گیا تھا۔ لیکن ایک ذولو نے مجھے روک دیا اور خوفناک نظروں سے گھورتے ہوئے وہاں سے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔"

"مارا تو نہیں؟" شرلے نے کہا۔

"اگر ذرا تامل کرتا تو جان ہی سے مار ڈالتا۔" گیری نے کہا۔ "اس کے علاوہ ایک اور چیز قابل ذکر ہے، باغ کے عقب میں ایک وسیع تالاب ہے جس کے گرد مضبوط جنگلہ بنا ہوا ہے، تالاب خوفناک مگرمچھوں سے بھرا پڑا ہے، آس پاس کے درختوں پر خاصے فربہ اور مکروہ گدھ بیٹھے ہوئے تھے، ان کی تعداد دس تھی، یہ منظر دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے، جانتی ہو فوری طور پر میرے ذہن میں کیا خیال آیا؟" قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کسی لاش کو ٹھکانے لگانے کیلئے یہ جگہ انتہائی موزوں ہے۔"

"کیوں، میکس کو لاش ٹھکانے لگانے کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے۔" شرلے نے کہا۔ تاہم اسکے چہرے پر خوف کی ایک ہلکی سی لہر آکر چلی گئی۔

"پتہ نہیں لیکن اس جگہ کو دیکھ کر ہر شخص کے ذہن میں یہی خیال آئے گا۔ نہ معلوم مجھے کیوں یہ احساس ہو رہا ہے کہ میکس پہلے سے ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ گائیلو کے رویّے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسے ہماری آمد پر کوئی تعجب نہیں ہوا۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اسے ہمارے منصوبے کا علم ہے؟"

"سردست حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" گیری نے کہا۔ "لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وہ ہماری بیان کردہ فرضی داستان سے بالکل مطمئن نہیں ہے۔"

"ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟"

عین اسی وقت راہداری کے اندر گائیلو نظر آیا۔ وہ انہیں کی طرف آرہا تھا، اسکے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی، جو طنزیہ بھی ہوسکتی تھی اور دوستانہ بھی۔

"امید ہے کہ یہ جگہ تمہیں پسند آئی ہوگی؟" اس نے کہا۔

"بہت پیاری جگہ ہے۔" شرلے نے دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں خاصی خوشگوار جگہ ہے..." اس نے بے خیالی میں کہا اور اچانک کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے کہا۔ "مس شرلے! کیا تم مسٹر میکس کا عجائب خانہ دیکھنا پسند کروگی؟"

شرلے کے دل کی دھڑکن یکلخت تیز ہوگئی، تاہم اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"کیا مسٹر میکس کا کوئی عجائب خانہ بھی ہے؟"

"یقیناً! تمہیں معلوم ہوگا کہ مسٹر میکس دنیا کے ان چیدہ چیدہ شائقین میں سے ایک ہیں جنہیں نوادرات جمع کرنے کا جنون ہے۔"

"اتنا تو مجھے بھی معلوم ہے، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ مسٹر میکس کا کوئی عجائب خانہ بھی ہے۔"

"مسٹر میکس نے کہلوایا ہے کہ مہمانوں کو عجائب خانے کی سیر کروادی جائے" گائیلو نے کہا۔

"اوہ! شکریہ، مسٹر میکس اپنے مہمانوں کا بہت خیال رکھتے ہیں۔" شرلے نے کہا۔ "مجھے نوادرات دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے مسٹر گیری!"

"میں بھی دیکھ لوں گا۔" گیری نے آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ عجائب خانہ زیادہ دور ہے؟" شرلے نے پوچھا۔

"تم عجائب خانے کے بالکل نیچے کھڑی ہو مس شرلے!"

"اوہ اچھا! تمہارا مطلب ہے کہ عجائب خانہ تہہ خانے کے اندر ہے!"

"تمہارا قیاس درست ہے۔"

"کیا میں اپنا کیمرہ ساتھ لا سکتی ہوں۔؟"

"معذرت چاہتا ہوں۔ تصاویر اتارنے کی اجازت نہیں ہے۔"

گائیلو انہیں ساتھ لئے ہوئے راہداری میں آگیا اور تینوں ٹرالی میں بیٹھ گئے کئی بند دروازوں کے سامنے سے گزرتی ہوئی ٹرالی راہداری کے دور افتادہ حصے میں جاکر رک گئی ٹرالی سے اتر کر وہ گائیلو کی معیت میں ایک بغلی راہداری میں داخل ہوگئے جو نسبتاً تاریک تھی کچھ دور چلنے کے بعد راہداری ختم ہوگئی اب وہ ایک صاف اور ٹھوس دیوار کے سامنے کھڑے تھے۔ گیری گہری نظروں سے راستے کا جائزہ لیتا ہوا چل رہا تھا۔ رکنے کے ساتھ ہی گائیلو نے داہنی طرف بنی ہوئی کھڑکی کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر کسی چیز کو دبایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی آواز پیدا ہوئی اور دیوار ایک طرف سرک گئی، سامنے

ایک جھوٹا نبی

خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ مامون نے اُسے پکڑ بلایا اور کہا: "اگر تم سچے ہو تو کوئی معجزہ پیش کرو۔"

وہ بولا: "فرمایئے، کون سا معجزہ؟" — مامون نے کہا: "حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ ہم تمہیں آگ میں ڈالتے ہیں، اگر سچے ہو تو اُسے اپنے اوپر گلزار بنالو۔"

وہ بولا: "نہیں، اس سے کوئی آسان معجزہ طلب کیجئے۔ یہ تو بہت سخت ہے!"

مامون نے کہا: "اچھا، برہانِ موسیٰؑ۔ انہوں نے اپنا عصا پھینکا اور وہ اژدہا بن گیا۔ تم بھی کر دکھاؤ — !"

وہ کہنے لگا: "یہ تو پہلے سے بھی زیادہ سخت ہے، کوئی اور آسان معجزہ طلب کیجئے۔"

مامون نے کہا: "اچھا، برہانِ عیسیٰؑ — وہ مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے، تم بھی ایسا کر دکھاؤ۔" — اس پر وہ فوراً رضامند ہو گیا اور بولا۔ "ہاں، یہ میں کر دکھاؤں گا۔"

قاضی دربار یحییٰ ابن اکثم خلیفہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اُن کی طرف دیکھ کر بولا: "یہ صاحب، جو آپ کے پاس بیٹھے ہیں، میں ابھی اِن کی گردن مارتا ہوں، جب اِن کا سر جسم سے الگ ہو جائے گا اور یہ بالکل ٹھنڈے ہو جائیں گے اور زندگی کی رمق ذرا بھی اِن میں باقی نہیں رہے گی، تو میں فوراً انہیں زندہ کر دوں گا۔"

یہ سن کر یحییٰ نے کہا: "سب سے پہلے تو میں تم پر ایمان لاتا ہوں اور تمہاری نبوت کی تصدیق کرتا ہوں!" اِس پر مامون ہنسنے لگا اور اُس شخص کو خبطی سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔

مرسلہ: ریحانہ یوسف۔ ڈرگ کالونی۔ کراچی)

ایک دوہرا دروازہ نظر آیا جو لازمی طور پر لفٹ کا تھا۔

"چونکہ مسٹر میکس معذور ہیں، اس لئے اکثر دروازے برقی نظام کے تحت کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔" گائیلو نے وضاحت کی۔ "اور یہ ہے، وہ لفٹ، جو ہمیں تہہ خانے میں لے جائیگی۔"

تینوں لفٹ کے اندر داخل ہو گئے، کنٹرول بورڈ پر گیری کی نظریں جمی ہوئی تھیں، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ لفٹ کس طرح کام کرتی ہے۔ گائیلو نے سبز رنگ کا بٹن دبایا۔ اور لفٹ نیچے جانا شروع ہو گئی، اس اثنا میں گائیلو نے پہلے سرخ بٹن اور پھر پیلا بٹن دبایا، گیری نے سوچا، نہ معلوم یہ دو بٹن کیا کام کرتے ہیں، کچھ اس قسم کے خیالات شرلے کے ذہن میں بھی گردش کر رہے تھے، دفعتاً گائیلو نے انہیں حیرت زدہ کر دیا۔ اُس نے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"یقیناً تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ میں نے پیلا اور سُرخ بٹن کیوں دبایا ہے؟ جیسا کہ تم نے خود مشاہدہ کر لیا۔ سبز بٹن لفٹ کو کنٹرول کرتا ہے، پیلا بٹن دبانے سے عجائب خانے کی بتیاں روشن ہو جاتی ہیں اور سُرخ بٹن دبانے سے خودکار الارم سسٹم بند ہو جاتا ہے۔"

"زبردست حفاظتی انتظام ہے۔" شرلے نے تحیر آمیز لہجے میں کہا۔

لفٹ رُک گئی اور تینوں باہر آ گئے، وہ ایک چھوٹا نیم روشن کمرہ تھا، سامنے بہت بڑا آہنی دروازہ تھا۔

"یہاں پر تمہیں ایک لمحے کیلئے توقف کرنا پڑیگا۔" گائیلو نے کہا۔ پھر وہ دروازے کے قریب جا کر رُک گیا، ایک منٹ تک وہ دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر کچھ کرتا رہا۔ عقب سے اُس کے بازو حرکت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے — لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُس نے کیا کارروائی کی تھی، گیری اور شرلے نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور گائیلو نے اُنہیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

"اِس دروازے کے اندر دُنیا کے بے مثال اور انمول نوادرات کا ذخیرہ موجود ہے۔" گائیلو نے قدرے خم ہوتے ہوئے کہا۔ "اور حفاظت کا انتظام ایسا مضبوط ہے کہ ان اشیاء کے چوری ہونے کا کوئی امکان نہیں، جیسا کہ تم نے دیکھا کہ داخلے کا واحد دروازہ نہایت موٹی آہنی چادر کا بنا ہوا ہے جسے کاٹنا یا توڑنا ناممکن ہے اسی طرح اطراف کی دیواریں پانچ فٹ موٹی ہیں، دروازے کا قفل سب سے زیادہ مضبوط اور منفرد ہے، یہ ٹائم کنٹرول سسٹم کے تحت کام کرتا ہے، اس کا ٹائم کنٹرول سوئچ رات کے دس بجے سے صبح کے دس بجے پر سیٹ ہے یعنی رات کے دس بجے سے صبح کے دس بجے کے دوران یہ تالہ دُنیا کی کسی چابی سے نہیں کھل سکتا۔"

عجائب خانے کا مجموعی تاثر کسی مقبرے کی مانند تھا، اندر مدھم روشنی کے بلب جل رہے تھے ماحول پُراسرار اور پُر ہیبت تھا۔ شرلے نے سوچا کہ اگر گائیلو انہیں اسی مقبرے کے اندر محبوس کر کے چلا جائے تو دُنیا کی کوئی طاقت اُنکی رہائی کا سامان نہیں کر سکتی۔ گائیلو مختلف نوادرات کا تعارف اور تاریخی پس منظر بتاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا لیکن گیری اور شرلے کو ان اشیاء میں ذرا بھی دلچسپی محسوس نہیں ہو رہی تھی اُن کے دل و دماغ میں خطرات اور خدشات کا طوفان برپا تھا، دہشت اور سراسیمگی اُن کے چہروں سے عیاں تھی، وہ بار بار یہ سوچ رہے تھے کہ کیا ہم اس مقبرے سے زندہ واپس نکل جائیں گے۔!!

"یہ سیز بورجیا کی انگوٹھی ہے۔" گائیلو کی آواز گونجی۔ دونوں چونک کر سامنے دیکھنے لگے۔ شیشے کے ایک خوبصورت ڈبے کے اندر جو ایک منقش چوبی چوکھٹے پر رکھا تھا، ایک جڑاؤ انگوٹھی نظر آ رہی تھی۔ انگوٹھی پر نظر پڑتے ہی اُن کا رنگ متغیر ہو گیا۔ یہ ہو بہو وہی انگوٹھی تھی جس کی تصویر انہوں نے مسٹر شیلک کے دفتر میں دیکھی تھی، اسی انگوٹھی کی خاطر وہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے یہاں

تک پہنچے تھے اب وہ انگوٹھی اُنکی نظروں کے سامنے اور اُنکی دسترس میں تھی۔ یہ بات عجیب اور ناقابلِ فہم تھی کہ دوسری اشیاء کے برعکس انگوٹھی کے ڈبے پر ذرا سی بھی گرد نہیں تھی، ڈبے کے اندر انگوٹھی بھی خاصی چمک رہی تھی، واضح طور پر انگوٹھی کو حال ہی میں اپنی جگہ سے ہٹایا گیا تھا' لیکن کیوں؟ اس کے بارے میں دونوں کوئی فیصلہ نہ کر سکے، شرلے نے سوچا کہ کہیں یہ میرا فریبِ نظر تو نہیں کیونکہ میں انگوٹھی کو زیادہ توجہ اور دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہی ہوں۔ گائیلو نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا' " اس انگوٹھی کو پندرھویں صدی عیسوی کے اوائل میں سیزر بورجیا نامی ایک نواب نے کسی نامعلوم جوہری سے بنوایا تھا' گو یہ انگوٹھی خاصی قیمتی ہے لیکن اس کی شہرت کی وجہ کچھ اور ہے' کہتے ہیں کہ سیزر بورجیا اس انگوٹھی کو مہلک ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا تھا' انگوٹھی کے اندر ایک خفیہ خانہ ہے جس کے اندر زہر بھرا ہوا رہتا تھا۔ اس خفیہ خانے کے ساتھ ایک نادیدہ سوراخ دار سوئی منسلک ہے' اپنے حریف کو موت کی نیند سلانے کیلئے سیزر بورجیا ہیروں کا رخ ہتھیلی کی جانب کر کے اُس سے ہاتھ ملاتا تھا' نادیدہ سوئی مخالف کی ہتھیلی پر ہلکی سی خراش ڈال دیتی تھی جس کے ذریعہ زہر کی معمولی مقدار اُسکے جسم میں منتقل ہو جاتی اور وہ کچھ گھنٹوں کے اندر موت کی نیند سو جاتا تھا' بورجیا کا پہلا شکار انگوٹھی بنانے والا جوہری تھا۔ کیوں! ہے نا عجیب و غریب ایجاد؟" گائیلو نے ٹٹولنے والی نظروں سے شرلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

" اوہ مسٹر گائیلو۔ وہ کیسا جاہلیت کا دور تھا۔" شرلے نے کہا' اُسکی آواز میں خفیف سی گھبراہٹ پائی جاتی تھی۔ " اُمید ہے کہ اب یہ انگوٹھی مہلک نہیں رہی ہوگی۔"

" اوہ' ہرگز نہیں۔" گائیلو نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ " اِسے مہلک ہتھیار میں تبدیل کرنے کیلئے زہر دوبارہ بھرنا ضروری ہے اور غالبًا سوئی بھی کُند ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اِس تہذیب یافتہ دور میں کوئی دیوانہ ہی ایسی حرکت کر سکتا ہے۔"

کچھ دیر کے بعد عجائب خانہ کی سیر ختم ہو گئی' تینوں واپس آ گئے' اپنے کمرے میں پہنچ کر گیری اور شرلے نے اطمینان کا سانس لیا' تاہم عجائب خانے کی ہیبت تاحال اُن کے خیالات پر مسلط تھی۔

جب وہ رات کے کھانے کیلئے پہنچے تو میکس کیلی برگ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا ہوا تھا' اُسکے داہنے ہاتھ ایک خوفناک چیتا کھڑا تھا' گیری اور شرلے چیتے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے' میکس نے اُنہیں تسلی دیتے ہوئے بتایا کہ وہ ایک سدھایا ہوا چیتا ہے۔ اور حکم کے بغیر کوئی ناروا حرکت نہیں کر سکتا۔ رسمی تعارف کے بعد میکس نے کہا۔

" مس شرلے! مجھے گائیلو کی زبانی یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تم "اینیمل ورلڈ میگزین" سے تعلق رکھتی ہو' تم کتنے عرصے سے وہاں کام کر رہی ہو؟"

" زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔" شرلے نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ " تقریبًا چھ مہینے ہوئے ہیں۔"

" میں اس رسالے کا باقاعدہ خریدار ہوں' کیوں کہ اس کے اندر جانوروں کے بارے میں مفید معلومات ہوتی ہیں' جیسا کہ تمہارے طویل سفر سے ظاہر ہے' یقینًا تم رسالے کیلئے خاصی محنت کرتی ہو' یہ لوگ رسالے کے اندر تمہارا نام کیوں نہیں دیتے؟"

بڑا مشکل سوال تھا' گیری سانس روک کر شرلے کی طرف دیکھنے لگا۔ تاہم شرلے نے ایک انداز بے نیازی کے ساتھ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

" اوہ! مسٹر میکس میرا شمار معمولی درجہ کے عامل صحافیوں میں ہوتا ہے۔ تاہم اگر تم نے اس عجوبۂ روزگار عمارت اور باغ کی تصویریں اُتارنے کی اجازت دیدی تو شاید ایڈیٹر میرے نام کیلئے ایک سطر قربان کر دے۔"

" تو پھر تمہیں یقینًا مایوسی ہوگی۔" میکس نے کہا۔ " کارل ہاؤس کے اندر فوٹو گرافی ممنوع ہے۔"

کھانا چُن دیا گیا تھا' سب لوگ کھانے میں مصروف ہو گئے کھانے کے دوران زیادہ تر خاموشی ہی رہی' البتہ شرلے گاہے بگاہے مختلف کھانوں کی تعریف کرتی جاتی تھی' اچانک میکس نے ایک اور عجیب سوال کر کے شرلے کو مشکل میں ڈال دیا۔

" مس شرلے!" اُس نے کہا۔ " مجھے بھی فوٹو گرافی کا بہت شوق ہے میں کبھی کبھی وقت گزاری کیلئے فوٹو گرافی کرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ تم صرف رنگین فوٹو گرافی ہی کرتی ہو۔"

" شرلے فوٹو گرافی کی تکنیکی معلومات سے تقریبًا بے بہرہ تھی۔ اس اعتبار سے یہ موضوع انتہائی نازک تھا' اُس نے اپنی گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بظاہر حسبِ معمول انداز میں جواب دیا۔

" ہاں زیادہ تر رنگین فوٹو گرافی ہی کرتی ہوں۔"

" اُسے یقین تھا کہ اگر میکس نے اسی تسلسل میں ایک اور سوال کر ڈالا' تو وہ بالکل لاجواب ہو جائیگی' اُس وقت اُسکی پلیٹ میں تلی ہوئی ٹراؤٹ مچھلی رکھی تھی۔ اُسکے خدشے کے عین مطابق میکس نے موضوع گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ " مجھے رنگین فوٹو گرافی کے متعلق زیادہ معلومات نہیں۔ تمہارے خیال میں۔"

شرلے نے اُسکی بات سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے مچھلی کی تعریف شروع کر دی

" یہ مچھلی مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔" اُس نے ایک ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ " خصوصًا تلی ہوئی ...."

" تمہاری خوش قسمتی ہے۔ میں پوچھ رہا تھا کہ.."

گیری بھی متوقع خطرے سے باخبر ہو چکا تھا' اُس نے جلدی سے میکس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" مسٹر میکس! آج دوپہر کے وقت میں تمہارے حیرت انگیز باغ کی سیر کر رہا تھا' تو میں نے ایک "ولو دجشی" کو دیکھا' جو سر سے پاؤں تک جنگی لباس میں لپٹا ہوا تھا' کم از کم میرا یہی قیاس ہے کیونکہ جنگی فلموں میں ایسا ہی دکھایا جاتا ہے اس لباس کے اندر وہ انتہائی عجیب لگتا تھا۔"

"ہاں میرے پاس اس قسم کے ایک سو زولو ملازم ہیں۔" میں انہیں ان کے قبائلی لباس میں دیکھنا پسند کرتا ہوں، یہ لوگ جنگلی جانوروں کے زبردست شکاری ہیں، بلکہ انسانوں کے بھی لیکن یہ انتہائی وفادار اور بہادر ہیں، کوئی شخص ان کی نظروں سے بچے بغیر اس چاردیواری کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی واپس جا سکتا ہے۔"

"پوری بٹالین ہوئی۔" گیری نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ "ان کا کمانڈر انچیف کون ہے؟"

"یہ رہا کمانڈر انچیف!" میکس نے گائیلو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جو تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں نمودار ہو گیا تھا۔ "کیوں گائیلو! کیا بات ہے۔ تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آتے ہیں؟"

"نہیں جناب کوئی خاص بات نہیں۔" گائیلو نے فوجی انداز میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "تھوڑی دیر پہلے ایک محافظ نے اطلاع دی ہے کہ زوائیڈ نامی ایک ملازم باغ کے اندر مردہ پایا گیا ہے، میں نے سوچا آپ کو بتا دینا مناسب ہوگا!"

خبر سنتے ہی میکس کی آنکھوں میں خاص قسم کی چمک پیدا ہو گئی۔

اس نے دل میں سوچا کہ زہر بخوبی کام کرتا ہے، پھر اس نے بلند آواز میں کہا۔

"مسٹر گائیلو! کیا یہ وہی شخص نہیں جسے ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا تھا؟"

"وہی ہے جناب!"

"میری طرف سے مرحوم کی بیوہ سے اظہار تعزیت کر دو۔" میکس نے کہا "اور کیمو سلا سے کہو اس شخص کی موت کی تحقیقات کرے اور تجہیز و تکفین کا انتظام عام رسم و رواج کے مطابق کیا جائے۔"

گائیلو خم ہو کر رخصت ہو گیا۔ میکس لاشعوری طور پر چیتے کی کمر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ واضح طور پر اس کا ذہن کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

رات کے کھانے سے فارغ ہو کر جب شرلے اور گیری اپنے کمرے میں پہنچے تو یہ دیکھ کر انہیں تعجب اور مایوسی ہوئی کہ چبوترے کی طرف کھلنے والی تمام کھڑکیاں اور دروازے مقفل تھے، ایئر کنڈیشنر کھول دیا گیا تھا، گیری نے باری باری تمام دروازوں اور کھڑکیوں پر زور آزمائی کی، مگر مایوسی ہوئی۔

"اب کیا ہوگا، فیرن کس طرح اندر داخل ہوگا؟"

شرلے دھڑام سے صوفے پر بیٹھ گئی، اس نے سگریٹ کا پیکٹ اٹھا کر ایک سگریٹ سلگایا، اور دھیرے دھیرے کش لیتی ہوئی کچھ سوچنے لگی۔ اس کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔

"ملکہ عالیہ کے مزاج کچھ برہم نظر آتے ہیں؟" گیری نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

شرلے نے پہلو کی طرف کھسکتے ہوئے کہا۔ "انتہائی بدذوق شخص ہے"

"کون؟"

"یہ پہلا شخص ہے جو مجھ سے متاثر نہیں ہوا۔" اس کا اشارہ واضح طور پر میکس کی طرف تھا۔ "نامعقول، گدھا۔ خاصا پراسرار نظر آ رہا تھا۔ ایسے آدمیوں سے مجھے سخت نفرت ہے، ذوق سلیم سے عاری۔"

"بالکل بیہودہ شخص ہے۔" گیری نے آگے کھسکتے ہوئے کہا۔ "لیکن خطرناک بھی ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم کسی سازش میں الجھ گئے ہیں، اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہماری اصلیت کو اچھی طرح جانتا ہے میرا خیال ہے کہ فیرن کو متوقع خطرے سے آگاہ کر دینا چاہئے۔"

اس نے کوٹ کی جیب سے سگریٹ کیس سے ملتا جلتا ایک ٹرانسمیٹر نکالا۔ اور فیرن کو مخاطب کیا، فیرن نے فوراً ہی جواب دیا، گیری نے مختصر الفاظ میں اسے صورتحال سے آگاہ کر دیا لیکن فیرن نے کہا کہ وہ پروگرام میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کرے گا اس نے مزید کہا کہ وہ دوربین سے پوری عمارت کا جائزہ لے رہا ہے، عمارت کے مغربی حصے میں صرف ایک کھڑکی روشن ہے اس کے خیال کے مطابق وہ میکس کی اقامت گاہ تھی۔

"اور مشرقی حصے میں دو کھڑکیاں روشن ہیں۔" اس نے کہا۔ "اگر میں غلطی نہیں کر رہا تو یہ تمہارے اور شرلے کے کمروں کی کھڑکیاں ہیں۔ اس کے علاوہ پوری عمارت کی کھڑکیاں اور روشندان تاریک ہیں، اگر کھڑکیاں اور دروازے مقفل ہیں تو فکر کی کوئی بات نہیں، فیرن کے راستے میں دنیا کا کوئی تالہ حائل نہیں ہو سکتا۔ اس وقت دس بجے ہیں اور ساری عمارت کے اندر زندگی کے آثار ناپید ہو گئے ہیں، باغ میں چند شبینہ محافظوں کے سوا کوئی نہیں، میں ٹھیک گیارہ بجے روانہ ہوں گا اور تیس منٹ کے بعد تم مجھے اپنے کمرے میں پاؤ گے جونز بھی میرے قریب ہی بیٹھا ہے اور تم دونوں کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار کر رہا ہے۔ جونز میرے ساتھ نہیں آئیگا وہ ٹیلے پر ہی ہمارا انتظار کرے گا۔ اور کوئی قابل ذکر بات؟"

"ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" گیری نے کہا۔ "ذرا ہوشیاری سے آنا!" رابطہ منقطع کرنے کے بعد گیری نے سگریٹ سلگایا اور سگریٹ کے کش لیتا ہوا آئندہ چند گھنٹوں کے اندر پیش آنے والے واقعات کے بارے میں غور کرنے لگا۔ صورتحال نہایت پیچیدہ نظر آ رہی تھی، بظاہر یقینی ہوتا تھا کہ میکس ان کے منصوبے سے آگاہ ہے لیکن ابھی تک اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی جس سے کوئی واضح بات سمجھ میں آ سکتی۔ کافی دیر کے بعد اس نے شرلے کی طرف دیکھا۔ اور سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم اس مہم میں کامیاب ہو گئے تو تم اس رقم کو کس طرح خرچ کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟"

"سردست کوئی خاص پروگرام نہیں، میں اس رقم کو سوئٹزرلینڈ کے بنک میں جمع کرا دوں گی۔ میں اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ بنک میں جمع کرا دیتی ہوں، کچھ عرصے کے بعد میرے سیونگ اکاؤنٹ میں اس قدر رقم جمع ہو جائیگی کہ صرف سود کی رقم میرے اخراجات کیلئے کافی ہوگی، پھر میں شیلک کی نوکری کو خدا حافظ کہہ دوں گی، اور اسے دوسری کنیز تلاش کرنی پڑیگی۔"

"کیا تم مسٹر شیلک کو پسند نہیں کرتیں؟"

"کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ وہ شخص دولت پیدا کرنے کا عمدہ ذریعہ ہے

اس سے زیادہ کچھ نہیں ۔۔۔ تمہارا کیا پروگرام ہے ؟"

"میں الیکٹرانکس میں اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا۔" گیری نے جواب دیا۔ مجھے بچپن ہی سے تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے لیکن افسوس کہ آج تک مجھے صحیح موقع نہیں مل سکا، تعلیم مکمل کرنے کے بعد میں کسی بڑی فرم میں ملازمت کرونگا آجکل الیکٹرانکس میں ترقی کے وسیع مواقع ہیں، پھر شادی کر کے ایک پیارا سا گھر آباد کروں گا۔"

"تم نے تو مجھے حیرت زدہ کردیا ہے بظاہر تم اس قسم کے آدمی نظر نہیں آتے" شرلے نے کہا۔ غالباً تم نے اپنی "ہونیوالی" کا انتخاب کرلیا ہوگا۔"

"تقریباً!"

"کون خوش نصیب ہے ؟"

"تم اُسے نہیں جانتیں۔ ایک سیدھی سادی لڑکی ہے، اُسکا نام گریٹا ہے"

"اچھا واقعی ؛ میری حیرت نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہے، اگر تم نے مزید کوئی سنسنی خیز انکشاف کر ڈالا تو میں یقیناً بیہوش ہو جاؤنگی۔ میرا خیال تھا کہ تم میرا نام لوگے۔"

"مجھے افسوس ہے کہ تمہیں مایوسی ہوئی" گیری نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "اور تمہیں میرا مذاق اُڑانے کا موقع نہ مل سکا۔"

"اچھا، تمہارا مطلب ہے کہ میں انکار کر دیتی؟"

"کیوں نہیں اپنے دل سے پوچھ لو۔"

"تمہارا خیال بالکل درست ہے۔" شرلے نے ناز سے کہا۔

"میں کسی الیکٹرانکس انجینئر سے شادی کرنا پسند نہیں کرونگی، میں ایک ایسے آدمی سے شادی کرونگی جو نہ صرف اعلیٰ خیالات بلکہ اعلیٰ کار اور اعلیٰ بنگلہ بھی رکھتا ہو اور کم از کم ٹھکرتی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے" گیری نے سرد لہجے میں کہا۔ "میری دُعا ہے کہ تم وہ سب کچھ حاصل کرو جسکی تمہیں خواہش ہے، لیکن ایک بات یاد رکھو کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں۔ دولت بُری چیز نہیں، لیکن بہت دولت میں بہت دُکھ ہیں، اسبابِ عیش کی فراوانی مصیبتوں کو جنم دیتی ہے، انسان کیلئے سب سے اچھی بات یہ ہے کہ خوب محنت کرے، کمائے پئے اور خوش رہے۔"

"دولت کے بغیر زندگی ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے۔" شرلے نے کہا۔

گیری نے سگریٹ کا آخری کش لے کر اُسے ایش ٹرے میں مسل دیا اور چند لمحوں تک چھت کو گھورتا رہا۔

"ٹھیک ہے انسان کو ہر طرح کی آسائش میسر ہونی چاہیئے۔ لیکن یہ سب کچھ۔۔۔" اُس نے آرائش کدے کی مانند سجے ہوئے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔ "فضول خرچی اور ذہنی عیاشی کے سوا کچھ نہیں۔ ان اشیائے تعیش کا ضروریاتِ زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔"

"لیکن میرے لئے یہ سب کچھ بہت ضروری ہے۔" شرلے نے کہا۔

"یہاں سے میرے اور تمہارے خیالات کا راستہ مختلف ہو جاتا ہے۔" گیری نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

رات چاندنی اور سنسان تھی۔

کم و بیش سو مربع میل کے رقبے میں پھیلا ہوا کارل ہاؤس پُراسرار خاموشی میں لپٹا ہوا تھا۔ کبھی کبھی قرب و جوار کے جنگل سے وحشی جانداروں کی بھیانک آوازیں اس سکوت کو چیرتی ہوئی سُنائی دیتیں اور پھر وہی روح فرسا خاموشی مسلط ہو جاتی، گیری اور شرلے اپنے کمرے کی کھڑکی سے لگے فیرن کا انتظار کر رہے تھے، کمرے کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں، وقت نہایت سُست روی سے گزر رہا تھا، ایک ایک لمحہ ذہن پر گراں گزر رہا تھا، پھر ایک سایہ گھنے درختوں کی تاریکی میں چھپتا ہوا عمارت کی طرف بڑھتا ہوا نظر آیا۔ وہ فیرن تھا، چند لمحوں کے اندر وہ کھڑکی کے قریب پہنچ گیا اور شیشے کے اندر جھانکا، گیری نے انگوٹھے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا، دروازے کے قریب جا کر اُس نے اپنا چرمی تھیلا فرش پر رکھ دیا اور اُس کے اندر سے ایک اوزار نکال کر تالہ کھولنے لگا۔ بمشکل بیس سیکنڈ کے اندر تالہ کھُل گیا اور وہ دروازہ کھولکر اندر داخل ہو گیا۔ اُسکے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ کھیل رہی تھی اُس نے شرلے کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور گیری کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں پیارے! کیسے جا رہے ہو؟" پھر اُسکی نظریں کمرے کا جائزہ لینے لگیں۔ "خاصا رومانی ماحول ہے۔"

"تمہارا کوئی قصور نہیں۔" گیری نے کہا۔ "تم تازہ تازہ جنگل سے آئے ہو تھوڑی دیر میں طبیعت بحال ہو جائے گی۔ فی الحال تو تمہیں ہرا ہرا سوجھ رہا ہے۔"

شرلے اُسے تیز نظروں سے دیکھ رہی تھی لیکن فیرن نے اُسے قابلِ التفات نہیں سمجھا۔

"لعنت کس طرف ہے؟" اُس نے کہا۔ "اس کام میں کم از کم دو گھنٹے لگ جائیں گے ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔"

گیری نے شرلے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو گی، یا ہمارے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟"

"مادام شرلے ڈسمینڈ یہیں ٹھہر کر ہمارا انتظار کریں گی۔" فیرن نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

شرلے نے ناگواری کے ساتھ فیرن کی طرف دیکھا لیکن خاموش رہی۔

"عجائب خانے کے اندر ٹیلیویژن اسنوپر (SNOOPERS) تو نہیں لگے ہوتے!" فیرن نے پوچھا۔

"ہیں تو سہی" گیری نے جواب دیا۔ "لیکن یہ معلوم نہیں کہ مانیٹر روم کہاں ہے۔ میرا خیال ہے کہ رات کے وقت عجائب خانے کی نگرانی نہیں کی جاتی ہوگی، بظاہر کوئی ضرورت بھی نہیں۔"

"لیکن ہمیں پوری معلومات حاصل کرنی چاہیئیں تھیں۔" فیرن نے غصیلے لہجے میں کہا۔۔۔ "اتنا عرصہ تم دونوں کیا کرتے رہے ہو؟"

"ادھر دیکھو۔" گیری نے راہداری کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "صرف اس راہداری کے اندر پینتیس کمرے ہیں اُن میں سے کسی ایک کے اندر مانیٹر روم ہو سکتا ہے

اتنی بڑی عمارت کے اندر تمام کمروں کو دیکھنا آسان کام نہیں ہے مسٹر فیرن!"
"اچھا اچھا! زیادہ باتیں نہ بناؤ" فیرن نے اپنا چرمی تھیلا اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب جلدی سے چل پڑو۔"
دونوں خاموشی کے ساتھ راہداری میں داخل ہو گئے اور شرلے کمرے کے اندر تنہا رہ گئی۔

جب انہیں گئے ہوئے خاصی دیر ہو گئی تو شرلے کا دل بیٹھنے لگا۔ نہ معلوم دونوں کے ساتھ کیا واردات پیش آئی تھی، اس نے سوچا۔ کاش وہ بھی ان کے ساتھ چلی جاتی، تنہائی اور انتظار، اور رات کا پُر ہول سناٹا اس کے اعصاب پر مسلط ہوا جاتا تھا۔ پھر اس نے دروازے پر دستک کی آواز سنی، وہ جلدی سے دروازے کی طرف لپکی، اس نے سوچا رات کے اس حصے میں فیرن اور گیری کے سوا کون ہو سکتا ہے۔ لیکن دروازہ کھولتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکل گئی اور وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر دو تین قدم پیچھے ہٹ گئی۔ دروازے کے سامنے ایک قوی الجثہ اور سیاہ فام زولو کھڑا تھا۔ اس نے داہنے ہاتھ میں شمشیر برہنہ اٹھا رکھی تھی۔
"مس! میرے ساتھ چلو!" اس نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور راستہ دینے کیلئے ایک طرف ہٹ گیا۔
"تم کیا چاہتے ہو؟" شرلے نے خوفزدہ آواز میں کہا۔
"مالک نے تمہیں یاد کیا ہے۔"
دفعتاً شرلے کے جسم میں سنسنی طاری ہو گئی، اس کے ذہن میں عجیب و غریب خیالات ہجوم کرنے لگے۔ اسے شیلک کی یہ بات یاد آ گئی کہ میکس خوبصورت عورتوں کا دلدادہ ہے، زولو پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھور رہا تھا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ اگر شرلے نے ذرا سی پس و پیش کی تو اس کی تیز دھار شمشیر حرکت میں آ جائے گی۔

اس نے تلوار کی نوک سے شرلے کو جلدی چلنے کا اشارہ کیا اور وہ کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح اس کے ساتھ چل پڑی، دس منٹ کے بعد وہ ایک دوسرے دروازے کے سامنے رک گئے دروازہ خود بخود کھل گیا اور شرلے خاموشی سے اندر داخل ہو گئی اندر مدھم روشنی ہو رہی تھی، دور افتادہ کونے میں میکس ایک کشادہ میز کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا ایک طرف جیبا کھڑا تھا، دونوں نے بیک وقت شرلے کی طرف دیکھا۔
"آہا مس شرلے، آؤ بیٹھو!" میکس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں ایک دلچسپ تماشہ دیکھ رہا ہوں، امید ہے کہ تم بھی اسے پسند کرو گی۔"

شرلے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی، سامنے ایک ٹی وی اسکرین روشن تھی۔ میکس کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں، جونہی شرلے کی نظر اسکرین پر پڑی۔ اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، اسکرین پر فیرن اور گیری نظر آ رہے تھے، فیرن عجائب خانے کے داخلی دروازے کے قفل پر زور آزمائی کر رہا تھا، گیری ایک طرف کھڑا تھا۔

"مس شرلے!" میکس نے ٹی وی پر سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔
"یہ دروازہ اور اس کا قفل سویڈن کی بین الاقوامی شہرت یافتہ قفل ساز کمپنی بل ستارم کا بنا ہوا ہے۔ کمپنی نے یہ قفل اس یقین دہانی کے ساتھ فروخت کیا تھا کہ دنیا کا کوئی قفل شکن اسے نہیں توڑ سکتا، بہرحال تمہارے ساتھیوں کی ہمت

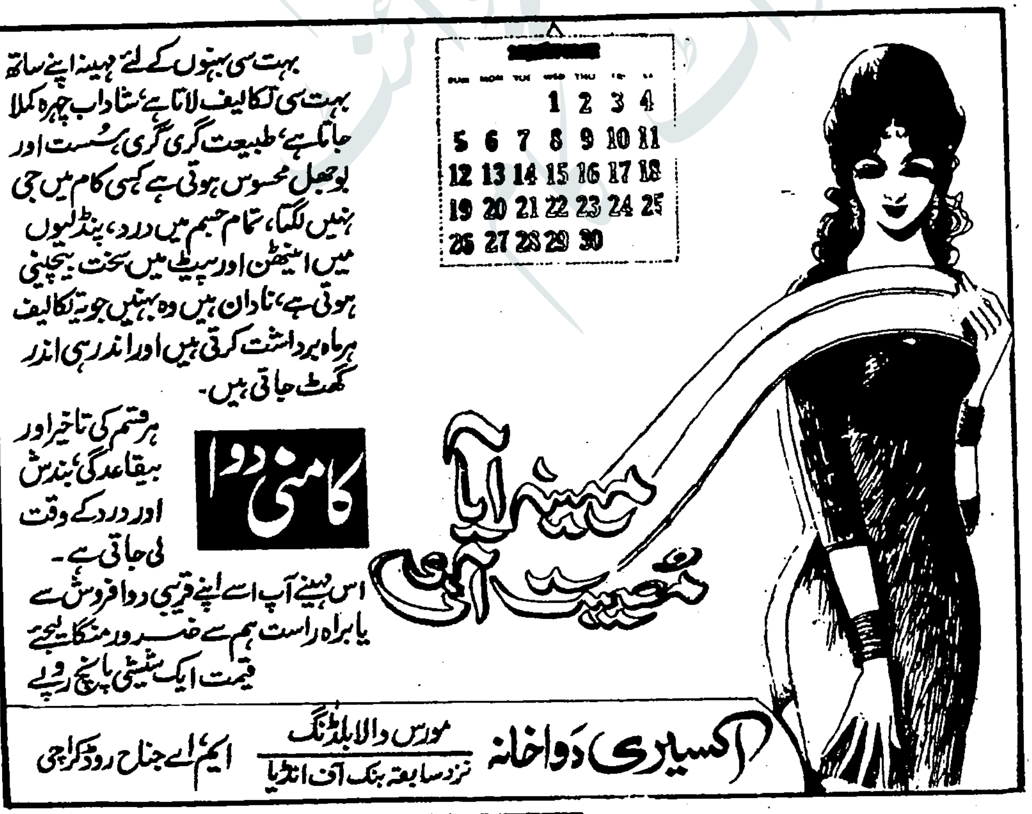

گھنٹے کی لیڈ حاصل ہوگی، اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو راستہ چاہو اختیار کرو۔“ اُس نے رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اوہ! بہت دیر ہوگئی۔ دو بجنے والے ہیں۔ تمہارے پاس آرام کے لیے دو گھنٹے ہیں صبح کے چار بجے تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔“ اُس نے بٹن دبایا اور باہر کھڑے ہوئے چاروں زولو اندر آکر مؤدبانہ کھڑے ہوگئے۔ ”مہمانوں کو اُن کی قیام گاہ میں لے جاؤ۔“ اُس نے کہا۔ ”ایک افریقی کہاوت ہے۔ جو تم سب کو اچھی طرح یاد ہوگی کہ گدھ ایک مستقل مزاج پرندہ ہے۔ اور میں اپنے محافظوں کو ایسا ہی دیکھنا پسند کرتا ہوں۔ شب بخیر!“

علی الصبح ڈھول کی بے ہنگم آواز سے شرلے کی آنکھ کھل گئی۔ اُس نے گھڑی کی طرف دیکھا چار بجنے میں کچھ منٹ باقی تھے، وہ جلدی سے کپڑے سنبھالتی ہوئی غسل خانے کی طرف بھاگی، جب واپس آئی تو فیرن اور گیری چبوترے پر کھڑے نظر آئے، اُس نے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہن لی۔ پھر کیمرہ اور تھیلا اُٹھالیا اور چبوترے پر آگئی۔

چیتے کی کھال میں لپٹا ہوا ایک قوی الجثہ زولو چبوترے پر موجود تھا اُس نے شرلے کو گیری اور فیرن کے ساتھ کھڑے ہونے کا اشارہ کیا اور تیز نظروں سے اُس کا جائزہ لینے لگا۔ چبوترے کے نیچے چیتے کی کھال میں ملبوس تیس زولو لائنوں میں کھڑے اُنہیں گھور رہے تھے، اُن کے کندھوں پر بھینس کی کھال کی ڈھالیں لٹک رہی تھیں۔ اور ہاتھوں میں چھ چھ نیزے پکڑے ہوئے تھے، یہ منظر دیکھ کر شرلے کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، اگر کوئی یہ منظر دیکھتا تو یوں معلوم ہوتا کہ معزز مہمانوں کو سلامی دی جارہی ہے لیکن درحقیقت اُنہیں اس لیے وہاں کھڑا کیا گیا تھا کہ اُن کا شکار کرنے والے اُنہیں اچھی طرح پہچان لیں۔ اُن کے چہروں پر وحشت اور بربریت پائی جاتی تھی، جسے دیکھ کر تینوں کے ذہنوں میں مکیس کے یہ الفاظ گونجنے لگے کہ اپنے شکار کو پکڑنے کے بعد یہ لوگ اُس کا گوشت بھون کر کھا جاتے ہیں۔“

دفعتاً چبوترے پر کھڑے ہوئے زولو نے کرخت لہجے میں کچھ کہا۔ زبان ناقابلِ فہم تھی، یہ آواز سنتے ہی اُس غول بیابانی نے ایک فلک شگاف اجتماعی چیخ بلند کی اور ڈھول کی آواز پر بے ہنگم رقص کرنے لگے۔ پھر اُس شخص نے تینوں کی طرف دیکھا اور تیزی کے ساتھ اُنہیں جنگل کی طرف اشارہ کیا، واضح طور پر وہ اُنہیں روانہ ہونے کا اشارہ کر رہا تھا۔ تینوں نے اپنے تھیلے کندھوں پر ڈال لیے اور چبوترے سے اُتر کر اشارے کی سمت چل پڑے، شرلے دونوں کے بیچ میں چل رہی تھی، اُنکے روانہ ہوتے ہی حبشیوں کی وحشیانہ اور بے ہنگم چیخوں میں اضافہ ہوگیا۔ تینوں تیز رفتاری سے آگے بڑھنے لگے جوں جوں وہ آگے بڑھتے جارہے تھے چیخوں کی آواز بتدریج مدھم ہوتی جارہی تھی۔ چند منٹوں کے اندر وہ کارل ہاؤس کی حدود سے نکل کر جنگل میں پہنچ گئے۔ گو صبح صادق کا وقت تھا مگر درختوں کے نیچے ہنوز گہری تاریکی تھی۔

”اوہ! میرے مالک!“ گیری نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

”یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے ہیں۔۔۔ جونز کہاں ہے؟

”بائیں طرف والی ٹیکری پر۔“ فیرن نے درختوں میں گھری ہوئی چھوٹی سی پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پھر دونوں ہاتھ منہ سے لگا کر زور سے پکارا۔۔۔

”جونز۔۔۔ جونز۔۔۔!! نیچے آجاؤ۔۔۔ جلدی۔“

جواب میں پہاڑی پر ایک متحرک روشنی نظر آئی۔ ساتھ ہی جونز کی آواز سنائی دی۔۔۔ ”آرہا ہوں۔ اپنی لائٹ جلائے رکھو!“

دو منٹ کے بعد وہ اُن کے ساتھ آملا۔ اُس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

”انگوٹھی مل گئی؟“ اُس نے آتے ہی سوال کیا۔ ”کیا بات ہے۔ ہیلی کاپٹر کیوں نہیں لائے۔ کچھ گڑبڑ تو نہیں ہوگئی؟“

”انگوٹھی مل گئی ہے۔“ فیرن نے جواب دیا۔ ”لیکن صورتحال بہت خراب ہوگئی ہے، اس لیے چلتے رہو، ہمیں فوری طور پر اپنے پڑاؤ پر پہنچنا ہے۔“ حالات کی تفصیل سُن کر جونز کی رفتار تیز ہوگئی۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ ضرور ان حبشیوں کو ہمارے تعاقب میں روانہ کرے گا؟“

”سو فیصدی!“ گیری نے کہا۔ ”لیکن پڑاؤ پر پہنچنے کے بعد ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا، تھیمبا کی راہنمائی میں ہم بآسانی فرار ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ ہماری رائفلیں بھی وہاں موجود ہیں، اگر حبشیوں نے ہمیں آہی لیا تو ہم باقاعدہ اُن کا مقابلہ کریں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ تھیمبا وہاں موجود نہیں ہوگا۔“ فیرن نے کہا۔

”کیوں اُس کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ جونز نے کہا۔ ”میں کئی برسوں سے اُسے جانتا ہوں، وہ نہایت وفادار شخص ہے، جان دیدے گا مگر دھوکا نہیں کرے گا۔“

ٹھیک چالیس منٹ کے بعد وہ اپنے پڑاؤ پر پہنچ گئے۔ لیکن وہاں کا منظر دیکھ کر اُن کے جسموں میں خوف کی لہر دوڑ گئی، سامان ایک جگہ جمع کرکے جلا دیا گیا تھا۔ لینڈ روور کے چاروں پہیے پنکچر اور انجن کے کئی پُرزے غائب تھے۔ تھیمبا کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔

”حرامخور دھوکا دے گیا۔“ فیرن نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ ”مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ شخص قابلِ اعتماد نہیں، اِن کالے کتوں پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے!“

”مجھے یقین نہیں آسکتا۔“ جونز نے کہا۔ ”یقیناً اُس پر کوئی ناگہانی مصیبت آپڑی ہوگی۔“

”وہ کیا۔۔۔؟“ شرلے نے مٹی کے ایک ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس کے اوپر سیاہ رنگ کی جھنڈی لہرا رہی تھی۔ چاروں تیزی سے قریب جاکر دیکھنے لگے۔ وہ ایک تازہ بنی ہوئی قبر تھی۔۔۔ اوپر تھیمبا کا خاکی ہیٹ رکھا ہوا تھا۔

”آہ بیچارا تھیمبا۔“ جونز نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔ ”انھوں نے تھیمبا کو قتل کردیا ہے۔“

چند لمحوں تک چاروں اُس کی نعش کے گرد خاموش کھڑے رہے۔ تھیمبا کی موت اور سامان کے اتلاف کی وجہ سے وہ اچانک خود کو انتہائی غیر محفوظ اور بے بس محسوس کرنے لگے تھے۔ پھر گیری نے سکوت توڑتے ہوئے کہا۔

"اب ہمیں اپنے راستے کا تعین کرنا ہے۔ میکس نے چار ممکنہ راستوں کی نشاندہی کرتے ہوئے ہمیں مغرب کی طرف جانے کی ترغیب دی تھی۔ بظاہر یہی آسان اور سیدھا راستہ ہے۔ اور یقیناً میکس کے محافظ مغرب کی طرف ہی ہماری تلاش کریں گے۔ اس لئے انھیں دھوکہ دینے کے لئے ہمیں جنوب کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ گو جنوب کی طرف دریا پڑتا ہے جس کے اندر خوفناک مگرمچھ پائے جاتے ہیں لیکن مجھے اُمید ہے کہ کوئی نہ کوئی جگہ ضرور ایسی مل جائے گی جہاں سے دریا پار کیا جا سکے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔؟"

"مجھے تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔" جونز نے کہا۔ "جنوب کا راستہ اگرچہ طویل اور پُرخطر ہے، لیکن اگر ہم تعاقب کرنے والوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہو گئے تو بچ نکلنے کے امکانات زیادہ ہیں۔"

"کسی طرف سے چلو، لیکن چلتے رہو۔" فیرن نے بیزاری سے کہا۔ "چار بج کر پچاس منٹ ہو گئے ہیں۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد تعاقب شروع ہو جائے گا۔"

"کسی کے پاس کمپاس ہے۔؟" گیری نے پوچھا۔ جونز نے ایک چھوٹی سی کمپاس جیب سے نکال کر گیری کو دیدی۔

"مسٹر شیلک نے مجھے بتایا تھا کہ گیری ایک تجربہ کار نیویگیٹر ہے۔" شرلے نے کہا۔ "اس لئے ہماری راہنمائی کے لئے گیری سے زیادہ موزوں کوئی نہیں، اس لئے میں گیری کا نام بطور گائڈ تجویز کرتی ہوں۔"

"میں بخوشی یہ خدمت انجام دینے کے لئے تیار ہوں۔" گیری نے کہا۔ "بشرطیکہ کسی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"کوئی اعتراض نہیں۔" جونز نے کہا۔

"چلو دوستو۔" گیری نے اپنا تھیلا اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہم جنوب کی طرف جائیں گے اور مجھے اُمید ہے کہ تعاقب کرنے والے ہم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

سفر شروع ہو گیا۔ جنگل گھنا اور پُرخطر تھا۔ وہ جھاڑیوں سے اُلجھتے اور بچتے بچاتے آگے بڑھتے لگے۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اُن کے قدموں کی آواز ہلکا شور پیدا کر رہی تھی، کم و بیش پانچ چھ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد دلدلی علاقہ شروع ہو گیا۔ کچھ دور تک دلدلی علاقے کے ساتھ ساتھ چلنے کے بعد وہ ایک دوسرے جنگل میں داخل ہو گئے۔ اُن کی رفتار خاصی اُمید افزا تھی اور وہ نہایت خاموشی کے ساتھ آگے بڑھ رہے تھے۔

دن کا اُجالا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ سورج دھیرے دھیرے بلند ہونے لگا۔

دفعتاً فیرن نے رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے اعلان کیا۔

"تعاقب شروع ہو گیا۔"

اُن کے چہروں پر ایکدم خوف کی لہر دوڑ گئی۔ اور انھوں نے لاشعوری طور پر گردنیں گھما کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ اس اعلان کے بعد اُن کی رفتار پہلے سے تیز ہو گئی۔ کچھ دور جانے کے بعد جونز نے کہا۔

"مجھے پانی کی بو آ رہی ہے۔ غالباً ہم دریا کے قریب پہنچ گئے ہیں۔"

دس منٹ کے بعد گھنے درختوں کا سلسلہ اچانک ختم ہو گیا۔ وہ ایک ڈھلوان اور کشادہ زمین پر پہنچ گئے تھے۔ بمشکل بیس قدم کے فاصلے پر دریا بہہ رہا تھا۔ پانی انتہائی گدلا تھا اور پینے کے قابل نہیں تھا۔

"دریا۔!" شرلے نے چیخ کر کہا۔

"ہاں۔ اسے پار کرنے کے بعد ہمارا بچ نکلنا یقینی ہے۔" گیری نے کہا۔

"پاٹ زیادہ چوڑا نہیں۔ گہرائی کتنی ہو گی۔؟"

"باہر سے کچھ کہنا مشکل ہے۔" جونز نے کنارے کے قریب جا کر کہا۔ "گہرائی ناپنے کے لئے ڈبکی لگانی پڑے گی۔"

چاروں کنارے پر کھڑے ہو کر جائزہ لینے لگے۔ جونز نے کپڑے اُتارنے شروع کر دیئے۔ ایک منٹ کے بعد اُس نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ کنارے سے تقریباً دس بارہ گز اندر جانے کے بعد اُس نے ایک ہاتھ سے ناک پکڑی اور دوسرا ہاتھ بلند کر کے غوطہ لگایا۔ دوسرے لمحے اُس کا اُٹھا ہوا ہاتھ پانی کے اندر غائب ہو گیا۔ اور پھر اُبھرنے کے بعد اُس نے بتایا کہ پانی بہت گہرا ہے۔ تاہم تیر کر پار اُترا جا سکتا ہے۔ کنارے کے آس پاس ایک دو چکر لگانے کے بعد اچانک اُس نے دوسرے کنارے کا رُخ کر لیا۔ اُسکے تیرنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ ایک ماہر تیراک ہے۔

"ذرا احتیاط سے۔" شرلے نے آواز لگائی۔ "میکس نے کہا تھا کہ دریا میں مگرمچھ پائے جاتے ہیں۔"

یا تو جونز نے اُس کی آواز سنی ہی نہیں یا پرواہ نہیں کی اور برابر آگے بڑھتا گیا وہ تین منٹوں کے اندر دوسرے کنارے کے قریب پہنچ گیا۔ ناگہاں دوسرے کنارے کے قریب اُگی ہوئی جھاڑیوں میں سرسراہٹ پیدا ہوئی اور بھورے رنگ کی شئے جو بادی النظر میں کسی کٹے ہوئے درخت کا تنا معلوم ہوتی تھی جھاڑیوں کو روندتی ہوئی آہستگی کے ساتھ پانی کے اندر اُتر گئی۔ دفعتاً جونز کے منہ سے ایک دہشتناک چیخ بلند ہوئی اور اُس نے دونوں ہاتھ مدد کے لئے بلند کر دیئے۔ کنارے پر کھڑے ہوئے تینوں آدمیوں نے ایک خوفناک مگرمچھ کو مکروہ جبڑے کھولے ہوئے جونز پر جھپٹتے دیکھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اُسے لئے ہوئے گہرائیوں میں غائب ہو گیا۔ اب گدلے پانی کی سطح پر ایک چھوٹی سی سرخ لکیر نظر آ رہی تھی جو دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی۔

کراچی میں ہمارے سول ایجنٹ

فاروق ایجنسیز

صدر ـــــ کراچی

منظر انتہائی دہشتناک تھا۔ ساری کارروائی اتنی اچانک ہوئی تھی کہ کنارے پر کھڑے ہوئے افراد پر سکتہ طاری ہوگیا۔ کئی لمحوں تک وہ بے حرکت کھڑے رہے۔ اچانک شرلے نے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ دیئے اور سسکیاں لے کر رونا شروع کردیا۔ جونز خاموش طبع اور شریف النفس انسان تھا۔ اس کی اچانک موت سے تینوں کو گہرا صدمہ پہنچا تھا۔

گیری نے شرلے کا ہاتھ پکڑ لیا اور کنارے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا شروع کردیا۔ جونز اب اُن کی مدد سے بے نیاز ہوچکا تھا۔ اس لئے وہاں پر وقت ضائع کرنا خطرناک تھا۔ اگر حبشیوں نے انھیں آلیا تو اُن کا حشر جونز سے بھی بُرا ہوگا۔ انھیں ہر صورت میں چلتے رہنا تھا۔

دو گھنٹے تک وہ دریا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ اچانک مطلع ابر آلود ہوگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تیز بارش شروع ہوگئی۔ تینوں نے دوڑ کر ایک گھنے پیڑ کے نیچے پناہ لی۔ لیکن اس دوران وہ سر سے پاؤں تک بھیگ گئے۔ نصف گھنٹے کے بعد بارش کا زور کم ہوگیا۔

"اچھا ہوا بارش ہوگئی۔" گیری نے کہا۔ "اس سے ہمارے قدموں کے نشان مٹ گئے ہوں گے۔"

"اب چلنا چاہیئے۔" فیرن نے کہا۔ "میکس کے کتے ہماری بو سونگھتے پھر رہے ہوں گے۔"

"چلنے سے پہلے تھوڑا سا کھانا کھا لینا چاہیئے۔" گیری نے کہا۔ "ہم جونز کے کھانے کے تین حصے کرلیتے ہیں۔"

وہ جونز کے تھیلے سے بھُنے ہوئے گوشت کا ڈبہ نکال کر اُسکے حصّے کرنے لگا

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" شرلے نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

"کچھ نہ کچھ تو ضرور کھانا چاہیئے۔" گیری نے کہا۔ "اس کے بعد نمعلوم کہیں کھانے کا موقع ملے یا نہ ملے۔"

"مجھے بالکل بھوک نہیں۔" شرلے نے کہا۔ "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

گیری نے پُرتشویش نظروں سے شرلے کی طرف دیکھا۔ اُس کا چہرہ اُتر گیا تھا اور آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔؟" اُس نے پوچھا۔

"ذرا تھکاوٹ اور سر درد ہے۔" شرلے نے بوجھل آواز میں جواب دیا۔ "کھانے کے نام سے متلی ہونے لگتی ہے۔"

گیری کے چہرے پر تشویش کی لکیریں گہری ہوگئیں۔ فیرن نے ایک آدھ مرتبہ اچٹتی ہوئی نظروں سے شرلے کی طرف دیکھا اور پھر لاپرواہی کے ساتھ کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ گیری نے سوچا اگر شرلے کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو صورتحال بہت بگڑ جائیگی اُس نے اُسے سہارا دے کر لٹا دیا اور جلدی جلدی کھانا کھانے لگا۔ کھانے کے بعد اُس نے شرلے کا کندھا ہلایا۔ اُس نے نیم وا آنکھوں گیری کی طرف دیکھا اور دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے شرلے۔؟"

"ٹھیک ہے۔" اُس نے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "پتہ نہیں مجھے کیا ہورہا ہے۔ شاید کسی کیڑے مکوڑے نے کاٹ لیا ہے۔"

فیرن اپنا تھیلا کندھے پر ڈالے اُن کا انتظار کررہا تھا۔ اُس کے چہرے پر غصے اور اُلجھن کے آثار اُبھرنے لگے۔ چند لمحوں تک وہ شرلے کے لٹکے ہوئے چہرے کو دیکھتا رہا نقاہت اور خوف کے باعث اُس کے چہرے کی رعنائی رخصت ہوگئی تھی۔ اب وہ ایک مدقوق اور برسوں کا بیمار چہرہ نظر آرہا تھا۔ فیرن نے سوچا۔ سالی کو بہت ناز تھا اپنی خوبصورتی پر۔ اب دیکھو کیا حال ہورہا ہے۔

"جلدی کرو۔" پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ "اگر تم لوگوں سے چلا نہیں جاتا تو۔۔۔ میں جارہا ہوں۔"

گیری نے شرلے کو سہارا دے کر چلانا شروع کردیا۔

"میرے بارے میں زیادہ فکر نہیں کرو۔" شرلے نے مدھم آواز میں کہا۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں بس ذرا سر میں درد ہے۔"

"کیا تماشا ہورہا ہے۔" فیرن نے دوبارہ چیخ کر کہا۔ "میں کہتا ہوں تیز چلو"

دو میل تک اس حالت میں چلنے کے بعد شرلے کی طبیعت پھر خراب ہوگئی یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے جسم کو گھسیٹنے کی ناکام کوشش کررہی ہے۔ ہر قدم پر اُس کی آنکھیں بند ہوتی جارہی تھیں۔

"شرلے ڈیئر۔ تمہاری طبیعت بہت خراب نظر آتی ہے۔" گیری نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔ "کیوں نہ تھوڑا سا آرام کرلیا جائے۔؟"

"نہیں۔ نہیں میں ٹھیک ہوں۔" اُس نے نحیف آواز میں کہا۔ "میں ابھی بہت چل سکتی ہوں۔ میری فکر نہ کرو۔"

کچھ دُور جانے کے بعد جنگل اور جھاڑیاں ختم ہوگئیں۔ اس مقام پر دریا کے دونوں طرف دُور دور تک صاف اور ہموار زمین نظر آتی تھی۔

"دریا پار کرنے کے لئے یہ جگہ بہت موزوں ہے۔" گیری نے کہا۔ "اس جگہ پر مگرمچھوں کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیا خیال ہے شرلے تیر سکوگی۔"

"تم ساتھ رہوگے تو تیر لوں گی۔"

فیرن نے مشکوک نظروں سے دریا کی طرف دیکھا۔

"کیا تم پہلے جاؤگے۔؟" اُس نے گیری سے پوچھا۔

"مرنے کیوں جارہے ہو۔" گیری نے کہا۔ "تمہیں نہیں بھیجوں گا۔ تمہاری موت کا وقت ابھی نہیں آیا۔ میرے دوست یہاں مگرمچھوں کا کوئی خطرہ نہیں۔ دیکھتے نہیں کہ دریا کا دوسرا کنارہ بالکل صاف ہے۔"

اُس نے شرلے کو ایک درخت کے سائے میں بٹھا دیا اور خود کسی ٹوٹی ہوئی شاخ کی تلاش میں نکل گیا تاکہ دریا پار کرتے وقت کپڑے اور اشیائے خورد و نوش اُسکے اوپر رکھ سکے۔ گیری کے جانے کے بعد فیرن شرلے کے سامنے کھڑا ہوکر اُسے گھورنے لگا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے بے بی۔" اُس نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

"کچھ پتہ نہیں۔" شرلے نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھامتے ہوئے کہا۔ "مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

"کیا تم بیمار ہو۔؟"

"سر میں درد ہے۔ خدا کے لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔"

فیرن کی نگاہیں شرلے کی انگلی میں چمکنے والی انگوٹھی پر ٹک گئیں۔

"تمہاری طبیعت بہت خراب معلوم ہوتی ہے۔" اُس نے کہا۔ "اِس لئے بہتر ہوگا کہ انگوٹھی مجھے دیدو۔ اگر انگوٹھی گم ہوگئی تو ساری محنت پر پانی پھر جائیگا۔ چلو جلدی کرو۔!"

"نہیں۔!" شرلے نے غصّے سے جواب دیا۔

"عین اس وقت گیری ایک موٹی سی شاخ گھسیٹتا ہوا نظر آیا۔ فیرن منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا ایک طرف کھسک گیا۔ گیری نے کھانا اور کپڑے وغیرہ شاخ پر باندھ دیئے۔ پھر شاخ کو پانی میں ڈال دیا اور شرلے کو سہارا دے کر پانی میں اتار دیا۔

"شاخ کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔" اس نے شرلے کو سمجھاتے ہوئے کہا "میں بھی تمہارے ساتھ ساتھ رہوں گا۔" پھر اُس نے فیرن کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "چلو تم بھی۔ کیا دیکھ رہے ہو۔؟"

"تمہارا انجام دیکھ رہا ہوں۔" فیرن نے کہا۔

"اچھی طرح دیکھو۔ ہو سکتا ہے کہ پیچھے سے کوئی زولو آجائے اور تمہارا قیمہ کوٹنا شروع کردے۔"

فیرن نے گھبراہٹ میں پیچھے مڑکر دیکھا۔ پھر حیرت اور خوف کے مِلے جلے تاثرات سے انھیں پانی کے اندر آگے بڑھتے دیکھنے لگا۔ لحظہ بہ لحظہ وہ دوسرے کنارے کے قریب ہوتے جارہے تھے۔ فیرن سوچ رہا تھا کہ ابھی دوسرے کنارے سے کوئی مگرمچھ برآمد ہوگا اور انھیں ہڑپ کر جائیگا۔ لیکن ایسی کوئی بات ظاہر نہ ہوئی۔ دونوں خیریت کے ساتھ کنارے پر اُتر گئے۔ کنارے پر چند قدم چلنے کے بعد شرلے ایک دم زمین پر گرگئی اور گیری جلدی سے جھک کر اُسے دیکھنے لگا۔ فیرن کی بھنویں سکڑ گئیں۔ اُس نے پیچھے مڑکر دیکھا۔ اچانک گھنی جھاڑیوں میں ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی۔ گھبراہٹ کے مارے اُس کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ اُس نے فی الفور پانی کے اندر چھلانگ لگادی اور وحشیانہ انداز میں چھینٹے اُڑاتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگا۔

کنارے پر اُترنے کے بعد اُس نے دیکھا کہ گیری نے شرلے کو بازوؤں پر اٹھایا ہوا ہے۔ اور سائے کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اپنے کپڑوں کو نچوڑتا ہوا وہ بھی اُن کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا ہوا۔؟" اُس نے کہا "ارے یہ تو بیہوش ہے۔"

گیری نے شرلے کو سایہ دار درخت کے نیچے گھاس پر لٹادیا۔ پھر اُس نے فیرن کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "ایسا کرو، کہیں سے دو مضبوط ڈنڈے تلاش کرکے لے آؤ۔ ہم اپنی قمیض باندھ کر اُس کا اسٹریچر بنالیں گے۔"

"یعنی تم اسے اسٹریچر پر لاد کر لیجانا چاہتے ہو۔" فیرن نے غرّاتے ہوئے کہا "دماغ تو نہیں چل گیا۔! بندہ پرور اس کتیا کی بچی کو مرنے دو اور جلدی یہاں سے نکل چلو۔ ایسا نہ ہو کہ میکس کے شکاری کتے ہمیں آلیں۔"

گیری ایک دم کھڑا ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

"تم جا سکتے ہو۔ میں اسے چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ جاؤ۔!" اُس نے دہاڑتے ہوئے کہا۔ "دفع ہو جاؤ۔"

"کمپاس اور انگوٹھی میرے حوالے کردو۔" فیرن نے کہا۔

"میں کہتا ہوں یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔"

فیرن ایک قوی الجثّہ اور فربہ اندام شخص تھا۔ اُس کی ساری عمر جرائم میں گزری تھی۔ اس لئے لڑائی جھگڑے اُس کے لئے روزمرّہ کے معمولات میں سے تھے۔ اُس کے مقابلے میں گیری نرم مزاج اور قدرے ہلکے جسم کا آدمی تھا۔ تاہم وہ مستقل مزاج اور نڈر تھا۔ اور مضبوط قوّتِ ارادی کا مالک تھا۔ یہی ایک چیز تھی جس کے باعث فیرن اُس سے گھبراتا تھا۔ چند لمحوں تک دونوں آمنے سامنے کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے رہے۔ دفعتاً فیرن داہنے ہاتھ کا مکّا لہرا کر گیری پر جھپٹا۔ گیری اس حملے کے لئے بالکل تیار کھڑا تھا۔ اُس نے نیچے جھک کر فیرن کا وار خالی دیا۔ پھر اوپر اٹھتے ہوئے اُس کے جبڑے پر ایک زوردار گھونسا جڑ دیا۔ فیرن لڑکھڑا کر زمین پر گر گیا۔ گرنے کے ساتھ ہی اُس کا داہنا ہاتھ گھاس میں چھپے ہوئے ایک پتھر پر جا پڑا۔ اُس نے پتھر پر گرفت مضبوط کرلی اور اُٹھتے ہوئے پتھر کو گیری کے سر پر دے مارا۔ چوٹ خاصی زوردار ثابت ہوئی تھی۔ گیری چکرا کر زمین پر گر گیا۔

تھوڑی دیر تک وہ گیری کے اٹھنے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن اُسکے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔ پھر وہ آگے بڑھا اور اُسکی جیب سے کمپاس نکال لی۔ پھر شرلے کے قریب جاکر اُس کی انگلی سے انگوٹھی اتارنے لگا۔ شرلے نے نیم وا... آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھا اور خاصی کوشش کرکے اُس کے منہ پر تھپّڑ مار دیا۔ فیرن کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پتّہ اُس کے جسم سے ٹکرا گیا ہو۔ وہ دانت نکال کر شرلے کی طرف دیکھنے لگا۔

"گڈ بائی بے بی۔" اُس نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہنتے ہوئے کہا۔ "انگوٹھی اور کمپاس میں لے جارہا ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم دونوں کے جنازے میں شرکت نہیں کرسکوں گا۔ ویسے تمہارے حق میں دُعائے مغفرت ضرور کروں گا۔"

شرلے خاموشی کے ساتھ اُسے تکتی رہی۔ فیرن نے دونوں کے کھانے کے تھیلے بھی اُٹھالیئے اور جنگل کے اندر غائب ہوگیا۔!

گیری کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھنے لگا۔ شرلے اُس سے چند قدم کے فاصلے پر لیٹی ہوئی تھی۔ دفعتاً اُس کی نگاہ درخت پر بیٹھے ہوئے گدھ کی طرف اُٹھ گئی۔ جو شاخوں کے درمیان سے گردن لمبی کرکے نیچے جھانک رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرا گدھ زبردست پھڑپھڑاہٹ کے ساتھ برابر والی شاخ پر آبیٹھا۔ گیری نے اپنے جملہ حواس مجتمع کئے اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اُس نے جیب ٹٹول کر

دیکھی ۔کمپاس غائب تھی ۔ پھر اُس نے شرلے کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ انگوٹھی غائب تھی ۔ شرلے کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، لیکن نقاہت کے باعث رنگ پیلا پڑ چکا تھا ماتھے پر ہاتھ رکھنے کے بعد اُسے اندازہ ہوا کہ اس کا جسم تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔ ظاہری حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ چند گھڑی کی مہمان ہے۔

گیری نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ شام کے چار بج چکے تھے ۔ واضح طور پر تعاقب شروع ہوئے نو گھنٹے ہو چکے تھے ۔ اس اعتبار سے کسی بھی لمحے کوئی نزدلوان تک پہنچ سکتا تھا۔ گیری نے سوچا کہ اگر وہ اکیلا ہوتا تو فی الفور وہاں سے روانہ ہو جاتا اور چند گھنٹوں کے تعاقب کے بعد فیرن کو جا لیتا۔ لیکن وہ شرلے کو بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا ۔ شرلے خالی خالی نظروں سے اُسے گھور رہی تھی ۔

”کیسی طبیعت ہے شرلے ۔ ؟“

”گیری میرا آخری وقت آ پہنچا ہے ۔“ اُس نے کمزور آواز میں کہا ”بچنے کی کوئی امید نہیں ۔ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔“

”تم نہیں مرو گی شرلے ڈیئر ۔“ اُس نے اُس کا سر اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا ——— ”مجھے اُمید ہے کہ رات بھر آرام کرنے کے بعد تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی ۔ میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا ۔“

”تم میرے لئے کچھ نہیں کر سکتے ۔“ شرلے نے مایوسی کے ساتھ کہا ”معلوم نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے ۔ میرا بدن بُری طرح جل رہا ہے، لیکن پاؤں برف کی طرح ٹھنڈے ہیں ۔ کوئی نادیدہ ہستی سرگوشیوں میں مجھے کہہ رہی ہے کہ میری موت کا وقت آ پہنچا ہے۔“

”کچھ بھی ہو میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گا ۔“ گیری نے پورے خلوص کے ساتھ کہا۔ شرلے نے والہانہ انداز میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کیا واقعی تم مجھے تنہا چھوڑ کر نہیں جاؤ گے ۔ ؟“

”ہرگز نہیں ڈارلنگ ۔“

”اوہ گیری میں کس طرح تمہارا شکریہ ادا کروں ۔ میں تمہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کراؤں گی ۔ میرے ساتھ ایک وعدہ کرو ۔“

”بولو ۔“

”جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو دریا میں ڈال دینا ۔“ اُس نے اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ان مردار خور جانوروں سے سخت خوف آتا ہے ۔“

”میری جان، اس کی نوبت نہیں آئے گی ۔“

”وعدہ کرو گیری ۔“ شرلے نے زور دیتے ہوئے کہا۔ ”باتوں میں وقت ضائع نہیں کرو ۔ تم نہیں جانتے میں کتنی مشکل سے بول رہی ہوں ۔“

”اچھا وعدہ کرتا ہوں ۔“

”مجھے ایک کاغذ اور قلم دینا ۔ میں اپنی وصیت لکھنا چاہتی ہوں ۔“

گیری نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی کے ساتھ تھیلے کے اندر سے پنسل اور ڈائری نکال لی ۔ پھر اُس نے سہارا دے کر شرلے کو بٹھایا اور دونوں چیزیں اُس کے ہاتھ میں تھما دیں ۔ اُس نے مختصر الفاظ میں اپنی وصیت لکھ کر ڈائری اور پنسل گیری کے حوالے کر دیں ۔

”گیری ڈیئر، میں نے اپنی تمام جائداد تمہارے نام لکھ دی ہے ۔“ اُس نے لیٹتے ہوئے کہا۔ ”سوس بنک میں تقریباً میرے ایک لاکھ ڈالر جمع ہیں ۔ میری تحریر بنک کے ڈائریکٹر ڈاکٹر کرٹ کے پاس لے جانا ۔ وہ میری تحریر اور دستخط بخوبی پہچانتا ہے ۔ کاغذی کارروائی وہ خود ہی کرے گا۔ اُسے میکس کیلن برگ کے خفیہ عجائب خانے کے بارے میں ضرور بتانا۔ وہ تمہارا نام درمیان میں لائے بغیر جملہ انتظامات کرے گا ۔“

”اچھی بات ہے میری جان ۔“ گیری نے اُس کے گال تھپ تھپاتے ہوئے کہا۔ ”تم بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی ۔“

”گیری ڈیئر اب مجھے تمہاری اس بات سے پورا اتفاق ہے کہ خواہشات کی کوئی انتہا نہیں اور بہت دولت میں بہت دُکھ ہیں ۔ اگر مجھے بہت دولت کی خواہش نہ ہوتی تو آج میں اِس گمنام جنگل میں بے کسی کی موت نہ مرتی ۔“

تین گھنٹے کے بعد جب سورج اپنی آخری منزلیں طے کر رہا تھا، شرلے کی رُوح اُس کے جسم سے پرواز کر گئی ۔ اُس کے داہنے ہاتھ کی انگلی پر ہلکی سی خراش نظر آ رہی تھی ۔ جسے نہ تو شرلے اور نہ ہی گیری نے دیکھا تھا ۔ پانچ صدیوں کے بعد بورجیا انگوٹھی ایک بار پھر اپنی تاریخ کو دُہرا رہی تھی ۔ گیری شرلے کی لاش کے قریب کھڑا دُور افق پر ڈوبتے سورج کو گھور رہا تھا۔

■

رات تاریک اور بھیانک تھی ۔

اُس کی پہلی بھول ازنعیم

وقتی استعمال کی دواؤں سے اپنی زندگی برباد نہ کریں ! یہ کمزوری کا علاج نہیں ”کتاب “ اس کی پہلی بھول میں اندرونی و بیرونی تمام شکایات کا مکمل علاج درج ہے ۔ مایوس و پریشان حضرات کے لیے عظیم تحفہ، قیمت فی جلد (۴) چار روپے بذریعہ ڈاک ۵ روپے ،

نوٹ : ہر قسم کی مردانہ کمزوری اور جملہ شکایات کا مکمل اور مستقل علاج براہِ راست بھی کروا سکتے ہیں !

چہرے اور پیشانی کے فالتو بالوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنیوالی دوا

جوہر رس

۱۹۶۶ء سے مکمل کامیابی کے ساتھ استعمال ہو رہی ہے اس کے استعمال سے جلد پر کسی قسم کی سیاہی یا داغ پیدا نہیں ہوتا ۔ مذکورہ دوا میری ذاتی ایجاد ہے (نعیم) قیمت فی شیشی چھ ۶ روپے بذریعہ ڈاک آٹھ روپے فی شیشی

دارالنعیم ٹمپل روڈ نزد مزنگ چونگی لاہور

فیرن ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ سامنے الاؤ جل رہا تھا۔ اُس کے بائیں طرف کھانے کے تھیلے اور داہنی طرف ایک موٹا سا ڈنڈا رکھا ہوا تھا۔ مسلسل بیس گھنٹے تک چلنے کے بعد اُس کا جسم تھکن سے چور اور آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ لیکن وہ سونا نہیں چاہتا تھا۔ نیند کی حالت میں کوئی حبشی یا جنگلی جانور اُس پر حملہ کر سکتا تھا۔ اُس نے ایک سگریٹ سلگا لیا اور گزشتہ واقعات پر غور کرنے لگا۔ یونہی بیٹھے بیٹھے چند ساعتوں کے لئے اُس پر غنودگی سی چھا گئی۔ دفعتاً وہ ہڑبڑا کر جاگ گیا۔ اُس کی چھٹی حس خطرے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ الاؤ کی روشنی کی حد سے پرے اندھیرے کی دبیز تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ اِس گھپ اندھیرے میں آنکھوں کی بجائے کانوں پر زیادہ بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ پس وہ ہمہ تن گوش ہو کر سننے کی کوشش کرنے لگا۔ جنگل کے کسی دور افتادہ مقام سے مدھم اور بھاری آواز آ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا۔ یہ ڈھول پیٹنے کی آواز ہے یا کسی کے قدموں کی آواز ——— ہو سکتا ہے کہ کوئی بھاری بھرکم جانور چل رہا ہو۔

پھر وہ جلتے ہوئے الاؤ کو گھورنے لگا اور اچانک اسے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ آگ کی روشنی کئی میلوں سے دیکھی جا سکتی تھی۔ اس اعتبار سے تعاقب کرنے والے آسانی کے ساتھ اُس تک پہنچ سکتے تھے۔ یہ خیال آتے ہی اُس نے جلدی جلدی آگ بجھا دی اور سامان اٹھا کر فی الفور وہاں سے نکل گیا۔ نصف میل دور جانے کے بعد اُس نے ایک صاف جگہ تلاش کی اور وہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ مسلسل چلنے کے باعث اس کی ٹانگیں اور کمر اکڑ گئی تھی۔ پس وہ کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ لیٹنے کے ساتھ ہی اُسے نیند آ گئی تاہم اُس کی چھٹی حس بیدار تھی۔ اِس حالت میں لیٹے ہوئے چند ہی ساعتیں گزری تھیں کہ کسی فوری خطرے کے باعث بیدار ہو گیا۔ پھر قریب سے پتوں کے چرچرانے کی آواز سنائی دی۔ اُس کا بدن ٹھنڈے پسینے میں نہا گیا۔ اُس نے ڈنڈے کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور آنکھیں پھاڑ کر تاریکی میں گھورنے لگا۔ واضح طور پر کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ پتوں کے چرچرانے کی آواز دوبارہ سنائی دی۔ صرف چند قدم کے فاصلے پر کوئی شے دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہی تھی۔ فیرن نے بائیں ہاتھ سے تھیلے کو ٹٹولا اور اُس کے اندر سے ٹارچ نکال کر اُس کا رخ آواز کی سمت کر دیا۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو پوری طرح تیار کر کے ٹارچ کا بٹن دبا دیا۔ صرف دس قدم کے فاصلے پر ایک مکروہ صورت لگڑ بگڑ اُسے گھور رہا تھا۔ روشنی ہوتے ہی وہ ایک جست لگا کر گھنی جھاڑیوں میں روپوش ہو گیا۔ فیرن کو یاد آیا کہ جونز نے بتایا تھا کہ اِن جنگلات میں ہر قسم کے درندوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، لیکن لگڑ بگڑ سے نمٹنا بہت مشکل ہے۔ گو یہ ایک بزدل جانور ہے اور سامنے سے حملہ نہیں کرتا لیکن اس قدر مستقل مزاج ہے کہ کئی میلوں تک اپنے شکار کا تعاقب کرتا ہے، اور غفلت کی حالت میں اُس پر حملہ کرتا ہے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب وہ سونے یا اونگھنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

فیرن نے ٹارچ بند کر دی اور مستعد ہو کر بیٹھ گیا۔ ایک ثانیے کے بعد تاریکی اور سناٹے کے اندر مکروہ قہقہے کی آواز گونجتی سنائی دی۔ فیرن سر سے پاؤں تک کانپ گیا اور اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک لمحے کے بعد دوبارہ یہ آواز جنگل کی خاموشی کو چیرتی سنائی دی۔ (لگڑ بگڑ کے چیخنے کی آواز انسانی قہقہے سے ملتی ہے) فیرن کو شدت سے گیری اور شرلے کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ اُس نے سوچا۔ کاش وہ اُن سے الگ ہونے میں جلدی نہ کرتا۔

وہ رات انتہائی تکلیف کی حالت میں گزری۔ ایک طرف نیند کا غلبہ تھا اور دوسری طرف جان بچانے کا جذبہ۔ ساری رات کشمکش میں گزری۔ اس پر مستزاد یہ کہ وقفے وقفے سے لگڑ بگڑ کی مکروہ آواز اُس کی رگوں میں خون منجمد کر دیتی تھی! صبح کا اجالا پھیلنے کے بعد اُس نے تھوڑا سا ناشتہ کیا اور سامان اُٹھا کر آگے روانہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر اُسے یک گونہ اطمینان ہوا کہ لگڑ بگڑ کا کہیں نشان نہیں تھا۔ بے خوابی کے باعث اُسکی حالت سخت خراب تھی۔ اُس نے محسوس کیا کہ اگر کچھ دیر کے لئے آرام نہ کیا تو دماغ پھٹ کر رہ جائیگا۔

کم و بیش دس بارہ میل کا سفر طے کرنے کے بعد اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ اتفاق سے اسے ایک ایسی جگہ مل گئی جو تین طرف سے گھنی جھاڑیوں میں گھری ہوئی تھی اور چوتھی طرف ایک گرے ہوئے درخت کا تنا پڑا تھا۔ آرام کرنے کے لئے اس سے بہتر اور محفوظ جگہ ملنی بہت مشکل تھی۔ اس نے سامان کا تھیلا سر کے نیچے رکھ لیا اور گھاس پر لیٹ گیا۔ وہ اِس قدر تھکا ہوا تھا کہ لیٹنے کے ساتھ ہی اس پر گہری نیند طاری ہو گئی۔

اُسے سوئے ہوئے بمشکل چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ لگڑ بگڑ زمین سونگھتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور جھاڑیوں کی اوٹ سے اندر جھانکنے لگا۔ نصف گھنٹے تک وہ مختلف زاویوں سے اپنے شکار کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر دبے پاؤں چلتا ہوا اُس کے قریب پہنچ گیا۔ دفعتاً اُس نے فیرن کی داہنی ران پر اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیئے اور پوری قوت سے گوشت کا ایک ٹکڑا الگ کر لیا۔

فیرن بلبلاتا ہوا جاگ گیا۔ اُس کی ران سے خون کا فوارہ جاری تھا اور چند قدم کے فاصلے پر لگڑ بگڑ اطمینان سے بیٹھا اُسکی ران کا گوشت چبا رہا تھا۔ منظر دہشتناک اور تکلیف ناقابلِ برداشت تھی۔ خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔ فیرن نے سوچا کہ اگر فوری طور پر مدد نہ ملی تو چند لمحوں کے اندر اُس کی موت واقع ہو جائے گی۔ اُس نے پوری قوت سے گلا پھاڑ کر مدد کے لئے آواز لگائی۔ اُس کی دردانگیز اور پُرشور آواز جنگل کے سناٹے میں دُور دور تک گونجتی چلی گئی۔ آواز سُنکر لگڑ بگڑ کچھ خائف ہوا اور تیزی کے ساتھ جھاڑیوں کے اندر چھپ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اُس کے مکروہ قہقہے کی آواز خاموشی کو چیرتی سنائی دی۔

زیادہ خون بہہ جانے کے باعث فیرن اب بولنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اُس پر زبردست نقاہت غالب آتی جا رہی تھی۔ آنکھیں کھلی تھیں لیکن جسم حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ اُس نے ایک فربہ اندام گدھ کو زبردست پھڑپھڑاہٹ کے ساتھ درخت کی چوٹی پہ بیٹھتے دیکھا۔ وہ اپنی گردن لمبی کر کے نیچے جھانک رہا تھا۔ پھر اُس نے لگڑ بگڑ کا مکروہ چہرہ دیکھا جو اُس پر جھکا ہوا تھا۔ اُس کے ہیبتناک جبڑے کھلے ہوئے تھے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود فیرن حرکت کرنے کے قابل نہیں تھا۔ دفعتاً لگڑ بگڑ نے اپنے تیز

دانتوں سے اُس کے کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔
جس وقت فیرن نے مدد کے لئے پکارا نگرم نامی ایک سیاہ فام کچھ فاصلے پر گزر رہا ہوا دریا کی طرف جا رہا تھا۔ چیخ کی آواز سُن کر وہ تلاش کرتا ہوا جائے وقوعہ پر پہنچ گیا۔ اُس وقت تک لگڑ بگڑ فیرن کا دو تہائی جسم اپنے پیٹ میں منتقل کر چکا تھا۔ نگرم تاسف انگیز نظروں سے فیرن کی بچی کھچی ہڈیوں کو دیکھنے لگا۔ دفعتاً اُس کی نظریں فیرن کی انگلی میں چمکنے والی بورجیا انگوٹھی پر مرکوز ہو گئیں۔ اُس نے آگے بڑھ کر انگوٹھی اُتاری اور پُر خیال انداز میں اُس کا جائزہ لینے لگا۔ پھر اُس نے انگوٹھی اپنی انگلی میں پہن لی اور فیرن کا سامان کندھے پر رکھ کر آگے روانہ ہو گیا۔

✱

کمپاس کے بغیر جنگل میں سفر کرنا بہت مشکل ہے۔ پس گیری نے دریا کے ساتھ ساتھ سفر جاری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اگرچہ دریا کے کنارے پر مگرمچھوں اور تعاقب کرنے والے حبشیوں کا زیادہ خطرہ تھا لیکن جنگل میں راستہ بھٹک کر مر جانے سے یہ طریقہ بہر حال بہتر تھا۔ وہ دن کی روشنی میں سفر جاری رکھتا اور رات کی تاریکی پھیلتے ہی جنگل کے اندر جا کر کسی محفوظ مقام پر سو جاتا۔ دو راتیں قدرے آرام سے گزر گئیں۔ تیسری صبح بھوک اور پیاس کے باعث اُس کی حالت خاصی خراب ہو چکی تھی۔ پھر بھی وہ ڈگمگاتے قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔ ایک مقام پر پہنچ کر اُس کی نظر ایک چھوٹی سی کشتی پر پڑی جو کنارے پر کھڑی ڈول رہی تھی۔ وہ درختوں کی اوٹ میں چھپ کر کشتی کے آس پاس کا جائزہ لیتا رہا۔ اُس کا خیال تھا کہ تعاقب کرنے والے وہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ اِس حالت میں چھپے ہوئے اُسے کافی دیر ہو گئی لیکن کسی متنفس کے آثار نظر نہ آئے۔ پھر وہ ڈرتا ڈرتا کشتی کے قریب پہنچ گیا۔
کشتی کے اندر ایک سیاہ فام شخص مرا پڑا تھا۔ یہ دیکھ کر گیری سخت حیران ہوا کہ متوفی کی انگلی میں بورجیا انگوٹھی چمک رہی تھی اور قریب ہی کھانے کے دو تھیلے پڑے تھے جن میں سے ایک شرلے کا اور ایک فیرن کا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی اُسے پانی کی بھری ہوئی بوتل دیکھ کر ہوئی۔ اُس نے انگوٹھی اُتار کر رومال میں لپیٹ لی اور اُسے جیب میں ڈال لیا۔ پھر دونوں تھیلے اور پانی کی بوتل اُٹھا کر درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور کھانے پر ٹوٹ پڑا۔ خوب ڈٹ کر کھانے کے بعد اُس کی جسمانی قوت بحال ہو گئی۔ اب وہ آسانی کے ساتھ آگے کا سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ اُس کے اندازے کے مطابق مینوائل کو جانے والی مرکزی شاہراہ وہاں سے صرف بیس میل دور تھی۔ اُس نے سوچا۔ وہ زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹوں کے اندر اس شاہراہ تک پہنچ جائے گا۔ اُس نے تھیلے کندھے پر ڈال لئے اور نئے عزم کے ساتھ منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

✱

لندن کی فضا دھند میں لپٹی ہوئی تھی!
صبح کے پانچ بجے تھے۔ ایئر پورٹ پر کسٹم کی کارروائی سے فارغ ہو کر گیری نے سب سے پہلے گریٹا کو فون کیا۔ دوسری طرف سے اُس کی خوابیدہ آواز سُنائی دی۔
"مس وہائٹ گھر پر نہیں ہیں۔" اُس نے جواب دیا اور فون بند کرنے لگی۔ اُس کا خیال تھا کہ کوئی سرپھرا عاشق دماغ کھانا چاہتا ہے۔

"اے گریٹا۔!" گیری نے چیخ کر کہا۔ "میں ہوں۔ گیری۔"

"اوہ گیری۔" اُس نے خوشی سے چیخکر کہا۔ "کیا واقعی تم گیری بول رہے ہو؟ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا۔"

"ڈارلنگ میں گیری ہی بول رہا ہوں۔ سُناؤ مزاج کیسے ہیں۔ سنو کل صبح برن جا رہا ہوں۔ تم بھی تیار ہو جاؤ۔"

"برن۔؟ یہ کہاں ہے؟"

"کمال ہے۔ تمہیں برن کا بھی نہیں پتہ۔ یہ سوئٹزرلینڈ کا ایک شہر ہے۔ اسکول میں کیا سیکھتی رہی ہو۔؟"

"اسکول میں محبت کرنا سیکھتی رہی ہوں۔ برن ورن کی آجکل کون پرواہ کرتا ہے۔ ویسے تمہارے ساتھ تو میں ٹرن شرن فرن بھی جا سکتی ہوں۔"

"کیا۔! یہ کہاں پر واقع ہے؟"

"یہ بھی سوئٹزرلینڈ ہی کا ایک شہر ہے۔" اُس نے کھی کھی کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن ابھی آباد نہیں ہوا۔"

"اچھی جا رہی ہو۔" گیری نے قدرے کھسیانے لہجے میں کہا۔ "سنو ایک یا دو دن برن میں ٹھہر کر وہاں سے سیدھے کیپری جائیں گے۔ وہاں دو ہفتے تک قیام کریں گے۔"

"ناممکن۔ میں دو تین روز سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتی۔ نوکری کا معاملہ ہے۔"

"بری بات۔! بیویاں نوکری نہیں کیا کرتیں۔"

"کیا کہا بیویاں!" گریٹا نے خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا۔ "مگر میں تو غیر شادی شدہ ہوں۔"

"زیادہ شور نہیں مچاؤ۔ شادی شدہ بھی ہو جاؤ گی۔ دو گھنٹے تک تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔"

✱

نسیلک نے سگار کا کش لیتے ہوئے پُر خیال انداز میں گیری کی طرف دیکھا۔ وہ حسبِ معمول اپنی کشادہ میز کے پیچھے بیٹھا سگار کے کش لے رہا تھا۔

"صبح بخیر مسٹر گیری۔" اُس نے کہا۔ "انگوٹھی مل گئی؟"

"ہاں مل گئی۔" گیری نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب۔ میری طرف سے مُبارکباد قبول کرو۔ اُمید ہے کہ باقی تین افراد بھی پہنچنے والے ہوں گے۔"

"وہ نہیں آئیں گے۔"

"کیا وہ اپنا معاوضہ نہیں لیں گے۔؟"

"اب وہ کبھی نہیں آئیں گے۔ کیونکہ وہ مر چکے ہیں۔"

"اوہ مسٹر گیری۔ کیا تمہارا مطلب ہے کہ مس شرلے بھی مر گئی ہے؟"

"ہاں شرلے کے علاوہ فیرن اور جونز بھی۔"

پھر اُس نے مختصر الفاظ میں سفر کے دوران پیش آنے والے حالات بیان

گدھا تاریخ کی روشنی میں!

گدھے کو عموماً بیوقوفی اور حماقت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ اُردو میں تو یہ لفظ بیوقوفی کے مترادف ہی نہیں، بلکہ ناراضگی کے موقع پر گالی کے طور پر بھی مستعمل ہے۔ قدیم مصریوں کے ہاں اگر کسی شخص کو احمق بتلانا مقصود ہوتا تو اُس کے ناک کے ساتھ گدھے کے کان اور سر بنا دیتے۔ برصغیر پاک و ہند کی پُرانی تاریخ میں لکھا ہے "ہرش وردھن کے زمانے میں نالندہ یونیورسٹی میں جو طالب علم بداخلاق یا گستاخ ہوتے، انہیں بطورِ سزا گدھے کی کھال پہنا کر شہر میں بھیک مانگنے بھیج دیا جاتا"۔ گدھے کی اوسط عمر تیس، چالیس، برس ہے حقائق کے ساتھ ساتھ اگر علم الاصنام کے قصے کہانیوں پر اعتبار کر لیا جائے تو یہ عمر زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ سب سے طویل عمر پانے والا افسانوی گدھا وہ ہے جس کا ذکر انجیل میں اکثر مقامات پر آیا ہے۔ یہ گدھا کائنات کے معرضِ وجود میں آنے کے چھ دن بعد پیدا ہوا تھا۔ بلعم کے گدھے کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جب خدا کی راہ میں اپنے جلیل القدر فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی پیش کرنے روانہ ہوئے تو اُس پر سوار تھے۔ یہی گدھا بعد میں حضرت موسیٰؑ کے بیوی بچوں کو مصر واپس لاتا ہے۔ مگر اس کی زندگی کا سُنہری دور ابھی آنے والا تھا اس کی پیش گوئی انجیل میں یوں کی گئی: "خوشی منا اے دخترِ صیہون! - چلا اے دخترِ یروشلم! اپنے بادشاہ کو پہچان جو تم میں آنے والا ہے۔ امن و آشتی کا پیامبر اور غریبوں کا نجات دہندہ - ایک سفید گدھے پر سوار ...." چنانچہ انجیل کی اس حکایت کے مطابق اِس گدھے نے حضرت عیسیٰؑ کو بیت المقدس پہنچایا۔ گدھے کی آواز کرخت ہے اور کانوں کو بُری لگتی ہے —— قرآن حکیم میں اِس کا ذکر یوں آتا ہے"..... اپنی آواز میں اعتدال رکھو کہ بدترین آواز گدھے کی ہے ... (سورہ لقمان) گدھا بار برداری اور سواری کے کام تو آتا ہی ہے انسان پر اس کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس سے خچر پیدا ہوا۔ وہ کہانی تو آپ نے سُنی ہوگی کہ ایک شیر نے خچر سے پوچھا "تم جنگل کے سب جانوروں سے الگ نظر آتے ہو۔ تمہارے آبا و اجداد کون ہیں اور کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟" اُس نے جواب دیا "حضور! میرے ماموں کو نہیں جانتے؟ وہ جو صبا رفتار اور شاہی اصطبل کی آبرو ہے!" خچر میں ماں اور باپ دونوں کی تمام خصوصیات جمع ہو گئی ہیں۔ استقلال، تحمل اور ہر قسم کی آب و ہوا میں بخوبی کام کرنے کی صلاحیت باپ کی طرف سے ورثے میں ملی تو ماں کی طرف سے جسمانی مضبوطی اور سخت جانی جیسے اوصاف میسر آئے۔ گھوڑے یا گدھے کی نسبت خچر کی چال زیادہ ہموار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں خواتین کی سواری کے لئے خچر کو ترجیح دی جاتی تھی اور ماتمی گاڑیاں بھی یہی کھینچا کرتے تھے۔ سکندر اعظم کی لاش بابل سے اسکندریہ تک جس گاڑی میں لائی گئی، اُسے چونسٹھ خچر کھینچ رہے تھے۔ قدیم زمانے میں جبکہ عورتوں کے میک اپ اور آرائش اور سنگھار کی چیزیں نہیں بنی تھیں، گدھی کا دودھ انسانی جلد کی خوبصورتی اور نرمی برقرار رکھنے کے لئے بہترین ٹانک سمجھا جاتا تھا۔ روم کے شہنشاہ نیرو کی ملکہ پوپیا پانچسو گدھیاں پال رکھی تھیں جن کے دودھ سے وہ روزانہ نہاتی تھی۔

(ساجد کلیم۔ کالا بورڈ۔ ملیر سٹی۔ کراچی)

کئے۔ ایک طویل وقفے تک کمرے کے اندر خاموشی چھائی رہی۔ شیلک کو شرلے کی ناگہانی موت پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ کیونکہ حال ہی میں اُس نے لاکھوں ڈالر کا ایک نیا معاہدہ کیا تھا جس میں شرلے کو اہم کردار ادا کرنا تھا۔ وہ اُٹھ کر کمرے کے اندر ٹہلنے لگا۔ اُس کے چہرے پر سخت الجھن کے آثار تھے۔

"انگوٹھی کہاں ہے مسٹر گیری۔؟" اُس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے کہا

گیری نے جیب سے ایک ماچس کی ڈبیہ نکال کر شیلک کے ہاتھ میں تھما دی۔ آخر الذکر کرسی پر بیٹھ گیا اور ڈبیہ کے اندر سے کاغذ میں لپٹی ہوئی انگوٹھی نکال کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔ پھر اُس نے دراز سے انگوٹھی کی تصویر نکالی اور چند لمحوں تک دونوں کا موازنہ کرتا رہا۔ قدرے توقف کے بعد وہ مطمئن انداز میں سر کو جنبش دینے لگا۔

"مسٹر گیری تمہاری ایمانداری اور محنت قابلِ تعریف ہے۔ میں تمہارا معاوضہ دوگنا کرتا ہوں۔ نو ہزار کی بجائے اٹھارہ ہزار۔"

"شکریہ مسٹر شیلک۔ میں نو ہزار سے ایک پیسہ بھی زیادہ نہیں لوں گا۔"

"اچھا۔!" شیلک نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ پھر اُس نے دراز سے ایک لفافہ نکال کر گیری کی طرف اچھال دیا۔ گیری نے نوٹ گننے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اُس کے ذہن میں شرلے کی وصیت اور سوئس بنک میں جمع شدہ ایک لاکھ ڈالر گھوم رہے تھے جو اب اُس کی ملکیت بن چکے تھے۔ اُس نے لفافہ جیب میں ڈال لیا اور شیلک کا شکریہ ادا کرتے ہوئے رخصت ہو گیا۔

شیلک نے انگوٹھی اٹھا کر بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہن لی۔ انگوٹھی کو گھورتے ہوئے وہ سوچنے لگا۔ معمولی محنت کے عوض پانچ لاکھ ڈالر خاصی بڑی رقم ہے وہ لاشعوری طور پر چمکدار ہیروں پر انگلی پھرانے لگا۔ دفعتاً کسی تیز چیز کے چبھنے سے اُس کی انگلی میں معمولی سی خراش آگئی۔ اُس نے جلدی سے انگلی منہ میں ڈال لی۔ گویا یہ انگوٹھی آج بھی خراش ڈال سکتی ہے۔ اُس نے سوچا۔ تاہم زہر تو عرصہ دراز سے سوکھ چکا ہوگا۔ انگوٹھی کو بنے ہوئے پانچ سو سال ہو چکے ہیں۔ اتنے عرصے کے بعد زہر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انگلی کو منہ سے نکالنے کے بعد وہ بغور اُس کا جائزہ لینے لگا۔ نہایت فضول سی چبھن ہے۔ اُس نے خود سے کہا۔ اوہ۔ میں بھی کتنا پاگل ہوں۔ زہر کے بارے میں سوچنا ہی حماقت ہے۔ خراش والی جگہ سے ہلکا سا خون رسنے لگا تھا۔ اُس نے انگلی کو دوبارہ منہ میں ڈال لیا۔

آئیے

صاحبان! آئیے، تشریف لائیے — میں آپ لوگوں کو خوش آمدید کہنے کے ساتھ ساتھ یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ جب سے یہاں آیا ہوں ایک اخباری کانفرنس کرنے کیلئے تڑپ رہا ہوں۔ کئی ماہ کی مسلسل جدوجہد اور تگ و دو کے بعد کہیں آج جاکر آپ لوگوں کو مجھ سے ملنے کی اجازت دی گئی ہے' اس اُمید میں کہ شاید میں آپ کو کوئی نئی بات بتاؤں — لیکن میرے پاس کوئی نئی بات نہیں ہے' جو کچھ پہلے روز سے کہتا چلا آرہا ہوں' وہی آج بھی کہونگا جو لوگ نئی بات معلوم کرنا چاہتے ہیں اُنہیں یقیناً افسوس ہوگا — اب افسوس ہوتا ہے تو ہوا کرے کسی کی خاطر مجھ سے جھوٹ تو نہیں بولا جاسکتا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے کچھ لوگ میرے فوٹو اُتار رہے ہیں جبکہ رپورٹر حضرات اپنی نوٹ بک تیار کرکے اپنی اپنی پنسلوں کو تیز کر رہے ہیں — ہاں' یہ بات تو بالکل درست ہے کہ لکڑی کی بینچیں بہت سخت ہیں اور ان پر آپ کو بیٹھنے میں بہت پریشانی ہورہی ہے — لیکن ایک دماغی شفاخانے میں' بلکہ مجھے اُس کا صحیح نام لینے دیجئے — ایک

کالا انگوٹھی

پاگل خانے میں آپ اس سے زیادہ آرامدہ چیزوں کی توقع نہیں کرسکتے۔ مجھے دلی افسوس ہے کہ میں آپ لوگوں کو صوفوں پر بٹھانے سے قاصر ہوں۔ اُمید ہے کہ میری مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ لوگ پورے خلوص کے ساتھ مجھے معاف فرمائیں گے۔ جو حضرات ٹی وی اسٹیشن سے تشریف لائے ہیں اور فلم تیار کرکے مجھے غیرفانی بنا دینا چاہتے ہیں اُن سے میری درخواست ہے کہ وہ پس منظر کی بھدی دیوار کا کوئی خیال نہ کریں میرے بس کی بات ہوتی تو میں آپ لوگوں کو باغ میں لے جاتا' فوٹو اُتارتے وقت یہ بھی نہ سوچیں کہ میں آپ لوگوں کو یا آپکے کیمروں کو نقصان پہنچاؤں گا۔ میں شریف آدمی ہوں' قانون کی پابندی کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں' یہ دوسری بات ہے کہ یہاں کے ڈاکٹر صاحبان مجھے خطرناک سمجھتے ہیں ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے کیونکہ جس شخص نے اپنے خسر کے سینے میں سولھویں صدی کا خنجر گھونپ دیا ہو اور جس نے اپنی آٹھ ماہ کی حاملہ بیوی کے ایک عربی شمشیر سے ٹکڑے ٹکڑے کردئے ہوں اُسے خطرناک کہنا ہی چاہئے' مگر آپ لوگ خوف زدہ نہ ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ بات کچھ اور تھی اگر میں اُن دونوں کو قتل نہ کرتا تو یقیناً میرا شمار پاگلوں میں کیا جاتا حیرت کی بات ہے کہ عقل کا کام کرنے پر مجھے پاگل خانے میں ڈال دیا گیا جبکہ میری دیوانگی کے زمانے میں مجھے یہاں آنے کی دعوت کسی نے نہیں دی۔

اپنی بات کی وضاحت کرنے کیلئے مجھے آج سے پہلے کے واقعے سے آغاز کرنا چاہئے' جاتی ہوئی بہار کا زمانہ تھا' میری عمر چوبیس سال کی تھی دل میں ایک بڑا ادیب بننے کی آرزوئیں تھیں' میں چاہتا تھا کہ اگر ولیم شیکسپیئر نہ بن سکوں تو کم از کم ہیمنگ وے تو ضرور ہی بن جاؤں — لیکن میری شاہکار کہانیاں واپس آتی رہیں' اُن کے انبار پر انبار لگتے رہے اور میری جمع شدہ ساری پونجی آہستہ آہستہ میرا ساتھ چھوڑتی چلی گئی — نوکری اس لئے نہیں کی کہ میری ادبی صلاحیتوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔

ایک روز کی ڈاک سے میری تین کہانیاں واپس آئیں اور اُنہیں کہانیوں کے ساتھ ساتھ بھورے رنگ کا ایک لفافہ موصول ہوا۔ کہانیوں کو پرے پھینک کر میں نے اس لفافے کو کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

یہ خط پروفیسر روولف کا تھا — جی ہاں' وہی ہستی جنہیں میرے ہاتھوں سولھویں صدی کے خنجر کا نشانہ بننا تھا — اپنے خط میں اُنہوں نے میرے ایک سوال کا جواب دیا تھا' میرا خیال تھا کہ اب میں افسانہ نگاری چھوڑ کر مضمون نگاری شروع کردوں — ادبی رسائل میں پروفیسر موصوف کے مضامین شائع ہوتے رہتے تھے' اس لئے میں نے اُن سے درخواست کی تھی کہ وہ مجھے ملاقات کا شرف بخشیں اور بتائیں کہ مضمون نگاری کرنے کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

پروفیسر رولف نے اپنے خط میں نہ صرف مجھے مفید مشورے دیئے تھے اور اپنی دو تین کتابیں پڑھنے کو کہا تھا بلکہ یہ بھی لکھا تھا کہ وہ مجھ جیسے ہونہار اور لائق ادیب سے ملنا پسند کریں گے۔ اُن کا خط پاکر خوشی کے باعث میں اپنے آپے میں نہ رہا — اگر میں اُن کا انٹرویو لے کر دُنیا کے کسی بھی پرچے میں چھپنے کیلئے بھیجدوں تو بغیر کسی تکنیکی خوبی یا زبان و بیان کی خامی کے باوجود اُسے چھاپ دیا جائے گا اور میں دیکھتے ہی دیکھتے ایک عظیم مضمون نگار بن جاؤں گا۔ فون پر میں نے وقت مقرر کیا اور انٹرویو کے لئے مقررہ وقت سے تقریباً نصف گھنٹہ قبل وہاں پہنچ گیا' نصف گھنٹے کا یہ عرصہ میں نے اُنکے گھر کی چار دیواری کے گرد گھوم کر گزارا' میں ہرگز یہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی قسم کی جلد بازی یا عجلت کا مظاہرہ کرکے اپنے اضطراب کا اظہار کروں ٹھیک دو بجے میں نے ان کے دروازے کی گھنٹی بجائی۔

میری جتنی عمر کی ایک لڑکی نے دروازہ کھولا اور پروفیسر کی لڑکی دارا رولف کی حیثیت سے اپنے آپ کو متعارف کرایا۔ اس لڑکی سے زیادہ بدصورت مخلوق کا تصور کرنا بھی محال ہے' اُسکے چھوٹے چھوٹے بھورے بال اُسکی سُور جیسی تھوتھنی والے چہرے پر بکھرے ہوئے تھے آنکھیں اتنی چھوٹی تھیں کہ بٹن سے تشبیہہ دینا گویا بٹن کی توہین کرنا ہے' موٹے موٹے ہونٹوں پر لپ اسٹک بُری طرح سے تھوپی گئی تھی — اُس کا موٹا اور پلپلا جسم دیکھ کر بے ساختہ ذہن میں یہ خیال آتا تھا کہ یہ چڑیا گھر کی بھاگی ہوئی ہتھنی ہے جسے کپڑے پہنادیے گئے ہیں' اپنی پتلی اور باریک آواز میں اُس نے مجھے بیٹھک میں چلنے کو کہا۔ اور خود پروفیسر کو بُلانے کیلئے چلی گئی۔

ایک انگوٹھی کا مزیدار قصہ،
اگر آپ کا پالا ایسی ہی انگوٹھی سے پڑ جائے تو؟

پروفیسر صاحب کی بیٹھک کسی عجائب گھر سے کم نہیں تھی بے شمار قسم کے چاقو، زیورات، برتن اور جواہرات دیواروں پر آویزاں تھے یا کمرے میں رکھی ہوئی الماریوں میں بڑی خوبصورتی اور نفاست کے ساتھ سجائے گئے تھے یہ بات تو مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئی کہ کمرے میں سجی ہوئی اشیاء کا تعلق بجلی کے ایسے تار سے تھا کہ انہیں چرانے والا اس میں جکڑ جاتا اور پلک جھپکتے میں پولیس کے حوالے کر دیا جاتا یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے وہاں کسی چیز نے متاثر نہیں کیا۔ کاش اُس وقت میں نے کسی چیز کو چرانے کی کوشش کی ہوتی اور سزا کے طور پر جیل بھیج دیا جاتا تو یہ نوبت نہ آتی۔

اچانک میری نظر میز پر پڑی ہوئی ایک انگوٹھی پر پڑی وہ چاندی کی بنی ہوئی ایک بے ڈھنگی سی انگوٹھی تھی نگینہ کی بجائے اُس پر کسی کا سر اور چہرہ بنا ہوا تھا اور نیچے کی جانب ہاتھ اور پاؤں تھے۔ میں تھوڑی دیر تک اُسے حیرت سے دیکھتا رہا پھر وقت گزاری کیلئے میں نے اُسے اپنی درمیانی اُنگلی میں ڈالا اُنگلی موٹی تھی اور انگوٹھی چھوٹی، اُسکے بعد میں نے اُسے انگوٹھی والی اُنگلی میں پہن کر دیکھا۔ اس اُنگلی میں انگوٹھی آسانی کے ساتھ پہن لی گئی...... میں انگوٹھی اُتارنے ہی والا تھا کہ کھٹاک کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور میں نے اپنی پشت کی جانب سے ایک بھاری بھرکم آواز آتی ہوئی سُنی۔

"تم وہی نوجوان ادیب ہو جو میرا انٹرویو لینا چاہتا ہے۔؟"

جلدی سے میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور گھوم کر دیکھا ایک طویل قامت، عمر رسیدہ، لمبا تڑنگا شخص میرے پاس کھڑا ہوا تھا۔

"پروفیسر ردلف!؟" میں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ میری پشت پر انگوٹھی کم از کم ایک ٹن کی محسوس ہو رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میری اُنگلی ٹوٹ جائیگی۔

"ہاں دارا سے معلوم ہوا کہ تم مجھ سے ملنے آ چکے ہو!" اُنہوں نے دروازے کی جانب کھڑی ہوئی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجھ سے ملانے کیلئے ہاتھ بڑھایا۔

میں چاہتا تھا کہ اس وقت زمین پھٹے اور میں اُس میں سما جاؤں

بہرصورت جواب میں میں نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا اُنہوں نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا پھر اچانک میری اُنگلی اور میرے چہرے کو گھورتے ہوئے بولے ـــــ " یہ انگوٹھی میری ہے ـ کیوں ؟"

"جی ـ جی ہاں ... جناب ... میں نے محض ..."

"کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں ـ" اُنہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایسا ہو ہی جاتا ہے ـ مہربانی کرکے اب اُسے اُتار دو۔"

میں نے انگوٹھی اُتارنے کی کوشش کی ـ کچھ بھی نہ ہوا' بالآخر میں نے تھوک لگا کر اپنی اُنگلی کو گیلا کیا اور ایک مرتبہ پھر انگوٹھی اُتارنا چاہی ـ "ایسا معلوم ہوتا ہے ـ جیسے ... جیسے اس کی ٹانگیں میری اُنگلی میں پھنس گئی ہیں ـ"

"لاؤ میں اُتار دوں ـ" ایڈ پروفیسر نے پوری قوت سے انگوٹھی کو پکڑ کر کھینچا' معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے انگوٹھی کی ویلڈنگ کر دی ہو' اُنگلی کا آخری پور اچھل گیا اور خون بہنے لگا۔

"واقعی اُس کے پاؤں بڑے غلط بنائے گئے ہیں ـــ" پروفیسر نے کہا ـ "یہ آگے کو نکلے ہوئے ہیں' انگوٹھی کو جتنا کھینچو' یہ اتنا ہی گوشت میں گھستے چلے جاتے ہیں ـ" اُنہوں نے گھوم کر آواز دی "دارا ! تھوڑی سی تیلی لے آنا کیسی اچھی بچی ہے ـ"

گھوڑے کی طرح دُلکی چال چلتی ہوئی دارا کمرے سے باہر گئی اور تیلی کا کنستر لے آئی میرے ہاتھ کو پکڑ کر پروفیسر نے خوب مضبوطی کے ساتھ اُنگلی کے پورے پیچھے کو جکڑا ـ "اس سے گوشت نیچے دب جائیگا" اُس نے کہا۔ "اب کوشش کرو ـ انگوٹھی اُتر آئے گی۔"

کام نہیں بنا ـ انگوٹھی کے پیر کچھ اور مضبوطی سے گوشت میں پیوست ہو گئے ـ "صابن مل کر دیکھو ـ" پروفیسر نے ہنستے ہوئے کہا "صابن ملتے ہی انگوٹھی اُتر آئیگی' تعجب ہے اب تک اتنی ذرا سی بات میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی۔"

دارا نے مجھے غسلخانہ بتایا' وہاں دس منٹ صابن مل مل کر انگوٹھی اُتارنے کی کوشش کرتا رہا ـ آخر ناکامی کا اعتراف کرتا ہوا واپس آگیا ـ "اب کیا ہوگا ـ ـ ؟" دارا نے پتلی آواز میں مجھ سے پوچھا ـ

میں نے کہا ـ "میرا ایک صراف دوست ہے ـ بہت سے لوگ اُس کے پاس اس قسم کے مسائل حل کرانے کے لئے آتے رہتے ہیں اُسکے پاس ننھی منی سی ایک آری ہے اُسکے ذریعہ وہ اس انگوٹھی کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ـ ـ ـ" پروفیسر کا چہرہ سفید پڑ گیا ـ اُس کے منہ سے ایک عجیب سی دُکھ بھری آواز نکلی ـ

"انگوٹھی کی مرمت کرانے پر جو خرچہ آئے گا وہ میں اپنی جیب سے ادا کروں گا ـ" میں نے جلدی سے کہا ـ

"میرے بچے !" اُنہوں نے کہا' "اگر تمہارا نام لارڈ راک فیلر ہوتا تو ممکن ہے ... میرے الفاظ پر غور کرو' میں کہہ رہا ہوں کہ ممکن ہے تم انگوٹھی کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی کر سکتے ــــ حقیقت یہ ہے کہ اس نقصان کی تلافی کرنا بالکل ناممکن ہے ـ"

"میں سمجھا نہیں جناب !"

"یہ انگوٹھی جو تمہاری اُنگلی میں پڑی ہوئی ہے' تردس نامی فرعون کو اُس کے سب سے بڑے پجاری نے تقریباً ۲۵۰۰ قبل مسیح پیش کی تھی ـ اس کے نیچے قدیم مصری زبان کے بابرکت الفاظ لکھے ہوئے ہیں ـــ تمام دُنیا میں یہ اپنی قسم کی واحد انگوٹھی ہے ـــ اسکی حیثیت رو سے زمین کے تمام خزانے سے بڑھ کر ہے ـ اسے پہننے والا دُنیا کا خوش نصیب انسان سمجھا جاتا ہے ـــ لیکن تمہاری خوش نصیبی یا بدنصیبی سے مجھے کوئی تعلق نہیں' میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے میری انگوٹھی مجھے واپس مل جائے ـ"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں ـ" میں نے کہا ـ "مگر مجبوری یہ ہے کہ آپکی انگوٹھی اُتارنے کی کوئی صورت سمجھ میں نہیں آتی ـ"

"ایک صورت ہے' بالکل آخری صورت ـ" اُنہوں نے کہا ـ "کیوں نہ تمہاری اُنگلی کاٹ دیجائے ـ"

دارا گھبرا کر آگے بڑھی اور اُس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ـ "نہیں ڈیڈی انہوں نے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ـ کیا کوئی دوسری ترکیب نہیں ؟"

میں نے اپنی نئی ہمدرد کو تھپتھپایا ـــ "میں گھر جا کر آج ـــ پوری رات یہی سوچتا رہوں گا کہ انگوٹھی اُتارنے کی کیا ترکیب کیجائے مجھے یقین ہے کہ صبح ہوتے ہی آپ کو اپنی انگوٹھی واپس ملجائیگی ـ"

"کیا کہا ؟" پروفیسر نے تقریباً چیختے ہوئے کہا ـــ "میں تمہیں اپنا گھر چھوڑنے کی ایسی صورت میں اجازت دیدوں جبکہ تم میری انگوٹھی پہنے ہوئے ہو' نہیں بھئی' یہاں سے باہر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا !" "لیکن جناب میں ہمیشہ تو یہاں نہیں رہ سکتا ـ"

"کیوں نہیں رہ سکتے ـ" پروفیسر کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی ـ "میرا مطلب یہ نہیں کہ تم ہمیشہ کیلئے یہاں ڈیرہ ڈال دو لیکن اُس وقت تک تو تمہیں یہاں ٹھہرنا ہی پڑیگا جب تک ہم لوگوں کی سمجھ میں انگوٹھی اُتارنے کی کوئی ترکیب نہ آجائے ـ"

"لیکن مجھے ..."

"کچھ نہیں ـ" اُنہوں نے کہا ـ "تم ادیب ہو یہاں رہ کر آسانی سے اپنے مضمون یا افسانے لکھتے رہو ـ"

"اس طرح تو میں آپکے اوپر بوجھ بن جاؤں گا ـ"

"تو پھر تمہارا جو جی چاہے کرو ـ" پروفیسر نے کہا ـ "لیکن میری انگوٹھی اس گھر سے باہر نہیں جائے گی ـ"

اور اس طرح میں مجبور ہو گیا کہ پروفیسر کے ہاں مستقل طور پر رہائش اختیار کر لوں ـ پہلے چند دنوں تک ہم لوگ انگوٹھی کے بارے میں گفتگو اور اُسے اُتارنے کے نئے نئے مختلف تجربات کرتے رہے لیکن انگوٹھی کچھ اتنی بے حیائی کے ساتھ میری اُنگلی میں پھنسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے میں اُسے اپنی ماں کے پیٹ سے لے کر آیا ہوں' ایک ہفتہ کے بعد میری غذا تبدیل

کردی گئی اور مجھے ایسی چیزیں کھانے کیلئے دی گئیں جن کے ذریعہ پروفیسر کے قول کے مطابق یہ توقع تھی کہ اُنگلی دبلی ہوجائیگی۔

وقت گزاری کیلئے میں نے مضمون نگاری شروع کردی۔

دارا میرے پاس آکر بیٹھ جاتی اور بڑے دھیان کے ساتھ میری وہ مبالغہ آمیز باتیں سنا کرتی جو میں اُسے اپنی شاندار اور منفرد افسانہ نگاری کے بارے میں بتایا کرتا تھا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ وہ ہلکی میوزک کا ریکارڈ چڑھا دیتی اور اپنا موٹا لبلبا جسم میرے جسم سے ملا کر بیٹھ جاتی ___ میں سوچتا یہ بھی ایک قسم کا تجربہ ہے اگر اس طرح اس بے چاری کو کچھ سکون حاصل ہوتا ہے تو ہونے دو۔

جولائی کے مہینے میں مجھے ان لوگوں کے ہاں رہتے ہوئے پورے چھ ہفتے گزر گئے اور تب ایک شام میں نے انتہائی بے وقوفی کا ثبوت دیا۔ اپنے بچاؤ کیلئے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتا ہوں کہ دارا دنیا کی واحد لڑکی تھی جو مجھ سے اتنا قریب ہوئی ___ اور یہ کہ بہرحال میں انسان تھا۔ مٹی کا پُتلا نہیں تھا اس لیے بے وقوفی کر بیٹھا۔

ہمیشہ کی طرح دارا میری بغل میں بیٹھی ہوئی تھی، تاریکی پھیل چکی ہم نے ابھی تک روشنی نہیں کی تھی ___ حضرات! ایک بات سمجھ لیجئے روشنی کے مقابلہ میں تاریکی کے وقت دارا مجھے کچھ گوارا معلوم ہونے لگتی تھی۔ میں نے اُسکی محبت کا جواب محبت سے دیا۔ ہم دونوں کے جوش و خروش میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ہماری محبت عروج پر پہنچ گئی، تب ہی اُسی وقت کمرے میں روشنی ہوگئی، پروفیسر ہم دونوں کے سامنے کھڑے ہوئے ہمیں گھور رہے تھے ___ سخت قسم کے لہجے میں اُنہوں نے دارا سے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں چلی جائے۔ اور مجھ سے کہا کہ میں اُن کے کمرے میں چل کر اُن سے بات کروں۔

وہاں پہنچ کر اُنہوں نے برانڈی کے دو گلاس تیار کئے اور ایک گلاس میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اگر ایسی بات تھی تو تم نے مجھ سے ذکر کیوں نہیں کیا۔ مجھے تمہیں اپنا داماد بنا کر خوشی ہوگی۔"

اگلے ہی ہفتے دارا میری بیوی بن گئی شادی ہونے سے ایک روز قبل پروفیسر نے مجھے یہ بات بتادی تھی کہ مجھے گھر داماد بن کر رہنا پڑے گا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ اُنکی بیٹی اُن کی نظروں سے اوجھل ہو۔

ایک ماہ تک گھر میں دعوتیں ہوتی رہیں، بڑے بڑے لوگ ملنے کیلئے آئے، ہر ایک نے دارا کو اتنا اچھا شوہر ملنے پر مبارکباد پیش کی۔

میرا جائزہ اس طرح لیا گیا جیسے میں اس خاندان کا کوئی پالتو جانور ہوں میری ساری ضروریات، علاوہ آزادی کے پوری کی جارہی تھیں، مجھے بہترین غذا ملتی تھی۔ بیش قیمت لباس میرے لئے تیار کرائے جاتے تھے۔ میرے وہ مضامین جنہیں چھاپنے کیلئے کوئی تیار ہی نہیں ہوتا تھا، پروفیسر نے ایک پبلشر سے کہہ کر کتابی صورت میں طبع کرائے تھے۔ گویا مجھے عزت، دولت اور شہرت ہر چیز حاصل تھی۔

دارا مجھ سے محبت کرتی تھی، کچھ ایسی محبت جیسی کسی بلی کو چوہے سے ہوتی ہے ___ دعوت کے موقعوں پر وہ ایک بڑی سفید جونک کی طرح میرے جسم سے چمٹ کر بیٹھ جاتی، آپ حضرات خود ہی تصور کرسکتے ہیں کہ جب جلوت میں یہ حال ہوتا تھا تو وہ خلوت میں میرا کیا حشر بناتی ہوگی؟

نتیجہ یہ ہوا کہ نومبر میں مجھے بخار ہوگیا۔ پھر چکر آنے لگے۔ ایک ہفتہ کے بعد لڑکھڑانے لگا۔ ایک روز مجھے ایک دارا کے بجائے دو دارائیں نظر آئیں اگلی شام کو کرسی سے کھڑا ہوتے ہی چکرا کر نیچے گر گیا۔

میں نے محسوس کیا کہ دارا اور پروفیسر دونوں مجھے اٹھا کر پلنگ پر لے گئے ہیں ___ پھر مجھے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کوئی ڈاکٹر میرا معائنہ کررہا ہے اس کے بعد دوبارہ مجھے چکر آگیا۔

جب کبھی مجھے ہوش آتا مجھے ایسا لگتا جیسے میری جان نکل رہی ہے لیکن مجھے مرنے کی خوشی تھی، کم از کم اس طرح مجھے دارا کے بے رحم چنگل سے نجات مل سکتی تھی۔

ایک روز مجھے ہوش آیا تو ریڈیو میں نئے سال کی مبارکباد کا ریکارڈ بج رہا تھا گویا میں پورے دو مہینے سے صاحب فراش تھا۔

میں نے اپنے جسم کا کمبل اُتار دیا، اسکے بعد اُٹھنے کی کوشش کی تو انگلی سے انگوٹھی پھسل کر میری ہتھیلی پر آگئی۔ مجھے چند لمحات اس بات کو سمجھنے میں لگ گئے کہ میرے تمام مصائب کی جڑ یہی انگوٹھی ہے میں انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ اُس نے مجھ پر جو ظلم ڈھائے تھے اُنہیں فراموش کرنا ناممکن تھا، اتنے ظلم تو کسی انسان نے بھی نہیں کئے ہوں گے۔

اور تب نفرت، غصّہ اور حقارت کے جذبات سے مغلوب ہوکر میں اپنے بستر سے اُٹھ کھڑا ہوا، تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا، ہال میں مجھے سولھویں صدی کا چمکتا ہوا خنجر نظر آیا، میں نے اُسے ہاتھ میں لیا اور بیٹھک میں پہنچا، جہاں دارا اور پروفیسر ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے ___ پروفیسر مجھے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا لیکن اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا، سولھویں صدی کا خنجر اسکے سینے میں دستے تک پیوست ہوچکا تھا عربی شمشیر کمرے میں لٹک رہی تھی، وہ دارا کے کام آئی۔

کیا کہا؟ آپ کا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ کیا، مجھے اس پر افسوس ہے ___ نہیں جناب مجھے کوئی افسوس نہیں۔ میں اس سلسلے میں جھوٹ نہیں بول سکتا، حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ جھوٹ بول کر خلاصی حاصل ہوسکتی ہے۔

اتنی بات سمجھئے صاحبان! بستر میں لیٹے لیٹے انگوٹھی پر نظریں گاڑے ہوئے مجھ پر اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ مجھ پر جو کچھ گزری ہے وہ پہلے سے بنائے ہوئے منصوبے کے تحت گزری ہے، پروفیسر نے یہ منصوبہ تیار کیا تھا کہ اپنی موٹی، پلپلی اور بھدی لڑکی کیلئے ایک شوہر کا انتظام کرے۔ بڑی بے رحمی کے ساتھ ان دونوں نے اُس پر عمل کیا۔ ایک لمحے کیلئے بھی مجھ پر ترس نہیں کھایا۔ نہیں آپ لوگ غلط سمجھ رہے ہیں ___ یہ میری خام خیالی نہیں ہے، میں خواہ مخواہ اُن لوگوں کو مجرم نہیں ٹھہرا رہا ہوں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب میں نے انگوٹھی اُتاری تو اُسکے نیچے لکھا ہوا تھا ___ جی نہیں وہ قدیم مصری زبان کے بابرکت الفاظ نہیں تھے بلکہ اُسکے نیچے صاف ستھری انگریزی میں تحریر تھا:

"پروفیسر ولف کے اسپیشل آرڈر پر
واشنگٹن میں تیار کی گئی ___"

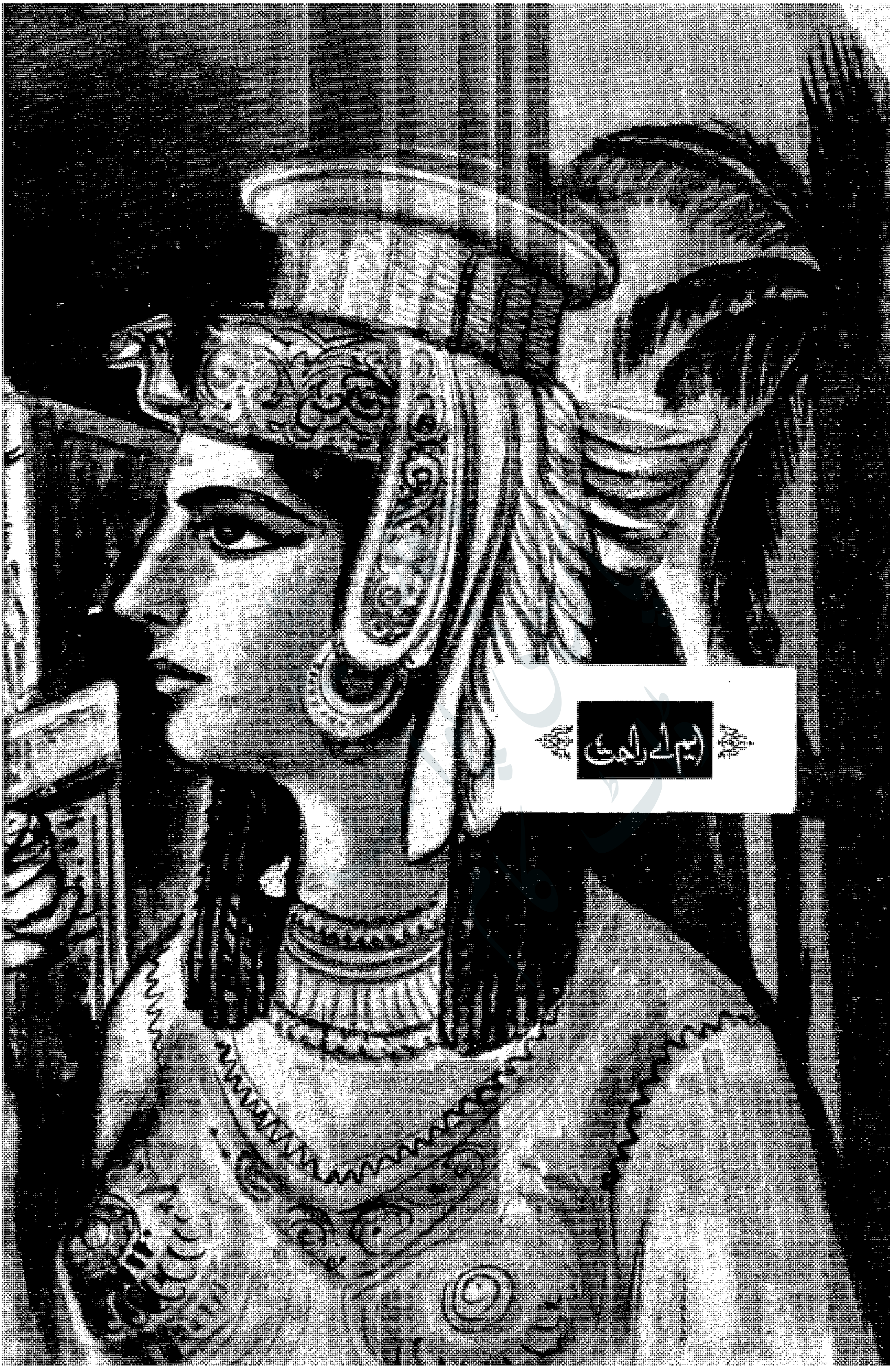
ایم اے راحت

صدیوں کا بیٹا

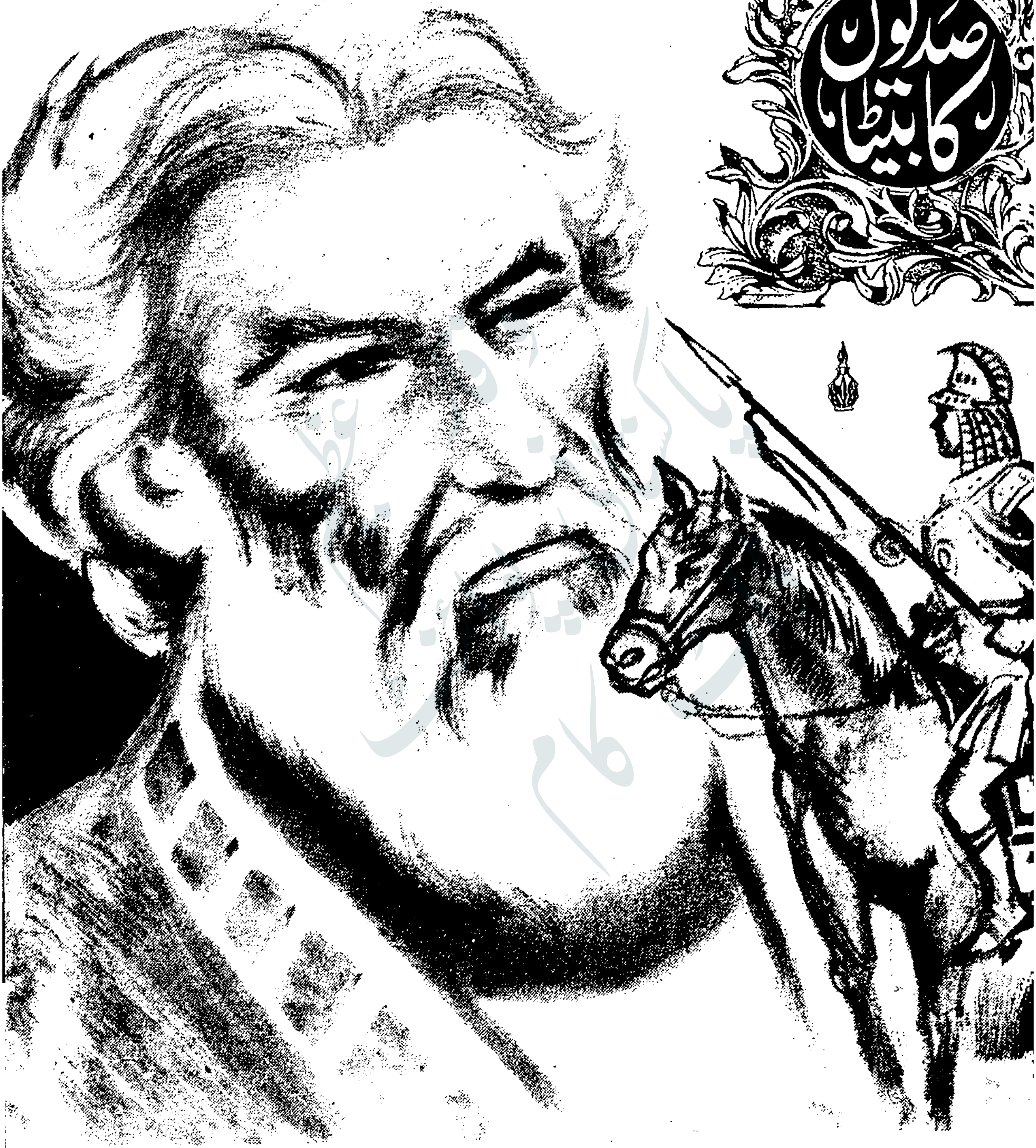

صدیوں پر محیط ایک ناقابلِ فراموش داستان

۱۲

نیویارک کے ایئرپورٹ سے پرواز کرنے والا مسافر بردار طیارہ جب چاروں طرف سے طوفان میں گھر گیا اور طیارے کے بچنے کی کوئی اُمید نہ رہی تو اُس کے نوجوان پائلٹ راڈرک نے درخواست کی کہ اس تباہ ہونے والے طیارے کو اُس کے سپرد کر دیا جائے۔ وہ اسے بچانے کا تجربہ کرے گا اور اُس نے جو کچھ کیا اس کے باقی تینوں پائلٹ مخالف تھے لیکن نوجوان راڈرک ایک خوفناک سفر کے بعد برف کے ایک ویرانے میں اُتارنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ لیکن ایک خوفناک صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی۔ طیارہ برف کے ایک پہاڑ میں داخل ہوگیا تھا۔ طیارے کے بیشمار مسافر دہشت سے مر گئے اور بہت سے سردی سے بہرحال اولوالعزم نوجوان راڈرک نے برف میں سُرنگ بنا کر باہر نکلنے کا راستہ تلاش کر لیا۔ اور پھر وہ بیرونی دُنیا سے رابطہ قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہوگئے لیکن ناکامی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ برف کے اس ویرانے سے نکلنے کی کوئی صورت نہ رہی تو مایوس نوجوان بغاوت پر اُتر آئے۔ اُنھوں نے بوڑھوں کو قتل کرکے نوجوان لڑکیوں کو ہتھیانے کا فیصلہ کرلیا۔ اُن کا لیڈر ایک خونخوار نوجوان آلرٹے تھا۔ ایک صبح آلرٹے نے بوڑھوں کو گھیر لیا۔ اور اُن کے سامنے اپنا مطالبہ دہرایا۔ نوجوانوں کے تیور خطرناک نظر آرہے تھے اس لئے بوڑھوں نے مصلحت سے کام لیا۔ اور نوجوانوں کے سامنے ایک تجویز پیش کی وہ یہ کہ نوجوان لڑکیاں لے لیں لیکن انھیں زندہ رہنے دیں۔ وہ اُن کے لئے غذا فراہم کریں گے اور دوسری محنت مزدوری کریں گے اس پر نوجوان آلرٹے تیار ہوگیا اور دوسرے نوجوان خوشی سے تالیاں بجانے لگے بگڑے ہوئے نوجوانوں کو رام کرنے کے لئے بوڑھوں نے لڑکیوں کو اُن کے ساتھ نکلنے کی اجازت دے دی لیکن اس کے ساتھ ہی خفیہ طور پر اُنھیں ہوشیار کر دیا گیا تھا کہ وہ چالاکی سے اپنی عصمت کی حفاظت کریں۔ فرزانہ نے یہ کام بخوبی کیا اور نوجوانوں کی چیرہ دستیاں رُک گئیں۔ پھر پروفیسر خاور نے انھیں اس دنیا کی داستان سنائی جو اس کے خیال میں برف کے اس ویرانے کے دوسری طرف تھی۔ اس نے نوجوانوں کو اس کام کے لئے بھی آمادہ کر لیا کہ وہ برف کے قبرستان سے جہاز کے ڈھانچے کو کھود نکالیں اور اسے لے کر ڈھلان تک چلیں۔ پروفیسر خاور کی شخصیت سے سب واقف تھے نوجوان اس سے تعاون کے لئے تیار ہوگئے اور پھر ایک عظیم الشان مہم شروع ہوگئی۔ لڑکیوں اور بہتر زندگی کے لالچ میں نوجوان سخت محنت سے کام کرنے لگے لیکن بوڑھوں کے ذہن میں ایک خطرناک سازش جنم لے چکی تھی اور بالآخر اس سازش کو مکمل کر لیا گیا سوائے چند شریف النفس نوجوانوں کے باقی نوجوان برف کی گہرائیوں میں غرق ہوگئے۔ اس طرح شیطانوں سے نجات ملی لیکن پروفیسر کا عزم برقرار تھا۔ جہاز کے ڈھانچے میں تمام لوگ بیٹھے اور ڈھانچے کو ڈھلان پر چھوڑ دیا۔ جہنم کا سفر شروع ہوگیا۔ اور اس کا انجام اچھا نہ ہوا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ رہی۔ ہاں جب بوڑھے خاور کو ہوش آیا تو وہ انسانی جسم کے ٹکڑوں کے انبار میں پڑا ہوا تھا۔ کوئی زندہ نہ بچا تھا۔ نہ جانے کس طرح زندگی نے اُسے مہلت دے دی تھی۔ بچنے والوں میں دو زندگیاں اور تھیں۔ یہ فرزانہ اور فروزاں تھیں۔ گویا بوڑھے کا خاندان خوش نصیب خاندان تھا جو نیویارک سے پرواز کرنے والے اس طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ لیکن کون جانے اس خاندان کے لئے کون کونسی مصیبتیں موجود تھیں۔ پروفیسر خاور نے اس پراسرار ویرانے میں ایک غار دیکھا جہاں زندگی کے وجود کا پتہ چلتا تھا اور جب وہ اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ غار میں داخل ہوا تو حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ وہ ایک عظیم الشان لیبارٹری تھی۔ دفعتاً فروزاں کی آواز اُبھری "ڈیڈی وہ کیا ہے؟"

اور وہ ایک پُراسرار تابوت تھا جس میں ایک انسانی جسم موجود تھا۔ ایک نوجوان کا جسم جو پروفیسر کی تھوڑی سی کوشش سے جاگ اُٹھا۔ جاگنے والے نے بتایا کہ اُس کا کوئی نام نہیں ہے۔ اُس کی عمر نامعلوم ہے۔ وہ ہر دور میں زندہ رہا ہے۔ اُس نے خود کو کائنات میں ہمیشہ بھٹکتا ہوا پایا ہے۔ اُس نے تہذیب کا ارتقاء دیکھا ہے اُس نے انسان کو ترقی کرتے دیکھا ہے اور وہ خود ہر دور میں انسان کے شانہ بشانہ رہا ہے۔ تب اس نے اس ... کہانی سُنائی جب اُس نے پہلی بار اپنے جسم کے منتشر ذرات کو انسانی جسم اختیار کرتے محسوس کیا۔ ... پتھر کا دور تھا۔ وہ بھی تہذیب ناآشنا لوگوں میں سے ایک تھا۔ اُسے ایک ساتھی مل گئی۔ وہ جنسِ لطیف کی دلکشی سے رُوشناس ہوا۔ پھر اسے دوسری لڑکی ملی جس نے پہلی لڑکی کو ہلاک کر دیا۔ اور اُس لڑکی نے اسے نام دیا اور یہ نام "توما" تھا۔ لڑکی نے اپنا نام لاکا بتایا تھا۔ ایک رات لاکا اُس کی آغوش میں تھی کہ انھیں ایک خوفناک زلزلے نے آلیا لاکا زلزلے کی نذر ہوگئی۔ تب وہ ایک ایسی وادی میں پہنچ گیا جو اُس جیسے انسانوں سے بھری ہوئی تھی وہ لوگ پتھروں کے غاروں میں رہتے تھے۔ وہاں اُس نے سمندر سے حملہ آور ہونے والی ایک سیاہ چٹان کو چالاکی سے شکار کرلیا تو وہ سب اُس کے مدّاح ہوگئے۔ اور اس قبیلے کی ایک خوبصورت لڑکی بے نی اُس کے حصے میں آگئی حالات نے اسے اس علاقے کا سردار بنا دیا اور وہاں اُس نے ایک طویل زندگی گزاری۔ اُس کے سامنے پیدا ہونے والے بچے بوڑھے ہوکر مر گئے اور جب بے نی بھی مر گئی تو وہ اکتا کر اس علاقے سے نکل آیا۔ وہ اسی طرح جوان تھا سمندر کے کنارے کنارے سفر کرتا ہوا وہ درختوں کی بستی میں جا نکلا جو تہذیب کی طرف گامزن تھی لیکن ... کا دور شروع ہوگیا تھا اور میدانوں میں رہنے والے گویا ان درختوں والوں کی تاک میں تھے اور ایک ... انھوں نے حملہ کرکے درختوں والوں کو تباہ کر دیا۔ لیکن انھوں نے اسے بحیثیت دوست قبول کر لیا تھا۔ تب میدان ... میں اُس کی ملاقات بوڑھے ارساس سے ہوئی اور ارساس نے جو سردار آکے کا باپ تھا اُسے بڑی عزت بخشی۔ وہ اُسے ان غاروں میں لے گیا جہاں وہ لوہا دریافت کرنے کے بعد اُس کے ہتھیار تیار کر رہا تھا۔ اُس کی بیٹی سامی اُس کی مددگار تھی۔ بوڑھے نے اسے تہذیب سکھائی لیکن جب سامی کے ساتھ اُس کے جذباتی تعلقات قائم ہوگئے تو بوڑھا اُس کا دشمن ہوگیا اُس نے اُسے اور سامی کو گرفتار کرکے آگ میں جھونک دیا۔ سامی راکھ ہوگئی لیکن وہ زندہ رہا۔ آگ اُس کے جسم میں جذب ہوگئی تھی۔ تب بستی والے خوف زدہ ہوکر فرار ہوگئے لیکن وہ یہ جگہ بھی چھوڑ دینا چاہتا تھا۔ اُس نے سمندری سفر کی تیاریاں کیں اور بالآخر اس کا سفر شروع ہوگیا اور پھر سمندر کی ایک لہر نے اُسے ایک سفید زمین پر لا پٹخا اور اُس کے جسم پر سفید ذرات کی بارش شروع ہوگئی وہ ان سفید ذرات کی خوشگواری میں سوگیا۔ گہری نیند! جب وہ جاگا تو دنیا کئی قدم آگے بڑھ چکی تھی۔ اسے پہاڑوں میں پوشیدہ خانہ بدوشوں نے برف سے نکالا اور لاتونی کا نام دیا۔ یہ لوگ آرسانہ کی چیرہ دستیوں کے خلاف جنگ کر رہے تھے۔ نوجوان سردار بارڈک نے اُسے اپنا پیشوا مان لیا اور اُس نے اپنی پراسرار قوتوں سے اپنے وجود کا احساس دلایا۔ وہاں کا بچہ بچہ اس کی عزت کرتا تھا۔ جنگ کی تیاریاں زبردست پیمانے پر ہو رہی تھیں لیکن وہ عورت سے دور تھا تب اُس نے آرسانہ جانے کا فیصلہ کیا اور پہاڑوں میں روانہ ہوگیا تب اُس کا سامنا آرسانہ والوں سے ہوگیا۔ وہ اپنی ملکہ کے ساتھ سیر و شکار کو آئے تھے اور ملکہ نے اُسے دیکھا اور اس پر اپنا سب کچھ نثار کر دیا۔ وہ اُسے لے کر آرسانہ آگئی لیکن ایک شلم آرسانہ کے بوڑھے شہنشاہ نے انھیں رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا۔ اور اُن کے لئے سزا تجویز کی۔ ملکہ ساریتہ کو ایک ستون سے باندھ دیا گیا اور اس پر

بہت سے لڑاکے چھوڑ دیئے گئے۔ لیکن صدیوں کے دیو کو وہ لوگ ہلاک نہ کر سکے اور جب انسان ناکام ہوگئے تو جانوروں کا سہارا لیا گیا۔ اُس نے عقب میں ببُو کے شیروں کی گرج سُنی اور اُس کے ساتھ ہی سارینہ کی چیخ۔ سارینہ کی چیخ موت کی چیخ تھی لیکن وہ اس طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکا کیونکہ ببُو کے شیر للچائی ہوئی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے وہ اُن کے لئے فولاد کا نوالہ ثابت ہوا اور انھیں اس لالچ میں زندگی سے ہاتھ دھونے پڑے تب شہنشاہ اور اُس کے جیالے جان چھوڑ بیٹھے۔ پُورا پنڈال خالی ہوگیا اور اُس کے ہاتھ شہنشاہ کی دونوں لڑکیاں لگ گئیں۔ اُس نے اُن سے یگانگت کا اظہار کیا اور بالآخر اُن کے ساتھ محل تک پہنچ گیا۔ اب اُس کی حیثیت دوسری تھی۔ دونوں لڑکیاں اُسے چاہتی تھیں۔ بظاہر شہنشاہ اُس سے اخلاق سے پیش آرہا تھا لیکن اُس کے دل میں کدورت تھی تب شہنشاہ کو علم ہوگیا کہ اُس کی بیٹی بائیسیا اُسے چاہتی ہے اور اُس نے اُس کے ساتھ بائیسیا کو بھی فنا کرنے کا پروگرام بنایا اور ایک روز ایک تون تہوار میں اُسے شریک کیا گیا۔ پتنگ میں باندھ کر اُڑانے کے کھیل کی پیشکش اُسے بھی کی گئی لیکن اُس کا انجام بہت خوفناک تھا۔ اس وقت جب وہ اور بائیسیا پتنگ میں پرواز کر رہے تھے انہیں آتش فشاں کے دہانے میں جھونک دیا گیا۔ بائیسیا جل کر خاک ہوگئی لیکن آگ تو اُس کی زندگی تھی۔ وہ نیا روپ لئے آگ سے باہر آیا اور اب اُس کے دل میں انتقام کے شعلے تھے اُس نے شہنشاہ کی دوسری لڑکی آکاشا کو لیا اور وہاں سے فرار ہوگیا۔ اب اُس کا رُخ پہاڑوں کی طرف تھا جہاں آکاشا نے اُسے کچھ نشانات کی طرف متوجہ کیا۔ یہ نشانات ملکہ سارینہ کے قیام کے تھے۔ اُس نے اس خوبصورت جھرنے کے نزدیک قیام کیا اور آکاشا اُس کی گرم سانسوں میں کھو کر اپنا سب کچھ اُس کے حوالے کر بیٹھی پھر اُس نے پہاڑوں کی طرف رُخ کیا جہاں باروک اُس کے ساتھی اُس کے منتظر تھے۔ باروک کی فوجیں پوری طرح تیار تھیں چنانچہ اُنھوں نے اُس کی رہنمائی میں آرسانہ پر حملہ کیا اور شاندار کامیابی حاصل کی شہنشاہ قتل کردیا گیا اور آرسانہ پر باروک کی حکومت قائم ہوگئی۔ وقت نے طویل فاصلے طے کر لیا تھا۔ آکاشا بوڑھی ہوکر مر گئی اور پھر وہ بیزار ہوکر خاموشی سے آرسانہ سے نکل آیا۔ اُس کی دوسری منزل ایک اور آبادی تھی جہاں ظالم طاآس حکمران تھا۔ طاآس خود کو معبود کہتا تھا لیکن اُس کی قوت سے مرعوب ہوکر اُس نے اُسے دوست بنالیا اور پھر چالاک طاآس نے ایک منصوبہ بنایا۔ اُس نے کچھ بخشنا چاہا تو اُس نے طاآس کی ایک خوبصورت بیوی لتاکا مانگ لی۔ لتاکا طاآس کے منصوبے کے تحت آئی تھی۔ لیکن وہ اُس پر مرمٹی اور اُس نے طاآس کا منصوبہ اُس کے سامنے رکھ دیا۔ طاآس اُس کے ذریعے اپنے سب سے بڑے دشمن اگناس کو قتل کرانا چاہتا تھا جو ایک بے پناہ طاقتور انسان تھا۔ لتاکا نے تجویز پیش کی کہ وہ طاآس سے اگناس کی گرفتاری کا وعدہ کر کے لتاکا کے ساتھ الکورہ روانہ ہوجائے اور راستے سے دونوں فرار ہوجائیں۔ لتاکا کی تجویز سُن کر اُسے ہنسی آگئی اور لتاکا کے منع کرنے کے باوجود اُس نے طاآس سے وعدہ کر لیا کہ وہ اگناس کو گرفتار کر کے اُس کے سامنے پیش کردے گا اور طاآس خوش ہوگیا۔ طاآس کی دوسری رانیاں اُس کے حُسن و جمال پر فریفتہ تھیں خاص طور سے اُس کی چھوٹی رانی انطاریہ۔ ایک راہبر کی سربراہی میں وہ ایک عظیم فوجی دستے کے ساتھ چل پڑے لیکن راہبر اگناس کا ساتھی تھا اُس نے پوری فوج کو لرزتی پہاڑیوں میں پھنسا دیا اور جب اس بات کا انکشاف ہوا تو فوجیوں نے راہبر گورب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ گورب کے دو سپاہی اگناس کو اطلاع دینے چل پڑے۔ خیال تھا کہ ایک پستہ قد سپاہی بھی گورب کا ساتھی ہے۔ پھر خوفناک زلزلے نے انھیں آلیا۔ لتاکا بھی زلزلے کا شکار ہوگئی۔ اور صرف دو ہستیاں بچیں، ایک تو وہ خود تھا دوسری طاآس کی سب سے چھوٹی ملکہ انطاریہ جو اُس کے عشق میں گرفتار ہوکر خاموشی سے فوج میں شامل ہوکر یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ تب انھیں پہاڑیوں سے دوسری طرف کا راستہ مل گیا جو الکورہ کی سرزمین تھی اور وہاں اگناس کے ساتھیوں نے اُسے آلیا۔ اُس نے خوشی سے گرفتاری قبول کر لی تب بھرے دربار میں وہ اگناس کے سامنے پیش ہوا اور اُس نے ہر بات سچی کہی۔ اُس نے دعویٰ کیا کہ وہ دشتی کے پُجاری کو بآسانی باندھ کر لے جا سکتا ہے۔ اگناس کے ساتھی غصّے سے مشتعل ہوگئے۔ اگناس نے اُس کی قوت کا امتحان لیا اور پھر خود اُس کے مقابلے پر آگیا۔ اُس نے وعدہ کیا کہ اگر اُسے اسیر کر لیا گیا تو یہ پوری بستی اور وہ خود اس کا غلام ہوگا۔ گوشت اور ہڈیوں کا پہاڑ اُس کے سامنے تھا۔ آگ کے غیر انسانی خمیر کے سامنے گوشت پوست کے پہاڑ کی کیا حیثیت تھی۔ دیوقامت انسان نے اُس کے ہاتھوں شکست کھائی اور اپنے قول کی صداقت کا ثبوت دیا۔ وہ اگناس کو قیدی بنا کر طاآس کے سامنے پہنچ گیا اور طاآس کی خوشی و حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ گو انطاریہ کی تفصیل نے اُسے مشتعل کردیا تھا لیکن وہ مقابل کی قوت سے بخوبی واقف تھا اور پھر ایک بڑے میدان میں اگناس کی سزا کے تین دور ترتیب دیئے گئے۔ نیزہ باز اور بھوکا ہاتھی اگناس کو زیر نہ کر سکے تو اُس نے دخل اندازی کی اور طاآس سے کہا کہ وہ اپنی پُراسرار قوتوں سے اگناس کو ہلاک کردے، جھوٹے خدا کی پول کھل گئی اور اُس نے اگناس کو حکم دیا کہ طاآس کو ہلاک کردے یوں طاآس کا قصّہ پاک ہوا۔ البتہ طاآس کی تمام بیویاں اُس کے حصّے میں آگئی تھیں اور وہ گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ان عورتوں کو سنبھالنا اُس کے بس کی بات نہیں تھی۔ سمندر میں کئی دن گزار کر وہ ایک جزیرے میں جا نکلا جہاں آگ روشن تھی اور جب درختوں کے جلتے ہوئے جہنم سے حرارت حاصل کر کے وہ دوسری طرف نکلا تو لاکھوں سیاہ فام آگ سے برآمد ہونے والے کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے اسے بونیکا کہہ کر پکارا اور اُسے بوڑھے آشوشا کے پاس لے چلے جو ایک پُراسرار انسان تھا اور جس نے آگ سے نکلنے والے کی پیش گوئی کی تھی وہ بوڑھے آشوشا سے ملا اور اُس کے طلسم کا قائل ہوگیا۔ بوڑھا ایک عظیم سائنسدان تھا۔ اُس نے جڑی بوٹیوں سے طویل عمر کا راز پایا تھا۔ وہ ستارہ شناسی کا ماہر تھا لیکن اُسے جوانی کی حسرت تھی وہ بھی بونیکا کی طرح جوان ہونا چاہتا تھا بستی والے آگ سے برآمد ہونے والے کا بہت احترام کرتے تھے کنواریاں اُس کے قرب کی خواہشمند تھیں، اور اُس نے اس بستی کو خوش حال بنانے میں اپنی تمام صلاحیتیں صرف کردیں یہاں تک کہ بستی کی زمینیں اناج اگلنے لگیں درختوں نے پھل دینا شروع کر دیئے اور بستی خوش حال ہوگئی تب اُس نے بوڑھے سے علم نجوم سیکھا جسم کو تر و تازہ رکھنے کے لئے جڑی بوٹیوں کے راز سیکھے اور اس کے عوض بوڑھے کو جوانی کا راز بتانے کا وعدہ کیا۔ وہ بوڑھے کے ساتھ سمندر کی تہہ میں رہا اور پھر بوڑھے کو اپنے آپ میں تازگی محسوس ہوئی۔ پھر وہ طویل عرصے برف میں دفن رہا اور اس کے بال سیاہ ہوگئے۔ آشوشا جوانی حاصل کرنے کی خوشی سے سرشار تھا۔ آخری مرحلہ آگ کا تھا لیکن۔ آگ نے اُسے خود پر برتری نہ حاصل کرنے دی اور آشوشا پہلے ایک چنگاری اور پھر راکھ بن گیا۔ یوں آشوشا کی کہانی ختم ہوئی آشوشا کی موت سے وہ بددل ہوگیا۔ گو بستی کے لوگ اب بھی اُس سے محبت کرتے تھے لیکن ایک رات اُس نے بستی چھوڑ دی! اور آشوشا کے نوادرات لے کر اُن غاروں میں آگیا جو اُس نے اپنی طویل نیند کے لئے منتخب کئے تھے۔ یہاں اُس نے وہ نظام قائم کیا جسے پروفیسر خاور اور اُس کی لڑکیوں نے دیکھا تھا اپنا انتظامات مکمل کر کے وہ گہری نیند سو گیا۔ اُس وقت تک کے لئے جب دنیا تہذیب کے دور میں داخل ہو گی اور جب وہ جاگا تو تہذیب کا دور شروع ہوچکا تھا۔ وہ تہذیب کے گہوارے مصر میں داخل ہوا جہاں اس وقت فرعون چہارم راعموس حکمراں تھا۔ اُس کی پہلی ملاقات بستی کے چرواہے تارخ سے ہوئی جس نے اپنی دونوں بیٹیاں حکیبدا اور ساڈل اُس کے حوالے کر دیں یہاں رہ کر اُس نے مصریوں کی تاریخ معلوم کی اور پھر ایک مخصوص مدت کے بعد وہ فرعون کے دربار کی طرف چل پڑا۔ تب اُس کا گزر ایک خاموش بستی سے ہوا جس کے لوگ دہشت سے گھروں میں بند تھے صرف ایک مکان ایسا تھا جس سے بدمست قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ یہ فرعون کے سپاہی تھے جنھوں نے بستی کی نوجوان لڑکیوں کو پکڑ وا کر محفل عشرت سجا رکھی تھی۔ اُس نے ایک سپاہی کو قتل کر دیا اور پھر سپاہی اُسے فرعون کے دارالحکومت لے گئے جہاں اُس نے خود کو فرعون کا نمائندہ کہا لیکن کاہن اعظم سالموس نے مکاری سے اُسے سانپوں کے غار میں ڈال دیا جہاں بے شمار سانپ اُس کے بدن سے آلپٹے۔

لیکن وہ اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ کاہن اعظم سخت خوفزدہ ہوگیا تھا۔ اُس نے اس سے معافی طلب کی۔ اور پھر اس کے لئے عیش و عشرت کا سامان فراہم کیا۔ لیکن بوڑھا شیطان بھی کم نہیں تھا اس نے اُسے قتل کرنے کی کئی سازشیں کیں اور ان میں ناکام ہوکر خود کو اس کے سامنے عریاں کر دیا۔ وہ راعموس کے خلاف سازش کر کے تیسرے خاندان کو برسرِ اقتدار لانا چاہتا تھا جس کا وہ فرد تھا اور اس کے لئے اُس نے بڑی خطرناک سازش کی تھی، اگیسی راعموس کی ملکہ اپنے سوتیلے بیٹے سے عشق کرتی تھی اور آکاس سالموس یعنی کاہنِ اعظم کے خاندان سے تھا چنانچہ اگیسی نے اس کی مدد چاہی اور اپنا جسم اسے پیش کر دیا اور پھر تمام سازش کامیاب رہی۔ اگیسی نے چالاکی سے راعموس کو زہر دلوا دیا اور اس کی موت کا الزام ایک کنیز کے سر رکھ کر اسے قتل کرا دیا۔ پھر آکاس کے سوا اور کون فرعون بن سکتا تھا۔ لیکن وہ ہوا جس کی توقع نہ مجھے تھی اور نہ کاہن اعظم کو۔ گویا شکاری خود شکار ہوگیا۔ اگیسی نے راز کی حفاظت کی خاطر کاہن اعظم کو بھی زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

اپنے دوست کی موت پر مجھے بہت غصّہ آیا تب میں نے اگیسی اور آکاس کو بہت ... انھیں بتایا کہ راعموس کون تھا۔ تب ان دونوں نے اظہارِ افسوس کیا لیکن اگیسی شیطان کی خالہ کہ وہ کسی کی وفادار نہیں تھی اس نے مجھے پیشکش کی کہ آج بھی میں اس کا شوہر بننا پسند کروں تو وہ آکاس کو بھی اس کے باپ پہنچا دے جو چلے گئے ہیں۔ لیکن میں نے اقرار نہ کیا اور اس نے مجھے ہی ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی اور میری قوت تسلیم کر لی۔ میں نے بھی انھیں معاف کر دیا۔ یوں میں نے صدیاں گذاریں نیل کے کنارے اور پھر تہذیب کے دوسرے گہوارے بابل نینوا کی طرف چل پڑا۔ یہاں میری ملاقات عشتار سے ہوئی جو مین پال کا انتظار کر رہی تھی کہ اپنے بھائی کی موت کا انتقام لے اس سے مل کر اشیری سے۔ اور یہ بھیڑیا نما عورت مجھے بہت پسند آئی اور میں جہاں سکے جمانا چاہوں وہاں کون میرا راستہ روک سکتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک روز پہاڑوں میں مین پال نظر آیا جو بڑا مغرور تھا۔ لیکن مجھ سے زیادہ نہیں تو میں اس کے سامنے پہنچ گیا قاصد بن کر۔

اور اب آگے پڑھیئے

"بعل کی موت اور اس کی شکست ایک حقیقت ہے۔ اربیلا کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی ہے اور عشتار مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ پہاڑوں میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ وہ تیری منتظر تھی اور اسے یقین تھا کہ تو اپنے دوست کی موت کی کہانی سن کر ضرور ادھر کا رُخ کرے گا۔ تو وہ دن رات تیری راہ پر آنکھیں لگائے ہوئے تھی۔ لیکن اس کے ساتھیوں کی تعداد اس قدر کم ہے کہ جب اُس نے تیرا لشکرِ عظیم دیکھا تو دہشت سے چٹانوں کی آڑ میں چلی گئی کہ مبادا احشری کے لشکری نہ ہوں۔ جو راہ کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ صرف میں تھا جو تیرے سامنے آنے کی جرأت کر سکتا تھا، سو میں چلا آیا۔!

"آہ۔ بعل میرے دوست۔ تیری موت کی کہانی سن کر میں اپنا جلال بھول چکا ہوں۔ میں نے تیری لاف گزاف بھی نظر انداز کر دی (یعنی) کہ مجھے اپنے دوست کی موت کا صدمہ تھا۔ ہاں وہ نیک تھا اور اس کی تعلیمات مجھے متاثر کرتی تھیں۔ کہاں ہے عشتار، اسے میرے سامنے لا۔ اور اس سے کہہ کہ وہ خوف نہ کرے۔ مِن پال انتقام لینا جانتا ہے اور وہ دیکھے گی کہ اس نے بعل کے لہو کی ایک ایک بوند کا حساب لیا ہے۔ جا اے عشتار کے قاصد، اس سے کہہ کہ مِن پال اس کی مدد کو آگیا ہے۔ اور وہ مہربان ہے اپنے دوست کی بہن پر کہ اس نے اس کے چرب زبان قاصد کو گستاخی کی سزا نہیں دی ہے۔ واپس جا قاصد۔۔۔ اور اسے ہمارے سامنے لے آ۔!"

"طاقت کے نشے میں ڈوبے ہوئے بے وقوف کی بکواس تھی پروفیسر۔ ورنہ میرا ایک تھپڑ اُسے زندگی کی آخری سانس لینے پر مجبور کر دیتا لیکن میں طیش میں آنے والا نوجوان نہ تھا، بلکہ صدیوں کا تجربے کار تھا۔ سو میں نے دل میں سوچا کہ اے بے وقوف، کچھ عرصہ کے بعد تو خود میری بڑائی کا اعتراف کرے گا۔ جلدی کیا ہے۔ تجھے اس احمقانہ گفتگو کی فوری سزا دینے کا مطلب یہ ہے کہ عشتار کی مہم ناکام ہو جائے۔ اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میری پسندیدہ لڑکی، میرے خلاف بدگمانی کا شکار ہو۔"

چنانچہ میں نے مسکراتے ہوئے اپنے گھوڑے کا رُخ موڑا اور واپس چل پڑا البتہ میں نے اپنے کانوں میں چند بڑبڑاہٹیں سنی تھیں جو کچھ اس قسم کی تھیں۔

"بڑا ہی گستاخ ہے یہ شخص"

"نوسکو کی قسم اگر مِن پال اس پر مہربان نہ ہوتا تو پھر اس کی دھجیاں بکھیر دیتے"

"دیکھو کس طرح پشت کر کے جا رہا ہے"

"اور وہ گھوڑے سے بھی نہیں اُترا۔!"

"صرف یہی الفاظ میرے کانوں تک آئے تھے۔ اس کے بعد میرا گھوڑا آواز وں کی حدود سے نکل گیا۔ میں مسکراتا ہوا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ مغرور مِن پال اپنے لشکر پر نازاں تھا۔ اس سے پہلے والے بھی اپنی طاقت کے بجائے دوسروں کی طاقت کے بل پر اکڑتے رہے تھے اور بالآخر فنا ہو گئے تھے۔ لیکن میں اپنی ذات میں ایک لشکر تھا۔ اس لئے میں ان سے عظیم تھا۔ لیکن اس وقت میں عشتار سے وعدہ کر کے لوٹا تھا کہ میں اس کے قاصد کے فرائض انجام دوں گا۔ اس لئے میں نے اپنی شخصیت پس پشت ڈال دی تھی۔۔۔!"

برق رفتار گھوڑا پہاڑیوں کی بلندیاں ناپتا رہا اور تھوڑی دیر کے بعد میں منتظر عشتار کے پاس پہنچ گیا۔ جو اپنے گھوڑے کی پشت پر سوار بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔

میرے قریب پہنچنے سے قبل وہ اپنا گھوڑا آگے بڑھا لائی اور بے چینی سے بولی۔ "کیا خبر لایا اے سنہرے انسان، جلدی بتا کیا وہ دوستوں کا لشکر ہے۔ یا اس کے گھوڑے ان پہاڑیوں کی طرف بڑھ رہے ہیں۔؟"

"وہ مِن پال ہے عشتار۔ اور تیرا منتظر ہے۔" میں نے سادگی سے جواب دیا اور عشتار کا چہرہ گلزار ہو گیا۔ چند ساعت وہ وفورِ انبساط سے میری شکل دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں سے ایسا ہی اظہار ہو رہا تھا کہ اگر اُسے اپنے وقار، اپنی قسم کا احساس نہ ہوتا تو وہ بے ساختہ مجھ سے لپٹ جاتی۔ تاثر کی منازل تو طے ہو چکی تھیں پروفیسر۔ صرف ایک آن تھی، ایک قسم تھی، جو اسے میرے قریب آنے سے روک رہی تھی۔ ورنہ۔۔۔ یہ وحشی حسینہ۔ جو مجھے قدیم دور کی یاد دلاتی تھی۔ میری آغوش میں ہوتی۔"

پھر اس نے اپنے لوگوں کی طرف رُخ کر کے کہا۔ "اے لوگو۔ چلو۔ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ وہ آگیا ہے۔ احشری کا قاتل آگیا ہے۔ چشم تصور سے دیکھ لو۔ آذر تو موت کا مسکن بنا ہوا ہے۔ احشری کی ناپاک لاش اس کے شہر کی گلیوں میں سڑ رہی ہے۔ ہاں یہ عشتار کی پیشین گوئی ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ ایسا ہی ہوگا۔!

اور اس کے ساتھی خوشی کے نعرے لگانے لگے۔ وہ سب اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے، اور عشتار میرے ساتھ ساتھ اپنے گھوڑے پر آگے بڑھنے لگی۔ باقی لوگ اس سے دو گھوڑوں کے فاصلے کے برابر پیچھے چل رہے تھے۔ صرف میرا گھوڑا تھا جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ تب راستے میں اس نے خوشی سے لرزتی آواز میں کہا "تو نے اُس سے کیا گفتگو کی سنہری بدن والے۔ تو نے کون سے الفاظ میں ہمارا پیغام اس تک پہنچایا؟ اور اس نے اس کے جواب میں کیا کہا، ہمیں بتا۔؟"

"عام انسانوں کی مانند وہ بھی ایک مغرور شخص ہے۔ اس کے سپاہی ناراض ہوئے اس بات پر کہ میں نے گھوڑے سے اتر کر اس کی تعظیم نہیں کی لیکن عشتار، میں دوستوں سے محبت تو کر سکتا ہوں۔ سرکشوں کی تعظیم نہیں کر سکتا کہ یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے۔ میں نے اسے یہ بات بتا دی۔ شاید وہ میری باتوں پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا، لیکن شکر ہے اس نے یا اس کے کسی آدمی نے ان باتوں کو آزمانے کی کوشش نہیں۔ بالآخر میں نے بھی اُسے ایک عام انسان سمجھ کر معاف کر دیا، مجھے تیرا خیال تھا۔ پھر میں نے اُسے تیرا پیغام دیا اور وہ کسی قدر نرم ہو گیا۔ اُس نے بے چینی سے اپنے دوست کی موت کا قصہ سنا اور پھر تجھے بلا بھیجا۔"

عشتار پریشان نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میرے خاموش ہونے پر اس نے سکون کی سانس لی لیکن اس کے باوجود اس کے ذہن میں الجھنیں نمایاں تھیں۔ اُسے شاید میری شمولیت سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ میں فاتح ہوں اور جھکنے والوں میں نہیں ہوں۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ میں مِن پال کے لئے بھی مصیبت بن سکتا ہوں۔ اور وہ اپنی قوت بھول جائے گا لیکن وہ مجھے جھکانا بھی نہیں

جانتی تھی۔
ہم پہاڑوں سے اترتے رہے۔ تب وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"طاقت کے دیوتا۔ کیا میں تجھ سے ایک درخواست کرنے کا حق رکھتی ہوں؟"

"ضرور۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آخر کیوں۔۔۔؟ تو نے مجھے یہ حق کیوں دیا ہے۔۔۔؟" اس نے میری نگاہوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"کیونکہ تو میری پسندیدہ عورت ہے۔"

"اگر تو مجھے پسند کرتا ہے تو اب تک تو نے بزور طاقت مجھے حاصل کیوں نہیں کر لیا۔ تجھے تنہائیاں بھی نصیب ہوئیں، میں اپنے لوگوں سے دور بھی تیرے ساتھ رہی، میں کمزور عورت، تجھے کیسے روک سکتی تھی۔"

"حسن کی رضامندی میری فطرت میں شامل ہے۔ میں نے کسی عورت پر آج تک جبر نہیں کیا۔"

"اگر میں رضامند ہو جاؤں تو تو مجھے اپنا لے گا۔۔۔؟ ہاں یہ میری آرزو ہے۔ میں۔۔۔ دل کی گہرائیوں سے تجھے چاہنے لگی ______ ہوں۔ حسن کسی مرد کی مجال نہیں ہے کہ وہ میرے بدن کی طرف بری نظر اٹھائے۔ میرے لوگ مجھے دیوی کی حیثیت دیتے ہیں لیکن حسن، میں تیری آغوش کی آرزومند ہوں۔ میں اپنا سب کچھ تیرے حوالے کر دینا چاہتی ہوں۔۔۔ اور یہ بھی سن کہ مجھے حکمرانی کی ہوس نہیں ہے۔ لیکن بعل کی موت کا انتقام، میری زندگی کا مقصد ہے۔ اور جس وقت یہ مقصد پورا ہو جاتا میں خوشی سے جان دے دیتی لیکن اب میرے دل میں ایک اور آرزو پیدا ہو گئی ہے اور یہ آرزو مجھے بعل کے انتقام کے بعد بھی زندہ رکھے گی۔ اور وہ آرزو تو تیری ہے۔ ہاں اس کے بعد کی زندگی، تیرے لئے ہو گی میں تیری آغوش میں مرنا پسند کروں گی لیکن میرے محبوب۔۔۔ میری قسم پوری کرنے میں میری مدد کر۔۔۔ مین پال مغرور ہے اس کا غرور قائم رہنے دے۔ میری لئے اس کی برتری تسلیم کرے۔ گو تو اس سے عظیم ہے۔ اسے میرا دوست رہنے دے۔"

میں پہلے ہی عشتار کی گفتگو کا مقصد سمجھ گیا تھا لیکن عشتار کے جسم کی قیمت اس قدر بھی نہیں تھی کہ میں، صدیوں کا بیٹا کسی انسان کی تعظیم کرتا! اسے خود سے برتر مان لیتا۔ ہاں۔ اس کے دوسرے ذرائع ہو سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے عشتار سے کہا

"تب تو مجھے اپنی فوجوں کے سب سے عقبی حصے میں چلا جانے دے اور جس وقت تو اور تیرا لشکر مین پال کی تعظیم کر رہا ہو۔ میں کسی چٹان کی آڑ میں پوشیدہ رہوں، اور جب تعظیم ختم ہو جائے تب سامنے آؤں اور خاموشی سے فوجوں میں شامل ہو جاؤں اور پھر اس وقت تک سامنے نہ آؤں، جب تک تو اپنا مقصد حاصل کر لے۔ یہی مجھ سے ممکن ہے عشتار، اور اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔"

"اگر تو اس پر بضد ہے تو یہی سہی، لیکن ان دنوں تو اپنے دل پر میل نہ لائے گا۔ میں تجھ سے اقرار محبت کر چکی ہوں اور تو سمجھتا ہے کہ تیرے دل کا میل مجھے گوارہ نہ ہو گا!"

"ہاں۔ تیرے اس اقرار سے مجھے مسرت ہوئی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ مشن میں رکاوٹ نہ بنوں۔" میں نے کہا۔ ہم پہاڑ کے دامن میں پہنچ چکے تھے اور اب مین پال کا لشکر ہمارے سامنے تھا۔ ان لوگوں نے بھی ہمیں پہاڑ سے اترتے دیکھ لیا تھا۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ دوسرے لوگوں نے مجھے جگہ دے دی تھی۔ وہ میری بے پناہ طاقت کا احترام کرنے لگے تھے، ایک طرح سے زلزلے کے بعد غار سے میں نے ہی ان کی زندگی بچائی تھی، ورنہ وہ مایوس ہو چکے تھے۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد میں لشکر کے آخری سپاہی سے بھی بہت پیچھے رہ گیا۔ یہاں سے میں ان لوگوں کی گفتگو نہیں سن سکتا تھا، تاہم انہیں دیکھ سکتا تھا لشکر مین پال کے سیل عظیم کے نزدیک پہنچتا جا رہا تھا۔ میں نے ایک ایسی چٹان منتخب کر لی تھی جہاں میں رک جاؤں اور ان لوگوں کا نظارہ کر سکوں۔ بالآخر لشکر مین پال کے قریب پہنچ گیا۔ عشتار گھوڑے سے اتر گئی اور اس کے ساتھ ہی تمام لشکری بھی اتر کر اس کے سامنے جھک گئے تھے۔ ہوائیں میری طرف چل رہی تھیں۔ اس لئے لشکریوں کی آوازیں کسی قدر میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں چنانچہ مین پال کی آواز سنی۔!

"ہمیں افسوس ہے ہمارے دوست کی بہن، کہ ہم اس وقت تیرے سامنے آئے، جب تو مصیبتوں کا دور جھیل چکی ہمیں اپنی کوتاہی کا احساس ہے، اور یقیناً ہم تیرے سامنے شرمندہ ہیں کہ ہم بروقت اپنے دوست کی مدد کو نہ پہنچے۔ آہ۔۔۔ یقین کر۔۔۔ جس وقت ہمارے کانوں میں بعل کی موت کی خبر پہنچی تو ہمارے ہاتھ سے شراب کا جام چھوٹ گیا۔ ہم نے کہا یہ کیسے ممکن ہے لیکن اطلاع دینے والے نے کہا یہ بالکل حقیقت ہے۔ تب ہم نے اس منحوس اطلاع دینے والے کا سر اپنے خنجر سے اتار دیا اور شراب کا جام اس کے خون سے بھر کر کہا۔ کہ اس وقت تک شراب ہم پر حرام ہے جب تک ہم بعل کی موت کا بھرپور انتقام نہ لے لیں۔ ایسا انتقام جو ہمارے خون کی حدت سرد کر دے۔"

بڑی خوفناک قسم تھی پروفیسر۔ اس سنگدل انسان کے چہرے سے ہی میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اسے کر دکھائے گا۔

عشتار سیدھی کھڑی تھی نہ جانے اس کے چہرے پر کیسے تاثرات تھے۔ پھر میں نے عشتار کی آواز سنی۔!

"عظیم مین پال، میں صرف تیرے انتظار میں زندہ تھی۔ ہاں۔ ورنہ اربیلا کے خون آشام مناظر دیکھنے کے بعد زندگی سے کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ جاتی ہاں اگر تو میرے ذہن میں نہ ہوتا تو میں خود کو بے بس سمجھ کر موت کی آغوش اپنا لیتی۔ لیکن میں نے اپنی پشت پر تیرے ہاتھ کا وزن محسوس کیا۔ میں نے اپنے دل سے سوال کیا تو اس نے کہا کہ بعل کی موت رائیگاں نہیں جائے گی۔ ابھی مین پال زندہ ہے تب میں نے بعل کی لاش پر کھڑے ہو کر قسم کھائی۔ اور وہ قسم یہ تھی۔ میں بعل کے سرخ لہو کے عوض۔۔۔ اشفیری کی لاش آذر تو کی گلیوں میں گھسیٹوں گی اور پھر اس

پر سیاہ رنگ کے غلیظ کتے چھوڑ دوں گی، اور جس وقت تک ایسا نہ کرلوں گی، زندگی کے تعیشات مجھ پر حرام ہیں، میں کوئی ایسا کام نہ کروں گی جو میرے لئے لذت آمیز ہو۔ اور جس کا تعلق صرف میری ذات سے ہو۔ میں اپنی جوانی کے تقاضے بھی پورے نہ کروں گی، کسی مرد کی آغوش نہیں اپناؤں گی اور اگر میں انتقام نہ لے سکی، اور جس وقت خود کو بے بس تصور کیا، تو اطمینان سے کسی پہاڑ کی بلند چوٹی سے نیچے چھلانگ لگادوں گی!"

مین پال عشتار کے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور اس نے کہا

"لیکن اب تو بے بس نہیں ہے عشتار۔ تیرے ساتھ مین پال کا عظیم لشکر ہے، کون ہے جو اس لشکر کے سامنے قدم جما سکے۔ تو سمجھ لے کہ تیری قسم پوری ہو گئی۔"

"مقدس مین پال عظیم ہے۔ اور احیشری کی موت برحق" عشتار لرزتی آواز میں بولی۔ اور پھر اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار ہو گئے! تب میں نے اپنا گھوڑا احتیاط سے چٹان کی آڑ سے نکالا۔ اور فوج میں شامل ہو گیا۔ بلاشبہ مجھے کوئی نہ دیکھ سکا تھا۔

"نیرادہ قاصد کہاں ہے عشتار۔ جو بے حد بے باک۔ اور انوکھی شخصیت کا مالک تھا!" مین پال نے سب سے نازک سوال کر لیا۔ یقیناً عشتار کے چہرے پر اضطراب کے آثار پھیل گئے ہوں گے۔

"وہ موجود ہے مین پال۔"

"وہ کون ہے۔ کیا اربیلا کا باشندہ ہے؟ وہ ہمارا پسندیدہ شخص ہے مگر وہ ہمیں نظر نہیں آیا۔؟" مین پال نے گردن اٹھاتے ہوئے کہا

"وہ اربیلا کا باشندہ نہیں ہے مین پال لیکن بلا کا بہادر۔ اور بے حد وفادار ہے۔ تو اس کی شخصیت کو بالکل منفرد پائے گا۔" عشتار نے کہا۔

"یقیناً اس نے ہماری تعظیم نہیں کی تھی۔ وہ خود کو ناقابلِ تسخیر سمجھتا ہے اس نے کہا تھا کہ اگر ہمارا لشکر اس پر حملہ کردے تو وہ سورج چھپنے تک ان میں سے آدھوں کو قتل کر دے گا، کچھ بھی ہو عشتار ہمیں اس کی یہ دلیرانہ گفتگو پسند آئی ہے۔ بذاتِ خود وہ کچھ بھی ہو لیکن وہ ہماری آنکھوں میں بیباکی سے آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے والا پہلا شخص ہے مگر وہ ہے کہاں؟" ایک بار پھر اس نے گردن اٹھا کر مجھے تلاش کیا، اور میں گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"آہا۔۔۔ مین پال نے تمسخرانہ نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔" احیشری کے لشکر کے کتنے حصے کو تو نے اپنے لئے مخصوص کیا ہے جیالے؟"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر میں نے سادہ سے لہجے میں بولا "میں قتل کرتے وقت گنتی نہیں کرتا سردار۔ ہاں میرے کشتوں کے انبار اتنے عظیم ہوتے ہیں کہ ان کی گنتی ناممکن ہے۔"

"خوب۔ خوب"! مین پال ہنس پڑا۔ میں اس کے انداز کو محسوس کر رہا تھا۔ لیکن میں گرم خون والا نوجوان نہیں تھا کہ اس کے انداز سے سیخ پا ہو جاتا اور کوئی اقدام کر بیٹھتا، ہاں عام حالات میں، میں نے اس سے جو کچھ کہا تھا، اس کا عملی تجربہ بھی پیش کر دیتا لیکن عشتار کی درخواست بھی سامنے تھی۔ اس لئے مسکرا کر رہ گیا

چنانچہ مین پال عشتار کی طرف متوجہ ہو گیا "میرے دوست کی نوجوان اور خوبصورت بہن۔ اگر تو میری منتظر تھی تو میں آگیا ہوں اور دیکھ میرے ساتھ لشکرِ عظیم ہے۔ میں احیشری کی قوم کو فنا کر دوں گا، میں اسے ایسی سزا دوں گا جو ایک مثال بن جائے گی۔ ہمیں صلاح و مشورے کرنا ہیں چنانچہ کیوں نہ پہاڑوں کے اس طرف میدان میں ہم خیمہ زن ہو جائیں۔ اور اس کے بعد آگے بڑھیں۔"

"میرے مٹھی بھر نوجوان۔ جن کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ گو مین پال کے عظیم لشکریوں جیسے نہیں ہیں۔ تاہم انہیں بھی لشکر میں شامل کر کے ان کی عزت افزائی کیجائے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم نے انہیں خود میں شامل کر لیا۔"

"چنانچہ میں بھی کنیز ہوں۔ مجھ سے مشورہ نہ لیا جائے۔ بلکہ مجھے حکم دیا جائے"

"اوہ۔ نہیں عشتار۔ تو کنیز نہیں ہے۔ ہمارے دوست کی بہن ہے۔ ایک حسین شہزادی ہے۔ ہم تیری عزت شہزادیوں کی طرح کریں گے۔ تیرا خیمہ ہمارے خیمے کے نزدیک ہوگا۔" مین پال نے کہا۔

اور پروفیسر۔۔۔ میں نے اس ادھیڑ عمر کے قوی ہیکل بوڑھے کی آنکھوں میں ایک عجیب کیفیت دیکھی۔ شاید اب وہ صرف اپنے دوست کا انتقام لینے کے لئے عشتار کی مدد نہیں کر رہا تھا، بلکہ خود عشتار کا قرب اس کی توجہ حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ ایک دلچسپ صورتِ حال پیدا ہو گئی تھی۔ عشتار مجھے بھی پسند تھی اور اس بوڑھے جلاد کو بھی۔ لیکن دیکھنا یہ تھا کہ خود عشتار کیا فیصلہ کرتی ہے۔

اگر اس بوڑھے کے حق میں بھی فیصلہ کرتی تو مجھے کوئی خاص اعتراض نہیں تھا یہ اس کا اپنا فعل ہوتا، ہاں میں اپنی دلچسپیوں کے بارے میں غور کرتا کہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ رہنا چاہیئے۔ یا یہاں سے آگے بڑھ جانا چاہیئے۔ کیونکہ بہرحال میں عشتار کے ہمدردوں اور وفاداروں میں سے نہ تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ عشتار جو مجھ سے محبت کا اقرار کر چکی ہے۔ اگر مصلحت کے تحت خود کو بوڑھے مین پال کے حوالے کر دیتی ہے۔ تو میں اسے اس کے دعوے کا احساس دلاؤنگا اور پھر ان لوگوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاؤں گا! اور اگر معاملات کوئی دوسرا رُخ اختیار کرتے ہیں تو وہ میرے لئے دلچسپ ہوں گے، بوڑھے مین پال کو قتل کرنے میں مجھے کوئی تکلف نہیں تھا۔!

لشکر آگے بڑھتا رہا! یہاں میری حیثیت میں ایک نمایاں تبدیلی تھی۔ اس لشکر میں میری کوئی اہمیت نہیں تھی۔ میں ایک معمولی سپاہی سے زیادہ کچھ نہ تھا اور پروفیسر مجھے زندگی کا یہ نیا پن پسند آرہا تھا۔ دوسرے سپاہیوں کی مانند میں بھی چلتا رہا اور ہم ایک طویل و عریض میدان میں پہنچ گئے۔ مین پال کا لشکر ہر ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ عشتار کے آدمیوں کو ان میں تقسیم کر دیا گیا۔ اور بعض خیموں میں دو دو آدمی گذارہ کرنے لگے۔ درمیان میں عشتار اور مین پال کا خیمہ تھا۔ عشتار اس دوران مین پال کے ساتھ رہی تھی۔ اور بظاہر میری طرف متوجہ بھی نہیں تھی میں بھی مین پال کے ایک عام سپاہی کے ساتھ ایک خیمے میں فروکش ہو گیا۔ میرا ساتھی درمیانی عمر کا ایک آدمی تھا۔ تندرست و توانا اور جنگجو۔! میدان میں شام ہو گئی مین پال

کے لشکری کھانے پکانے کی تیاری کرنے لگے۔ مین بھی ان کے ساتھ مصروف تھا۔ پھر میں نے اور میرے ساتھی نے ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔

میرا ساتھی جس کا نام الوآ تھا بار بار میری طرف دلچسپ نگاہوں سے دیکھنے لگتا تھا۔ کھانے کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تو تم بھی ان شکست خوردہ لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اجیتری سے شکست کھائی ہے۔؟"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر بعل کے لشکر میں، میں شامل ہوتا تو اسے شکست نہ ہوتی۔"

"خوب۔ میں نے تمہاری باتیں اس وقت بھی سنی تھیں جب تم پہلی بار قاصد کی حیثیت سے آئے تھے، تمہارے جسم کا رنگ عجیب ہے؟"

"ہاں۔ میری فطرت بھی عجیب ہے۔" میں نے کہا

"کیا تم کسی نمایاں خصوصیت کے حامل ہو۔؟"

"یقیناً۔"

"کیا تم بے حد طاقتور ہو جیسا کہ تمہارے جسم سے ظاہر ہے۔؟"

"تمہارا خیال درست ہے۔"

"تب تم صبح کی ورزش میں بہلوم کو للکار دینا، تاکہ تمہارے ذہن سے یہ خیال ہمیشہ کے لئے نکل جائے۔" بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا اس کے لہجے میں اور چہرے پر مضحکہ اڑانے والی مسکراہٹ تھی۔ لیکن میں نے سکون سے اس کے الفاظ سُنے۔ اور پھر اسی سکون سے پوچھا۔

"بہلوم کون ہے؟"

"پہاڑ۔ پورے لشکر میں اس سے زیادہ مضبوط نوجوان نہیں ہے۔ وہ بیک وقت آٹھ آدمیوں کو پچھاڑ دیتا ہے۔"

"تو بوڑھے۔ تم میری طرف سے بہلوم کو اس کی شکست کا پیغام دے دینا۔"

"اپنی بات کے ذمّہ دار تم خود ہو گے۔" بوڑھے نے کہا

"اور بہلوم کی موت کے ذمّہ دار تم۔" میں نے جواب دیا

"خوب خوب۔ ویسے تمہاری باتیں دلچسپ ہوتی ہیں۔ بہلوم کی ایک بری عادت ہے۔ وہ اس شخص کو زندہ نہیں چھوڑتا جو اسے للکارنے کی جرأت کرے، ہاں اس وقت وہ مجبور ہوتا ہے، جب مین پال اسے حکم دے۔ تاہم کل کی صبح میں تمہاری اجازت سے تمہارا نام پکار دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ اور دل میں سوچا کہ کچھ تو تفریح رہے عشتار تو میرے بارے میں بخوبی جانتی ہے لیکن مین پال کو بھی تو کچھ معلوم ہونا چاہیئے۔

لیکن اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں ایک اور خواہش جاگی۔ کیا میں عشتار اور مین پال کی گفتگو نہ سنوں۔ دیکھوں تو سہی عشتار مین پال کی دوستی کی کیا قیمت ادا کر رہی ہے۔ اور اگر انتقام کی آگ میں جل مرنے کے لئے مجھ سے کئے ہوئے وعدے سے پھر گئی اور اس نے خود کو مین پال کی آغوش میں دے دیا ہے تو۔۔۔ پھر ان دونوں کی موت واجب ہے۔"

ہاں پروفیسر۔۔۔ پہلی بار میرے دل میں رقابت کے جذبات پیدا ہوئے تھے نہ جانے یہ تبدیلی میرے اندر کیوں آئی تھی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ یہاں عشتار کے علاوہ کوئی دوسری عورت نہیں تھی اور بہرحال عشتار ایک بھرپور عورت تھی جو مجھے پتھروں کے دور کی لڑکیوں کی یاد دلاتی تھی۔

چنانچہ جب میرا ساتھی لیٹ گیا اور اس کے حلق سے کٹے ہوئے بکرے کی سی آوازیں ابلنے لگیں تو میں خاموشی سے باہر نکل آیا۔ ماحول پُرسکوت تھا۔ مین پال کے لشکری، خیموں کے بیرونی حصّوں پر پہرہ دے رہے تھے۔ اندرونی حصار میں پہرے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔

چنانچہ مجھے مین پال کے خیمے تک کا راستہ طے کرنے میں کوئی دقّت نہ ہوئی یوں بھی اندھیری رات تھی۔ مین پال کے خیمے کا دروازہ بندھا ہوا تھا۔ اس میں تاریکی تھی لیکن اس کے نزدیک ہی عشتار کے خیمے سے روشنی چھن رہی تھی اور اندر سے گفتگو کی آواز سنائی دے رہی تھیں۔ اس لئے میں اسی خیمے کی پشت پر پہنچ گیا۔ میں نے خیمے کے عقب میں کوئی ایسا سوراخ تلاش کرنے کی کوشش کی جس سے میں اندر جھانک سکوں لیکن کوئی سوراخ موجود نہ تھا۔ تاہم کپڑے سے بنے ہوئے خیمے میں سوراخ بنالینا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میرے تیز خنجر نے آنکھ کی راہ ہموار کردی اور میں نے اندر کا منظر دیکھا۔

عشتار ایک زرنگار کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور مین پال کی لمبی ستون نما ٹانگیں مجھے قریب ہی نظر آرہی تھیں۔ عشتار کی گردن جھکی ہوئی تھی اور مین پال کہہ رہا تھا۔

"بعل ہمارا گہرا دوست تھا۔ نیکیوں کا شہنشاہ۔ کاش ہم اس سے بے خبر نہ رہتے، کاش وہ زندہ رہتا۔ اگر وہ زندہ ہوتا عشتار تو ہمیں اس سے اپنے دل کا حال کہنے میں عار نہ ہوتا۔ اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ہمارے چہرے پر مایوسی کی شکن دیکھنا کبھی پسند نہ کرتا۔"

عشتار سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"تم نہیں سمجھیں عشتار۔ ہم تمہیں اس وقت سمجھا کر یہ احساس نہیں دلانا چاہتے کہ ہم تمہاری مجبوری سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی فکر میں ہیں۔"

"میں جاننا چاہتی ہوں عظیم مین پال۔" عشتار کی آواز ابھری۔

"ہم قصوروار نہ ہوں گے عشتار، کیونکہ تم نے خود ہمارے دل کا حال جاننے کی کوشش کی ہے۔"

"مجھے تجسّس پیدا ہو گیا ہے مین پال۔ آخر تو کیا کہنا چاہتا ہے۔" عشتار نے کہا

"ہم جب بعل سے جدا ہوئے تھے۔ ہم نے جب آخری بار اسے دیکھا تھا، تو تو بھی ہماری نگاہوں میں آئی تھی عشتار لیکن اس وقت کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جوان ہو کر تو ایسی تباہ کن بن جائے گی۔ ہم تیرے حسن سے بے حد متاثر ہیں عشتار۔ ہم نے تجھے پہلی بار دیکھا تو ہم حیران رہ گئے۔ ہمیں گمان بھی نہ تھا کہ ان پہاڑوں میں لعل بدخشاں پوشیدہ ہے اور پھر ہمارے دل میں تیری محبت پیدا ہو گئی۔ ہم تجھے اپنی ملکہ بنانا چاہتے ہیں عشتار۔ ہم تجھے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

تب میں نے عشتار کی شکل دیکھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بوڑھے مین پال کی شکل دیکھ رہی تھی۔ بھلا اس کا، اور اس بوڑھے کا کیا جوڑ تھا لیکن بادشاہ بوڑھے نہیں ہوتے۔ وہ نوجوان رہتے ہیں اور نوجوان لڑکیوں پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اس لئے مین پال کے ذہن میں بڑھاپے کا گمان بھی نہ تھا۔ پھر عشتار کے چہرے پر الجھن پیدا ہوگئی۔ اور میں اس کی یہ الجھن بخوبی سمجھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت اس کی نگاہوں میں میرا تصور ہے۔ اسے اپنا وعدہ یاد ہے اور وہ بخوبی دیکھ رہی ہے کہ مجھ جیسے سرکش انسان نے صرف اس کے لئے ایک معمولی حیثیت اختیار کر رکھی ہے، جب کہ وہ میری حیثیت سے بخوبی واقف تھی اور پروفیسر۔ جو لڑکی مجھ سے واقف ہوجائے، شاید زندگی بھر دوسرے مرد کا تصور نہ کرے۔!

لیکن اس کے ساتھ ساتھ عشتار کو یہ بھی خیال ہوگا کہ اگر اس نے مین پال سے صاف صاف انکار کر دیا کہ وہ بحیثیت مرد اسے قبول نہیں کر سکتی، تو مین پال اس کی مدد کرنے سے انکار کر دے گا۔ نہ صرف انکار کر سکتا ہے، بلکہ عین ممکن ہے وہ اسے اس دوران میں گرفتار کر کے واپس لوٹ جائے اور اپنی حرم میں ڈال لے، وہ طاقت ور تھا اسے کون روک سکتا تھا۔ چنانچہ میں خوب غور سے عشتار کی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا، اور میرے کان اس کی آواز کا انتظار کرنے لگے۔

تب عشتار کی آواز ابھری۔ "آہ۔ عظیم مین پال۔ کون عورت ہوگی، جو تیری آغوش ناپسند کرے گی، کون تجھ جیسے عظیم شہنشاہ کو ٹھکرانے کی جرأت کرے گی، میں بھی ایک عورت ہوں لیکن بعل کی خون آلود لاش پر کھڑے ہوکر میں نے عہد کیا تھا کہ جب تک اجیشری کی لاش اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں گی، جب تک اس کے خون سے غسل نہ کرلوں گی، اپنے دل کی ہر خواہش کو سلا دوں گی اور اگر کبھی یہ مقدس عہد ٹوٹا تو خنجر اپنے پہلو میں بھونک لوں گی۔ چنانچہ تجھے انتظار کرنا ہوگا مین پال عظیم شہنشاہ میرا عہد پورا ہونے دے، اس وقت میں تجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دوں گی اور اس وقت تو دل کی مراد پا سکے گا، اگر تو مجھے یہ مہلت نہیں دے سکتا تو میں تجھے اجازت دیتی ہوں کہ اپنا خنجر نکال اور میرے پہلو میں اتار دے۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے عشتار۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تیری طلب تو میرے جنون کو تیز کرے گی۔ میں نے تجھ سے یہ کب کہا کہ مجھے تیری شرط منظور نہیں ہے۔" مین پال نے کہا۔ اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ میں سمجھ گیا کہ منہ زور گھوڑا رام ہوگیا ہے۔ اور عشتار کامیابی سے اسے ٹال چکی ہے۔ ہر چند کہ ایک الجھن پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن میں کس لئے تھا، اس وقت جب اجیشری کے لشکر کو شکست ہوجائے گی، اس وقت جب مین پال اپنا حق طلب کرلے گا، تو میں سامنے آؤں گا، اور تب میں اس بوڑھے گدھے کو بتاؤں گا کہ عشتار کا قاصد کیا ہے! ہاں مجھے اطمینان ہوگیا کہ عشتار مجھ سے بدعہدی پر آمادہ نہیں ہے۔ وہ عہد کی پابندی کرے گی کیونکہ وہ مین پال کی محبوبہ ہے۔ اور میں اس کا محبوب ہوں۔! چنانچہ میں جس خاموشی سے یہاں تک آیا تھا اسی خاموشی سے واپس اپنے خیمے میں آگیا۔ کٹا ہوا بکرا ابھی تک چیخ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اسے اس جانکنی سے نجات دلا دوں لیکن پھر میں نے اسے معاف کر دیا۔ کیا فائدہ ایک بے گناہ کی زندگی لے کر اور پھر میں اس کی کریہہ آوازوں کو نظر انداز کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا!

دوسری صبح مجھے میرے ساتھی نے ہی جگایا تھا۔ اور میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ گیا۔ میرا ساتھی مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اور پھر اس نے مخصوص مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"اوہو۔ کیا بات ہے جیالے۔ کیا رات کی تاریکی نے تمہاری امنگوں کو نگل لیا ہے۔ کیا تمہاری عقل نے تمہیں کوئی تیز مشورہ دیا ہے؟"

"کیوں بوڑھے بے وقوف۔ یہ تو نے کیسے تصور کیا۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے تم اس لئے دیر تک سوتے رہے ہو کہ بہلوم کی ورزش کا وقت نکل جائے۔ اور تمہاری جان بچ جائے۔"

"یہ بات نہیں ہے گدھے۔ دراصل تو رات بھر کٹے ہوئے بکرے کی مانند چیختا رہا ہے۔ اس لئے میں دیر سے سو سکا۔" میرے ساتھی نے میری توہین آمیز الفاظ کا برا نہیں مانا۔ اور مسکراتا رہا پھر بولا۔

"تب تیار ہو جا۔ اور میرے ساتھ چل۔ بہلوم اکھاڑے میں آچکا ہوگا، اور ورزش کر رہا ہوگا۔"

میں نے پانی سے ہاتھ منہ دھویا اور پھر اس کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں میں نے ورزش کے بارے میں تفصیل معلوم کی تو بوڑھے نے مجھے بتایا کہ مین پال اپنی فوجوں کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے ان سے ورزش کراتا ہے۔ ایک ایک جتھے کیلئے ایک ایک دن مخصوص ہے کیونکہ اس بے پناہ لشکر کے تمام سپاہی بیک وقت ورزش نہیں کر سکتے، ہاں جو مخصوص لوگ ہیں، وہ روزانہ ورزش کرتے ہیں اور ورزش کرنے والوں کی نگرانی کرتے ہیں، جیسے بہلوم۔"

"خوب۔ کیا خود مین پال اس ورزش کو دیکھتا ہے۔؟"

"بلاناغہ۔ وہ اپنے سپاہیوں کو مستعد دیکھنا چاہتا ہے، اگر وہ خود ان پر نگاہ نہ رکھے تو وہ کاہل ہوجائیں۔ وہ ان کی کمزوری اور کسی تکلیف کا بھرپور ازالہ کرتا ہے۔"

"کیا وہ اکھاڑے میں پہنچ چکا ہوگا۔؟"

"نہ پہنچا ہوگا تو پہنچنے والا ہوگا۔" میرے ساتھی نے جواب دیا اور میں نے گردن ہلا دی۔ دلچسپ صورتحال تھی۔ میرے لئے پسندیدہ۔ اور ہم خیموں کے دوسری طرف میدان میں پہنچ گئے۔ جہاں مین پال کے سپاہی ایک طویل دائرہ بنائے کھڑے تھے اور ان کے درمیان آج کے ورزش کرنے والے جسمانی کمالات دکھا رہے تھے۔ ایک بڑی چوکی ایک طرف بنی ہوئی تھی جس پر فرش بچھے ہوئے تھے۔ یہ چوکی شاید بہت سے لکڑی کے ٹکڑوں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی، ہم اس چوکی کے عقب میں جا کھڑے ہوتے۔ دوسروں لوگوں نے ہمیں راستہ دے دیا تھا۔

تب میں نے گوشت کے پہاڑ بہلوم کو دیکھا۔ درحقیقت جسامت میں وہ پہاڑ تھا لیکن افناس کا عشر عشیر بھی نہیں تھا۔ وہ اکھاڑے کے درمیان وزنی پتھر اٹھائے ورزش کر رہا تھا، دوسرے لوگ بھی مختلف ورزشوں میں مصروف تھے۔

"یہ پتھر جو اس کے ہاتھ میں گھوم رہے ہیں۔ دس آدمی مل کر اٹھا سکتے ہیں

میرے ساتھی نے بتایا۔" اور جس گھوڑے پر بہلوم سفر کرتا ہے اس کی زندگی چند ماہ سے زیادہ نہیں ہوتی، اس کی کمر ناکارہ ہو جاتی ہے تب دوسرا سب سے مضبوط گھوڑا اس کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح بہلوم کی زندگی پر درجنوں گھوڑے کام آ چکے ہیں۔

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس کے کھانڈے کا وزن بھی اتنا ہی ہے۔ اتنا لمبا کھانڈا تم نے اپنی زندگی میں نہ دیکھا ہوگا۔ اور اس کے وار سے بیک وقت کئی آدمی جان دے بیٹھتے ہیں۔" میرا ساتھی اس کی مدح سرائی کر رہا تھا لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ گوشت کے اس پہاڑ میں وہ وقار و دبدبہ بھی نہیں تھا جو افناس میں تھا۔ افناس۔ میری زندگی کا عظیم ترین انسان بے شک نہ بھولنے والی شخصیت، اس کے جسم میں جو بھی طاقت ہو، لیکن اس کے دل میں چھپی ہوئی عظمت اس کے مقابل کو مسحور کر دیتی تھی۔ وہ عظیم انسان بھی تھا اور اس کے برعکس یہ چھچھورا شخص، جو وزنی پتھروں کو گھما کر خود کو دنیا کا سب سے طاقتور انسان سمجھ رہا تھا۔

"کیا خیال ہے جیالے؟ کیا تمھاری رگوں میں دوڑتا ہوا خون رک نہیں گیا؟ کیا تمہیں اپنی بات کی حماقت کا احساس ہوا؟" میرے ساتھی نے سوال کیا اور میں ہنس پڑا۔

"اے بے وقوف انسان۔ کیا اس کی طاقت صرف یہی ہے کہ وہ یہ پتھر گھما رہا ہے۔ اگر تو اسے ہی طاقت سمجھ رہا ہے تو سُن میرے ہاتھ کی قوت اس پتھر کو مٹی میں بدل سکتی ہے اور یہ شخص۔ میں اسے اس طرح مار سکتا ہوں کہ پھر یہ زندگی میں کسی کو للکارنے کی جرأت نہ کرے۔" میرا ساتھی حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگا شاید اسے میری دماغی کیفیت پر شبہ ہونے لگا تھا۔ پھر اس نے مضحکانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہائے رے ہاتے۔ ساتھی بھی ملا تو صرف ایک رات کے لئے، اور وہ بھی ایسا احمق۔ چلو ٹھیک ہے۔ آج تک اکیلا رہا ہوں پھر اکیلا ہو جاؤں گا۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیونکہ اس کی موت کے بعد اس کا خیمہ خالی ہو جائے گا اور وہ مجھے مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔ تو باتوں کا ماہر ہے۔ وہ دیکھ۔ خود مین پال۔ عظیم حکمران اکھاڑے کی سیر کو آگیا ہے۔ آہا اس کے ساتھ عشتار بھی ہے۔ کیسا دکھ ہوگا تیری موت پر عشتار کو۔ آخر اس کا ایک اور آدمی جان دے بیٹھا۔"

اس بار میں نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اور مین پال اور عشتار کو دیکھ رہا تھا، جو پتھر کی چوکی کی طرف آ رہے تھے، پھر وہ دونوں چوکی پر جا کھڑے ہوئے۔ اکھاڑے میں ورزش کرتے ہوئے لوگوں نے گردن جھکا کر اطاعت کا اعلان کیا۔ اور پھر بہلوم پتھر پھینک کر سینہ تانے ہوئے مین پال کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے بھی گردن جھکائی تھی۔ تب مین پال نے عشتار کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"اسے دیکھ عشتار میرے دوست کی بہن، اس جیسے انسان کی گردن بھی میرے سامنے جھکتی ہے۔ ہاں میں دنیا کا واحد شخص ہوں جس کے سامنے یہ گردن جھکاتا ہے۔ ورنہ کسی سرزمین نے ایسا انسان نہیں پیدا کیا جو اس کا سر جھکا دے، اس کی جسامت دیکھی کیا اس سے قبل ایسا جوان دیکھا ہے؟ بولو عشتار، کیا تمھارے آدمیوں میں سے کوئی ہے جو اس کا مقابل ہو؟"

"یہ سوال ہے شہنشاہ؟ جس کا جواب مجھے دینا ہوگا؟" عشتار نے پوچھا

"کیا مطلب؟ ہم نہیں سمجھے عشتار۔؟" مین پال نے پوچھا۔

"میں کہنا چاہتی تھی مین پال۔ میں تمہیں بتانا چاہتی تھی، کہ میں نے بھی ایک ہیرا تمھاری غلامی میں دیا ہے، ہاں مجھے معلوم نہ تھا کہ عظیم مین پال جیالوں کی اس قدر عزت افزائی کرتا ہے لیکن ٹھیک ہی تو ہے۔ عظیم مین پال ہی جیالوں کی قدر کر سکتا ہے کہ وہ خود دلیروں کا دلیر ہے۔" عشتار نے چالاکی سے کہا۔ اور یہ الفاظ میں نے سُن لئے تھے۔ میں عشتار کی چالاکی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

"تیرا اندازہ درست ہے عشتار۔ ہمارے اس جوان کو فوج میں پوری مراعات حاصل ہیں۔ اس کی ہر ضرورت، ہر خواہش کی تکمیل ہوتی ہے، اسے دوسروں سے ممتاز سمجھا جاتا ہے اور میدانِ جنگ میں یہ سالے ادھار چکا دیتا ہے۔ مگر تو نے کون سے ہیرے کی بات کہی تھی؟"

"تجھے وہ قاصد یاد نہیں رہا مین پال، جو تیرے پاس گیا تھا؟"

"اوہ سنہرے بدن والا۔ مگر کیا تو اُسے صحیح الدماغ سمجھتی ہے؟ وہ معمولی سا انسان ہیرا کیسے ہو سکتا ہے؟۔ ہمیں بتا۔!"

بہلوم واپس چلا گیا تھا اور اب وہ بیک وقت پانچ پہلوانوں سے زور آزمائی کر رہا تھا۔

"مین پال تو اُسے صحیح الدماغ کیوں نہیں سمجھتا؟" عشتار نے پوچھا۔

"کیونکہ اس نے ایسی ہی لاف و گزاف کی تھی۔ جانتی ہے اس نے کیا کہا؟ اُس نے کہا تھا کہ اگر میں اُسے اپنے پورے لشکر سے جنگ کرنے چھوڑ دوں تو سورج چھپنے تک میرے سپاہی آدھے رہ جائیں۔ وہ جو کچھ بھی ہو خوش قسمت ضرور ہے کہ ان الفاظ کی ادائیگی کے بعد زندہ واپس آ گیا لیکن صرف تیرے نام کی وجہ سے۔!"

"وہ بے پناہ طاقت ور ہے مین پال اس کی طاقت ضرور آزما تاکہ میدانِ جنگ میں تو اس کے سپرد بہتر کام کر سکے!"

"کیا تیرا خیال ہے کہ میں اسے بہلوم کے مقابل لے آؤں؟" مین پال نے حیرت سے پوچھا۔

"بہلوم۔ شاید اس کے سامنے ایک حقیر چیونٹی کی حیثیت رکھتا ہے" عشتار نے کہا۔ اور یہ اس کا تجربہ تھا، غار کی چٹان کا ذکر اس نے مین پال سے نہیں کیا تھا لیکن بہرحال وہ اس کی آنکھوں دیکھا واقعہ تھا۔

لیکن اس کے الفاظ سے مین پال کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ وہ چند لمحے سپاٹ نگاہوں سے عشتار کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔" دقت یہ ہے کہ بہلوم اپنے شکار کو زندہ نہیں چھوڑتا۔ یہ اس کا اصول ہے اور شاید درست بھی ہے کیونکہ اس طرح اس کے سامنے صرف وہ آتا ہے جسے موت کی آرزو ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہر کس و ناکس آ کر اُسے پریشان کرے، اور میں

عشتار کے نازک دل کو ٹھیس نہیں لگا سکتا۔ اس وقت ہمارا ایک ایک آدمی قیمتی ہے" میں پوری توجہ سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ مگر میرا احمق ساتھی کچھ اور ہی گھات لگائے ہوئے تھا۔ چنانچہ اس نے اچانک باہر نکل کر لڑنے والوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے ہنسی سے کپکپا رہے تھے۔

"سنو اے جیالو سنو۔! یہاں ایک ایسا بھی موجود ہے جو بہلوم کی قوت کو للکارنا چاہتا ہے۔ سنو اس کی دلچسپ بات سنو، اور وہ میرا ساتھی ہے یعنی وہی قاصد جس نے کل لطیفے سنائے تھے۔ یہ اس کا تازہ لطیفہ ہے کہ وہ خود کو بہلوم کا مقابل سمجھتا ہے۔ کیا اس کے اس دلچسپ دعوے کی تصدیق کی جا سکتی ہے!"

بہلوم نے یہ الفاظ سنے اور ہاتھوں میں تھامے ہوئے پتھر پھینک دیئے، پھر وہ آہستہ آہستہ میرے احمق ساتھی کی طرف بڑھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور غصے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے میرے ساتھی کے گریبان کے لباس پر ہاتھ ڈالا اور اُسے زمین سے تین فٹ اوپر اٹھا کر اپنے مقابل کر لیا۔

"تو نے جو کچھ کہا، کیا یہ حقیقت ہے۔؟" اس نے گرجدار آواز میں پوچھا اور ایک عورت کے لئے میں اس سے زیادہ برداشت کی قوت نہیں رکھتا تھا، چنانچہ میں عقب سے نکل آیا۔!

"ہاں یہ حقیقت ہے۔ اس بے وقوف کو چھوڑ دے۔ میں تیرے سامنے ہوں۔" میں نے کہا اور بہلوم نے لٹکے ہوئے آدمی کو نیچے پھینک دیا اور پھر میری طرف گھور کر دیکھا۔ اور پھر مین پال کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

"عظیم شہنشاہ۔ کیا تو اُسے پہچان گیا۔ یہ وہی احمق قاصد ہے جس نے کل تیری شان میں گستاخی کی تھی لیکن تیرے اشارے پر میں خود پر جبر کر گیا تھا آج پھر اس نے ایک حماقت کی بات کہی ہے۔ میں انسان ہوں اور زیادہ قوتِ برداشت نہیں رکھتا، تاہم تیرا حکم ماننے کے لئے اب بھی تیار ہوں۔"

"یہ اکھاڑہ ہے بہلوم۔ اور یہاں ہماری نہیں تیری حکومت ہے! اس نے تجھے اکھاڑے میں للکارا ہے، ہماری طرف سے اجازت ہے اسے جواب دے گا۔" مین پال نے کہا اور مسکراتے ہوئے عشتار کی طرف دیکھا، عشتار کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی تب میں بھی اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ اکھاڑے کے کھیل ہیں۔ میری سمجھ سے باہر۔ تاہم میری طرف سے ایک ہدایت ہے۔" عشتار نے کہا اور مین پال دلچسپی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ کھیل دشمنی کے نہیں ہیں بلکہ صرف ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ عظیم مین پال کی فوج کا ایک ایک جوان ہمارا ہمدرد ہے، چنانچہ میں چاہتی ہوں کہ بہلوم کو قتل نہ کیا جائے تم اس بات کا خیال رکھنا۔ یہ میری خواہش ہے۔"

"اس خواہش کا احترام کیا جائے گا!" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ اور میری بات کو بہلوم اور مین پال دونوں نے سُنا۔ مین پال کی مسکراہٹ گہری ہو گئی اور بہلوم کا چہرہ اور سرخ ہو گیا۔

"لیکن معزز شہنشاہ۔ میں یہ رعایت نہ دے سکوں گا، میرے اصول کے خلاف ہے"

"تمہیں اجازت ہے بہلوم۔" مین پال کے بجائے عشتار بول اٹھی۔ اور میں واپسی کے لئے مڑ گیا۔ تب میں نے اپنا اوپری لباس اتار دیا اور صرف زیریں چست لباس میں رہ گیا۔ میرے بازوؤں کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں اور میں اس دلچسپ کھیل کے لئے تیار تھا۔ بہلوم بھی مست ہاتھی کی طرح پلٹا اور میرے مقابل آ گیا۔

دوسرے تمام پہلوانوں نے اور سپہ گروہ نے ہاتھ روک لئے، ایسا شاید ان کی زندگی میں چند بار ہی ہوا تھا کہ کسی نے باقاعدگی سے بہلوم کے مقابل آنے کی جرأت کی ہو۔ ہاں اگر قسمت کا مارا کوئی آ ہی جائے تو یوں سمجھا جاتا کہ اس کی موت اسی طرح مقدر تھی اور آج بھی ان کی دانست میں کسی کی موت آئی تھی لوگ ایک طرف سمٹ گئے اور اب اکھاڑے میں صرف میں اور بہلوم تھے۔!

"تو اے بے وقوف انسان سنبھل۔ میں نہیں جانتا کہ تو مخبوط الحواس ہے یا خردمند، لیکن میرے مقابل آ کر تو نے موت کو آواز دی، اور افسوس کہ اب میں بھی اسے ٹال نہیں سکتا۔" بہلوم نے جھکتے ہوئے کہا۔

"گوشت اور ہڈیوں کے پہاڑ۔ اس وزنی ڈھیر پر مغرور ہونا مناسب نہیں ہے۔ میں تیری بنیادیں ہلا دوں گا۔ کائنات محدود نہیں ہے اور لاکھوں سربستہ رازوں سے بھری پڑی ہے۔ اس میں کیا کیا ہے۔ اس کے بارے میں کون جان سکتا ہے۔ ایک سے ایک زور آور، اور حیرت انگیز انسان کائنات میں موجود ہے۔ تیری حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ مغرور ہونا بری بات ہے۔ اور اس کا نتیجہ تو ابھی دیکھ لے گا۔"

"تو سنبھل۔!" بہلوم کسی اندھے بھینسے کی طرح گردن جھکائے آگے بڑھا وہ میرے سینے پر ٹکر لگا کر پہلے ہی وار میں میرا کام تمام کر دینا چاہتا تھا اور اسے وہ اپنے شایانِ شان سمجھتا تھا کہ پہلے ہی وار میں دشمن کا خاتمہ کر دیا جائے، ورنہ اس میں اور عام لڑاکوں میں کیا فرق رہ جاتا۔

عام لوگوں کا خیال ہوگا کہ میں اپنی بہ نسبت ہلکی پھلکی جسامت سے کام لے کر اس جنگلی سور کا وار بچا جاؤں گا، اور پھرتی سے ایک طرف ہٹ جاؤں گا، لیکن اس وقت لوگوں کی حیرت سے چیخیں نکل گئیں جب میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر اس کی خوفناک ٹکر کو اپنے جسم پر روکا،

لیکن لوگوں نے دیکھا کہ میں وزنی پہاڑ کی مانند اپنی جگہ قائم ہوں اور ایک انچ بھی نہیں ہلا، اور پھر میں نے اس کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اُسے آسانی کے پیچھے دھکیل دیا۔

بہلوم نے ایک جھرجھری لی۔ اس کی آنکھوں سے وحشت جھانک رہی تھی، ایک بار پھر اُس نے اسی انداز میں گردن جھکائی اور اس بار اس کا حملہ پہلے سے بھی زیادہ شدید تھا لیکن میں تو کھلا کھلا کر مارنے کا عادی ہوں، مغرور کو خود اس کی نگاہ میں ذلیل کر دیتا ہوں۔ میں نے اس بار بھی اس کی ٹکر کو اسی انداز میں جسم پر روکا۔ اور اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا مذاق کر رہا ہے بہلوم۔ کوئی مضبوط وار کر۔ یہ ٹکریں تو میرے پیٹ میں گدگدی کر رہی ہیں۔!"

لوگ ہذیانی انداز میں ہنس پڑے اور پھر اس طرح خاموش ہوگئے جیسے اس سے پہلے کبھی نہ ہنسے ہوں، اور اس کے بعد کبھی نہ ہنسیں گے، ان کی ذہنی کیفیت خراب ہوگئی تھی۔ یہ سب کچھ ان کے لئے غیر متوقع تھا۔

اور بہلوم کا چہرہ آگ کی مانند نظر آنے لگا! اس بار وہ دونوں بازو پھیلا کر میری طرف جھپٹا، اب وہ مجھے جکڑنے کا خیال رکھتا تھا۔ اس نے سوچا کہ مجھے اپنی گرفت میں لے کر پیس دے اور — اس نے مجھے اپنے درختوں کی ٹوٹی شاخوں جیسے بازؤں میں لے بھی لیا، لیکن اس بار میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر پکڑ لیا اور اسے کچے خربوزے کی مانند دبایا، تو بہلوم نے گھبرا کر مجھے چھوڑ دیا! اسے خدشہ ہوا تھا کہ اس کا سر چٹک نہ جائے۔ تب میں نے اسے سر ہی سے پکڑا اور گھما کر دور پھینک دیا۔ بہلوم کروٹ کے بل گرا تھا لیکن صرف ایک لمحے، دوسرے لمحے وہ اپنے پیروں پر کھڑا تھا!

اتنا مجمع تھا لیکن سانسوں کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ عشنار کے چہرے پر پھول کھلے ہوئے تھے، اور مین پال کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں، اب میں بہلوم کو اس کے غرور کی سزا دینے کے لئے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر اسی لمحے اس کا ہاتھ پکڑا اور دوسرا ہاتھ اس کی کمر میں لگایا۔ بہلوم نے تڑپ کر میری گرفت سے نکلنے کی کوشش کی، لیکن وہ گرفت ہی کیا جس سے شکار نکل جائے۔ میں نے بہلوم کو سر سے اونچا اٹھایا اور زمین پر دے مارا۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ بہلوم پھر اٹھ گیا۔ اس گڑیا کی مانند جس کے نچلے حصے میں سیسہ بھرا ہوتا ہے، اور وہ دبلنے ہی اٹھ کھڑی ہوتی ہے لیکن اب اس کی ٹانگوں میں لرزش تھی اور چہرے پر بدحواسی، اسے ایسے انوکھے مقابل کی امید نہیں تھی جس پر کوئی داؤ کارگر ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہ پریشان تھا کہ کیا کرے۔!

میں پھر اس کی طرف بڑھا اور اس نے مدافعتی انداز میں ہاتھ آگے بڑھا دیئے

”کیا خیال ہے۔ معاف کر دوں۔؟“ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اور اس نے جلدی سے دونوں ہاتھ نیچے گرا لیئے۔ ایک بار پھر اس نے پوری قوت مجتمع کر کے حملہ کیا۔ لیکن میں اس بار کھیل ختم کر دینا چاہتا تھا، میں نے اسے گرفت میں لے لیا اور اس بار میری گرفت ایسی تھی کہ وہ نکل نہ سکا، میں نے اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا، پھر اس کی دونوں ٹانگیں میں نے گردن میں پھنسائیں اور اوپری جسم نیچے چھوڑ دیا، اس نے خود کو زمین سے ٹکرانے کے لئے دونوں ہاتھوں کا سہارا لینے کی کوشش کی، لیکن یہ کوشش بے سود تھی، میں نے اس کی ٹانگیں کو اونچا کیا اور اس کا سر زمین سے ٹکرا دیا، اور اب میں یہ دلچسپ کھیل مسلسل کھیل رہا تھا۔

عشنار بے تحاشہ ہنس رہی تھی۔ مین پال کا چہرہ ستا ہوا تھا اور وہ بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا۔ لوگوں کے منہ سے دبی دبی آوازیں نکل رہی تھیں، اور اب بہلوم بھی چیخنے لگا تھا۔ پھر جب وہ سر کچلا ہوا سانپ بن گیا تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ دھب سے زمین پر گر پڑا! شاید وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور قریب آ کر اسے دیکھنے لگے۔ اس دیو کی شکست بڑی حیرت انگیز تھی۔ میں آہستہ آہستہ عشنار کی طرف بڑھ گیا۔

اور پروفیسر — درحقیقت اس وقت وہ صرف عورت نظر آ رہی تھی، ایسی البیلی الھڑ دیہاتن محبوبہ، جو اپنے محبوب کی فتح پر نازاں ہو۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں محبت کا اعتراف کیا اور پھر اسے مین پال کا خیال آ گیا۔ تب وہ ایک دم سنبھل گئی۔ اس کی یہ وارفتگی کھیل بگاڑ سکتی تھی۔

”عظیم مین پال۔ میرا سپاہی تیری داد کا منتظر ہے۔!“ اس نے پاٹ دار آواز میں کہا۔

”نہ صرف داد — بلکہ عظیم مرتبے کا مستحق ہے یہ شخص۔ کیونکہ یہ وہ ہے جو کہتا بھی ہے اور کرتا بھی ہے، بیشک اس نے بہلوم کو بدترین شکست دی ہے، اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس کے بدن میں پوشیدہ قوت سب سے انوکھی ہے، یوں سمجھو۔ بہلوم اس کے سامنے شیر خوار بچے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔!“ مین پال نے خلوص دل سے اعتراف کیا۔

میرا خیال تھا کہ مین پال کو اپنے سپاہی کی شکست پسند نہ آئی ہوگی لیکن درحقیقت اس نے پورے خلوص سے اعتراف کیا تھا۔ تب اس نے بلند آواز سے کہا

”سن اے جیالے۔ سن اے بہادر۔ تو قائم ہے۔ تو عظیم ہے۔ تیری عظمت کے انعام کے طور پر، ہم تجھے اپنی آدھی فوج کا سالار مقرر کرتے ہیں۔ اور۔ تو نے عشنار کا حکم مانا۔ اور اپنے شکار کو کوئی ایسی اذیت نہیں دی جس سے اس کی موت واقع ہو جاتی اس لیئے، تیری اس وفاشعاری کے انعام کے طور پر ہم تجھے اپنے خاص مصاحبوں اور مشیروں میں شامل کرتے تھے۔ ہمارے لشکر میں تیری حیثیت سب سے ممتاز رہے گی۔“

بہروپ نگر

انسان ایک تہہ در تہہ گہرائی ہے اور اس کے وجود میں کلبلاتی ہوئی ہزار ہا بے چین صداقتیں عصمت چغتائی کا موضوع ہیں۔ عصمت چغتائی کا انتہائی دلکش اور بالکل نیا ناول! (چھپ گیا ہے)

عمدہ سفید کاغذ — کپڑے کی مضبوط جلد
آفسٹ کی حسین طباعت سے مزین — قیمت بارہ روپے

ناشر: ندیم پبلیکیشنز — کشمیری بازار، راولپنڈی

"مین پال عظیم ہے۔ وہ بہادروں کا قدرداں ہے۔" عشتار نے کہا اور یوں یہ دلچسپ صبح ختم ہوئی، اور مجھے وہ نمایاں حیثیت مل گئی، جو ابھی میری اصلیت سے میل نہ کھاتی تھی، لیکن بہر حال غنیمت تھی، آگے کا کھیل تو ابھی باقی تھا۔

عشتار مین پال کے ساتھ ہی واپس چلی گئی۔ میرے اس ساتھی کو تو سانپ ہی سونگھ گیا تھا، جس کے ساتھ میں مقیم تھا، اور جس نے میرا مذاق اُڑایا تھا۔ اکھاڑے سے میں واپس اسی کے خیمے میں گیا تھا لیکن وہ نہ جانے کہاں تھا۔ کافی دیر تک میں خیمے میں، بیٹھا گزرے ہوئے واقعات پر غور کرتا رہا۔ پھر جب بیٹھے بیٹھے اکتا گیا تو باہر نکل آیا۔ تب میں نے دیکھا، میرا ساتھی خیمے کے باہر زمین پر گردن جھکائے بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

"اوہ ـــ تم یہاں کیوں بیٹھے ہو حیلے ـــ؟" اور وہ بُری طرح اچھل پڑا۔ پھر اس طرح گھبرا کر اٹھا، جیسے میں جھپٹا مار کر اسے دبوچنے والا ہوں۔ لیکن جب میں نے ایسا نہ کیا تو وہ تعجب خیز نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا!

"کیوں ـــ؟ تمہیں کیا ہوا ـــ؟" میں نے پوچھا۔

"تم ـــ تم مجھ سے ناراض نہیں ہو ـــ؟" اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں ـــ؟ تم سے ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟"

"میں نے تمہارا مذاق اڑایا تھا ـــ!"

"اوہ ـــ اس میں مذاق کی کیا بات تھی ـــ تم میرا امتحان لینا چاہتے تھے ـــ میں نے امتحان لے لیا۔"

"لیکن میں نے تمہیں مصیبت میں پھنسا دیا تھا۔"

"تم نے دیکھا، مصیبت میں کون پھنس گیا۔"

"کیا تم نے دوسری بات بھی صحیح کی تھی ـــ؟"

"دوسری بات کونسی ـــ؟"

"جب تم عشتار کے قاصد بن کر آئے تھے اور تم نے مین پال سے کہا تھا کہ تم لشکر کا قتلِ عام کر سکتے ہو اور خود قتل نہ ہو گے۔"

"سنو میرے دوست، میں کوئی بات غلط نہیں کرتا ـــ تم جب چاہو آزما لینا۔"

"تب تو ـــ تب تو تم مین پال کے پورے لشکر پر بھاری ہو ـــ لیکن ایک بات سنو، اگر تم دونوں کے ہاتھوں میں ہتھیار ہوتے، تو کیا اس وقت بھی تم بہلوم پر قابو پا لیتے، بہلوم صرف پہلوان ہی نہیں، ایک اچھا سپاہی بھی ہے ـــ میرا خیال ہے اس کے دھاردار کھانڈے کے وار سے تم جان نہ بچا سکتے۔"

اور اس کی بات سن کر مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی ـــ "ایک بات بتاؤ مکّار سپاہی ـــ؟ کیا تمہاری بہلوم سے کچھ دشمنی ہے ـــ؟"

"نیرگل کی قسم، ہرگز نہیں ـــ!"

"پھر تم اُس کی زندگی کے گاہک کیوں ہو ـــ؟"

"امآن کی قسم، میں نہیں سمجھا۔"

"تو سنو ـــ اگر بہلوم کو عقل نہ آئی ہو، اور اس کے دل میں ہتھیار استعمال کرنے کی حسرت رہ گئی ہو، تو کل کے کھیل میں تم اعلان کر سکتے ہو، کہ میں بہلوم کو ہر فنِ سپاہ میں شکست دے سکتا ہوں ـــ میں اس کے ناقابلِ تسخیر کھانڈے کو چیڑ کے درخت کی کمزور ٹہنی کی مانند ناکارہ کر دوں گا، میں اس کے تیز نیزے کی انی کو اپنے جسم پر روک کر موڑ دوں گا، میں اس سے ہر طریق جنگ پر جنگ کرنے کو تیار ہوں۔"

"مگر اب وہ تم سے جنگ نہ کر سکے گا ـــ!"

"کیوں ـــ؟"

"کیونکہ تمہاری حیثیت اس سے کہیں زیادہ بڑھ چکی ہے ـــ ارے باپ رے باپ، میں تم سے اس بے تکلفی سے کیسے مخاطب ہوں، تم تو میرے افسرِ اعلیٰ بن چکے ہو ـــ" اس نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی، لیکن میں نے لپک کر اس مسخرے کی گردن پکڑ لی۔

"سن او نامعقول، میں اب بھی تیرا دوست اور ساتھی ہوں ـــ مجھے مین پال کی سالاری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، تاہم عشتار کے لئے میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"عشتار ـــ!" اُس نے میری طرف دیکھا، پھر بوڑھوں کی طرح مسکرانے لگا اور پھر گردن مٹکاتے ہوئے بولا۔ "تو یہ قصہ ہے بڑے بھائی ـــ ٹھیک ہے، بڑے آدمیوں کی بڑی باتیں۔"

"تو کل تم اسے میری طرف سے للکار رہے ہو ـــ؟" میں نے پوچھا اور اُس نے دونوں کان پکڑ لیئے اور زور زور سے کھینچنے لگا۔

"نہیں، نہیں ـــ شمش کی قسم ہرگز نہیں ـــ تم نے میرے ساتھ ایک زیادتی بھی کی ہے۔"

"وہ کیا ـــ؟"

"جب تم نے اسے شکست دی تھی تو اُسے قتل کیوں نہیں کر دیا ـــ بہلوم بڑا کینہ پرور انسان ہے ـــ وہ یہ بات کبھی نہیں بھولے گا کہ میں نے اُسے تم سے مقابلے پر اکسایا ہے اور میری جان کسی بھی وقت عذاب میں آجائے گی۔"

"تم فکر مت کرو، اگر اس نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی تو میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ خوشی سے کھل گیا، اور پھر اچھلتے ہوئے بولا۔

"تب تم مجھے اپنے مصاحبوں میں شامل کر لو ـــ مجھے اپنے ساتھ ہی لگا لو، یقین جانو، بہت اچھا اور بے حد وفادار ثابت ہوں گا!"

"ٹھیک ہے ـــ لیکن ایک شرط بھی ہو گی ـــ؟"

"کہو کہو ـــ جلدی کہو ـــ"

"تمہارا خیمہ میرے خیمے سے اتنی دور ہو گا، کہ رات کو سوتے ہوئے تمہاری کٹے ہوئے بکرے جیسی آواز مجھ تک نہ پہنچے۔"

"ہاں ہاں ـــ ایسا ہی ہو گا، لیکن یقین کرو، اس میں میری کوئی غلطی نہیں ہے ـــ میں نے بدبخت سوما کو بھی یقین دلانے کی کوشش کی تھی ـــ لیکن، ہائے افسوس، وہ نہ مانی اور اُس نے میری شریکِ زندگی بننے سے انکار کر دیا۔"

"سوما کون تھی ـــ؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میری محبوبہ۔ لیکن صرف دن کی، ایک دفعہ رات کو بھی وہ میرے ساتھ رُک گئی تھی، بس اسی دن سے اُس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کرلی۔ اور پھر کسی قیمت پر میرے ساتھ زندگی گزارنے پر آمادہ نہ ہوئی۔" مجھے بے تحاشا ہنسی آگئی۔ وہ دلچسپ آدمی تھا۔ اور اس وقت تک جب تک عشتار کی معیت حاصل نہ ہوجاتی، اس کے ساتھ اچھا وقت گزر سکتا تھا۔ میں اس سے کچھ اور گفتگو کرنے والا تھا کہ اسی وقت مین پال کے خصوصی دستے کے دو سپاہی نظر آئے! وہ میرے سامنے آکر جھک گئے تھے۔

"عظیم مین پال تجھے طلب کرتا ہے۔" وہ بیک وقت بولے۔ اور میں نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں چلتا ہوں۔ تجھ سے جو گفتگو ہوئی ہے اس کا خیال رکھوں گا۔"

اور میں اُن دونوں کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں، مین پال کے خیمے میں داخل ہوگیا۔ عشتار اس کے ساتھ موجود تھی۔ مین پال منتظر تھا کہ میں اس کی تعظیم کے لئے جھکوں، لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔ تب مین پال کے ہونٹ سکڑ گئے۔ اُس نے عشتار کی طرف دیکھا اور عشتار نے مسکراتے ہوئے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور اس مسکراہٹ میں، مین پال کا غصہ جذب ہوگیا۔ تب اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کھردری آواز میں کہا۔

"تیرا نام کیا ہے جیالے۔ عشتار کا کہنا ہے کہ اسے تیرا نام معلوم نہیں ہے۔"

"تو مجھے قوت کے نام سے پکار سکتا ہے۔"

"کیا تو مصر سے آیا ہے۔؟"

"ہاں۔!"

"مصر ہی کا باشندہ ہے۔؟"

"نہیں۔"

"میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ مصر آنے سے قبل تو کہاں رہتا تھا۔ تیرا حسب نسب کیا ہے۔ تیرا قبیلہ کونسا ہے۔؟"

"سُن اے مین پال۔ عشتار نے تجھے میرے بارے میں جو کچھ بتایا ہے، وہ حقیقت ہے۔ اس سے زیادہ نہ عشتار کو معلوم ہوسکا ہے نہ تجھے معلوم ہوگا۔ میں نے عشتار سے وعدہ کیا ہے کہ اس وقت تک اس کے ساتھ رہوں گا جب تک اس کا انتقام نہ پورا ہوجائے۔ سو میں اپنے وعدے کی پابندی کروں گا۔ اسی لئے میں یہاں ہوں، میرے اوپر کوئی پابندی مسلط نہ کی جائے۔ مجھ سے کسی معاملے میں کوئی توقع نہ رکھی جائے۔ اسی میں تمہاری بہبود مضمر ہے۔"

مین پال غور سے میری گفتگو سُن رہا تھا۔ لیکن میری باتوں سے نہ جانے کیوں وہ ناراض نہیں ہوا اور مسکراتا رہا۔!

"عشتار بتا چکی ہے کہ تو حیرت انگیز قوتوں کا مالک ہے، تو بڑی بڑی چٹانوں کو لڑھکا سکتا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ حسین عشتار جھوٹ نہیں بولتی۔ بہرحال ہم نے تجھے تیرے شایانِ شان عہدہ دیا ہے۔ کیا تو اس سے خوش نہیں ہے۔؟"

اور اس کی اس بات پر میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تب میں نے مسکراتے ہوئے کہا "شاید تو میری بات پر یقین نہ کرے، لیکن میں تجھے ضرور بتاؤں گا کہ مجھے تو پورے مصر کی بادشاہت سونپی جارہی تھی اور اس سے قبل بھی بہت سی حکومتوں نے اپنا ملک میرے حوالے کرنے کی پیشکش کی تھی۔ لیکن مین پال، میں ایک سیلانی انسان ہوں۔ دنیا دیکھتا پھر رہا ہوں، مجھے عہدوں اور حکومتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تو شہنشاہوں کا شہنشاہ ہوں، رہا تیری فوج میں شامل ہونے کا سوال۔ تو اگر تو ایسا کرے، کہ اپنی ساری فوج کا ایک حصہ بنا اور دوسرے آدھے حصے کے لئے صرف مجھے تنہا رہنے دے، تو میری کارکردگی تیری فوج سے کسی طرح کم نہ ہوگی۔!"

مین پال منہ پھاڑے میری باتیں سُن رہا تھا۔ شاید میری چند باتوں نے اُسے مطمئن کردیا تھا۔ اس لئے اس کے چہرے کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ اور پھر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تو نے جو کچھ بھی کہا اس میں کیا جھوٹ ہے اور کیا حقیقت، تاہم ہم تیری قوتوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ ٹھیک ہے یونہی سہی لیکن ہمیں تیرے جیسے جیالے جوان کی ضرورت ہے۔ فی الحال جو عہدہ ہم نے تیرے حوالے کیا ہے اسے سنبھالے رکھ۔ اس کے بعد اپنے بارے میں فیصلہ کرنا تیرا کام ہوگا۔! ہاں۔ ہم نے پوری فوج کو احکامات دے دیئے ہیں۔ تیرے ماتحت افسر تیرے پاس آئیں گے، آج رات، چاند نکلنے پر ہم کوچ کریں گے۔ دن کی روشنی میں اپنے افسروں سے مل کر اپنے دستوں کو منظم کرلے۔" میں نے گردن ہلادی۔ اور خیمے سے باہر نکل آیا۔!

یوں پروفیسر، مجھے براہِ راست ایک فوج کی قیادت نصیب ہوئی۔ اسی رات جبکہ پہاڑ تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، مین پال کے لشکر نے کوچ کردیا، رات کا سفر اُن کے نزدیک کامیابی کی ضمانت ہوتا تھا۔ عشتار، مین پال اپنے خاص مصاحبوں کے ساتھ آگے تھے۔ اُن کے دونوں طرف دو اور گھوڑے تھے، جن میں سے ایک پر میں، اور دوسرے پر بقیہ آدھی فوج کا سالار، جو ایک ادھیڑ عمر تجربے کار تھا، سوار تھے۔ یہ گھوڑے رات کو سفر کے عادی تھے، اس لئے سورج بلند ہونے تک کسی گھوڑے نے ایک بار بھی ٹھوکر نہیں کھائی اور کوئی ناخوش گوار واقعہ نہیں پیش آیا۔

ہمارا رُخ منائیوں کی سرزمین کی سمت تھا۔ اور ہم برق رفتاری سے اس طرف بڑھ رہے تھے۔ راستے میں میں نے کئی گھوڑسواروں کو دیکھا، جو ہمیں دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے، اور انھوں نے مین پال کے ٹڈی دل لشکر کی خبر دے دی۔ لیکن احشیری شاید مین پال کی قوت کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا چنانچہ اس نے پہلی منزل پر مقابلے کی ٹھانی اور یزقا کے مقام پر اس کی فوج... صف آرا ہوگئی، تیسری رات کی صبح جب ہم یزقا کے سامنے پہنچے، تو منائی اس طرح ساکت ہوگئے تھے، جیسے بلی کے سامنے چوہا، اُن کی ٹانگوں میں شاید جان نہیں تھی کہ وہ بھاگ سکتے۔ اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اُن کا مقابلہ

کسی فوج سے نہیں، بلکہ ایک سمندر سے ہوگا اور جب سمندر سامنے آگیا تو وہ بھی جان چھوڑ بیٹھے، بھاگتے تو کہاں؟ اس سمندر سے چھٹکارا مشکل تھا!

چنانچہ پروفیسر۔ ہماری فوجیں آگے بڑھیں، اور منائی فوجوں کو نرغے میں لے لیا، منائیوں نے خوف سے ہتھیار پھینک دیئے۔ اور گھوڑوں سے کود کر اوندھے گرنے لگے۔ لیکن۔ فاتح اعظم مین پال ان کی جان بخشی پر آمادہ نہ تھا، اُس نے تلوار بلند کی اور مین پال کے فوجی نہتے لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ یکطرفہ جنگ شروع ہوگئی منائیوں کو مرنے سے بھی انکار نہیں تھا، جیسے موت کو وہ اپنا مقدر سمجھ چکے ہوں۔

لیکن میں اس جنگ کے خلاف تھا، میں نے اپنی تلوار بلند نہیں کی، جبکہ ایک ایک سپاہی، خود مین پال اور عشتار قتلِ عام میں مصروف تھی۔ عشتار کا پورا چہرہ، پورا جسم خون میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ زیادہ سے زیادہ قتلِ عام کر رہی تھی، میں کس کس کو روکتا، چنانچہ میں ایک طرف جا کھڑا ہوا۔!

تب عشتار ایک بار میرے نزدیک سے گزری، اور میں نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگامیں پکڑ لیں۔ وحشی ناگن پھنکار رہی تھی۔ اُس نے اپنی مضبوط تلوار میری طرف گھمائی اور پھر مجھے پہچان کر اسے بلند کر لیا۔!

"اوہ۔ جیالے۔ تم ان لوگوں کو قتل کرنے میں حصّہ نہیں لے رہے۔"

"کیا یہ جنگ کر رہے ہیں؟"

"لیکن یہ اخشیری کے فوجی ہیں۔ میرے بھائی کے قاتلوں میں سے ہیں۔" عشتار نے کہا۔

"جنگ کرنے والوں کو صرف گرفتار کر لیا جاتا ہے عشتار، انھیں اس طرح قتل نہیں کیا جاتا۔"

"لیکن میں ایک ایک منائی سے اپنے بھائی کے خون کا قصاص چاہتی ہوں!" عشتار نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گئی۔ چند گھنٹوں میں پوری فوج کا صفایا ہوگیا۔ اور ہم یزقا میں داخل ہوگئے۔ سہمے ہوئے انسانوں کی بستی۔ ہر چہرہ خوف سے زرد۔! مین پال کا گھوڑا۔ یزقا کے بازاروں، گلیوں اور میدانوں سے گزر رہا تھا۔ خونخوار فوجی اس کے اشارے کے منتظر تھے۔ پھر عشتار بھی اس کے قریب پہنچ گئی اور پھر ایک بہت بڑے میدان میں پہنچ کر مین پال رُکا۔ اُس نے اپنی تلوار بلند کی اور ایک دم خاموشی چھا گئی۔ مجھے طوفان کی آمد کا احساس تھا۔ یہ خاموشی اس کی ابتداء تھی۔

اور پھر اچانک مین پال نے ایک زوردار آواز کے ساتھ تلوار لہرائی، اور اس کے فوجیوں کے گھوڑے شہر کی گلی کوچوں کی طرف دوڑ پڑے۔ یزقا تباہ کیا جانے لگا! دلسوز چیخوں نے آسمان سر پر اُٹھا لیا، عورتیں بچے مرد بوڑھے قتل کئے جانے لگے۔ سامان لوٹا جانے لگا، مویشی کھول لئے گئے۔ شورِ قیامت بلند تھا۔ وحشت و بربریت کے مظاہرے عام تھے۔ لیکن میں اُن میں شامل نہ تھا۔ میرا گھوڑا میدان کے ایک کونے میں خاموش کھڑا تھا۔ مجھے یہ سب کچھ پسند نہ تھا لیکن تہذیب کے اس دوسرے گہوارے کو میں دیکھ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مصر میں نہیں ہوتا تھا۔ ظالم وہاں بھی تھے۔ فرعون ایک دوسرے پر ظلم کرتے تھے، لیکن ان کا کوئی پس منظر ہوتا تھا۔ یوں عورتوں اور بچوں کو مظالم کا نشانہ نہیں بنایا جاتا تھا۔

لیکن جو ہونا تھا ہو رہا تھا۔ اگر میں ان میں نہ شامل ہوتا تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اِن بدقسمتوں کے مقدّر میں یہی لکھا تھا۔!

تب اچانک عشتار کی نگاہ میرے اوپر پڑی اور اس کی کسی بات پر مین پال نے بھی مجھے دیکھ لیا۔ وہ دونوں ہی گھوڑے دوڑاتے میرے پاس آگئے تھے۔ مین پال نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا۔

"اوہ۔ سنہرے بدن والے۔ کیا تجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے؟ کیا تو خوبصورت عورتوں کا طلب گار بھی نہیں ہے۔ جا تو بھی اُن میں شامل ہو جا، اپنی پسند کی عورت حاصل کر لے، اپنی ضرورت کا سامان لے لے۔"

"نہیں مین پال۔ مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تیری اِس حرکت سے اختلاف ہے۔"

میرے گستاخانہ الفاظ سے مین پال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ لیکن موقع شناس تھا، اس وقت تنہا تھا اور میری قوت سے واقف بھی۔ اس لئے مشتعل نہ ہوا، اور بولا۔

"تجھے کیا اختلاف ہے۔؟"

"فوجی مقابلے پر نہیں آئے تھے۔ اُن کی گرفتاری مناسب تھی، قتلِ عام نہیں۔!"

"اوہ۔ مگر وہ بے بس ہوگئے تھے، اگر ہمارے ساتھ اتنی بڑی فوج نہ ہوتی تو وہ مقابلہ کرتے اور ہمارا وہی حشر کرتے، جو ہم نے اُن کا کیا ہے۔ پھر یہ بتا کہ ہم انھیں قیدی بنا کر اُن کا کیا کرتے۔ انھیں کہاں رکھتے، اور کیا وہ ہمارے لئے اُلجھن نہ بن جاتے۔"

"اور ان بے گناہوں کے بارے میں کیا خیال ہے مین پال۔ جنھیں ان کے گھروں سے نکال کر مارا جا رہا ہے۔"

"یہ فوجی۔ جو اپنا وطن، اپنا سب کچھ چھوڑ کر، مشقتیں اٹھائے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ ان کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔؟ کیا یہ احمق ہیں اور بے مقصد ہی مصائب جھیلتے رہے ہیں۔؟ اُن کے لئے یہ سب ضروری ہے فتح حاصل کرنے کے بارے میں ان کی سب سے بڑی خوشی یہی ہوتی ہے کہ فتح حاصل کرنے کے بعد مالِ غنیمت حاصل کریں۔" مین پال نے کہا۔

میں خاموش ہوگیا۔ میرے پاس اس کا کیا جواب تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے یزقا سے شعلے اور دھواں بلند ہوتے دیکھا، ظالم فوجیوں کے لوٹ مار کرنے کے بعد شہر کو آگ لگا دی گئی تھی اور پھر بے شمار بھیڑیں، گائیں بکریاں اور انھیں کی مانند نوجوان لڑکیوں کو ہانکتے ہوئے، وہ لوگ واپس آگئے۔ ان عورتوں کے ساتھ کوئی بچہ، کوئی بوڑھا نہ تھا، صرف نوجوان اور نوخیز لڑکیاں تھیں۔ جو اُن سپاہیوں کی ملکیت تھیں۔ مین پال نے یزقا سے

کچھ آگے جاکر قیام کا ارادہ کیا۔! اور سب وہاں سے چل پڑے۔

میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں میں بددل ہوگیا تھا۔

اب عشتار بھی میرے دل سے اترتی جارہی تھی۔ انھیں وحشیوں میں سے ایک ایسے چاہیئے تھا کہ احشیری سے اپنے بھائی کا بدلہ لے لیتی، لیکن وہ بھی مین پال کی طرف ایک ایک فرد سے بدلہ لے رہی تھی۔! تھوڑی دور ایک میدان میں قیام کیا گیا، اور جشن فتح منایا گیا تھا۔ لوٹا ہوا مال تقسیم ہونے لگا۔ بھیڑیں بکریاں ذبح کرکے بھونی جانے لگیں، شراب کے دور چلنے لگے۔ بدمست قہقہے۔ یا ہو۔ شور و غوغا۔!

لیکن میں اپنے خیمے سے باہر نہیں نکلا۔ میں ان وحشتناک مناظر کو دیکھ کر خود پر قابو نہیں پاسکتا تھا، جبکہ میں جانتا تھا کہ انھیں روکنا بھی میرے بس کی بات نہیں ہے۔ دوسری صبح ہم منا تو چل پڑے۔ احشیری کو پہلی خوفناک شکست کا احساس ہوگیا تھا۔ اس لئے منا تو تقریباً خالی ملا۔ لیکن صرف انسانوں اور فوجوں سے، البتہ مال و اسباب یونہی موجود تھا۔ چنانچہ فوجیوں نے مال و اسباب لوٹنے اور شہر جلانے پر ہی اکتفا کی۔ اور پھر یہاں سے بھی آگے بڑھ گئے۔!

اسی طرح دن رات سفر طے کرتے ہوئے ہم انزرتو تک پہنچ گئے۔! شہر مال و اسباب، مویشیوں سے بھرے ملتے، لیکن انسان صرف وہی ملتے جو کسی وجہ سے فرار نہ ہوسکے ہوں گے۔ چنانچہ مین پال کے فوجی تبرکاً انھیں قتل کردیتے۔ انھیں میں سے ایک کی زبانی معلوم ہوا کہ احشیری اشتتی چلا گیا ہے، اور پوری قوت سے شہر کے استحکام، اور فوجوں کو مضبوط کرنے میں مصروف ہے۔ چنانچہ مین پال آندھی اور طوفان کی طرح اشتتی کی طرف چل پڑا۔ عشتار اس کی شریکِ کار تھی اور بلاشبہ وہ مین پال کے فوجیوں سے زیادہ وحشت کا مظاہرہ کررہی تھی۔ اس کے کسی انداز میں، نسوانیت نہیں تھی۔ قتلِ عام کرتی تو اس کے لباس پر خون کی موٹی موٹی تہیں جم جاتیں۔ لوٹ مار کرتی تو وحشت و بربریت میں اپنا ثانی نہ رکھتی۔

اور پھر ہم اشتتی کے سامنے پہنچ گئے! بہت مضبوط قلعہ تھا، چاروں طرف وسیع خندقیں کھودی گئی تھیں، جن میں پانی بھرا ہوا تھا۔ ایک طرح سے اس تک پہنچنا ناممکن ہی تھا، مین پال زخمی شیر کی طرح غرا رہا تھا، بہرحال اس نے چاروں طرف سے قلعہ کو محصور کرلیا، اور اس پر حملہ آور ہونے کی ترکیبیں کرنے لگا۔

لیکن بظاہر کوئی ترکیب نہیں سمجھ میں آتی تھی، ہاں، صرف میں تھا، جو اس قلعے کو کھول سکتا تھا۔! اور کئی دن کے بعد عشتار کے ذہن میں میرا خیال آیا۔ اور۔ ایک رات وہ میرے خیمے میں پہنچ گئی۔ وہ پوشیدہ طور پر آئی تھی میں اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"تم مجھ سے ناراض ہو میرے محبوب۔؟" اس نے میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا

"نہیں عشتار، لیکن جس انداز میں، جو کچھ ہورہا ہے، مجھے پسند نہیں ہے۔"

"عظیم مین پال کے وحشی فوجی، اس کے بغیر جنگ پر آمادہ نہیں ہوسکتے۔ اور ان لوگوں کے ساتھ یہی سب کچھ ہونا چاہیئے، جو ہو رہا ہے۔ تم نہیں جانتے۔ انھوں نے اربیلا کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی بدتر۔ میرا بھائی انھیں لوگوں کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا اور اس کی موت پر انھوں نے جشنِ فتح منایا تھا۔ میں انھیں دیکھ کر خود پر قابو نہیں پاسکتی۔"

"لیکن تمہارے بھائی کے قتل میں بےگناہ عورتیں اور بچے تو شامل نہ تھے۔"

"آہ۔ سنہرے بدن والے۔ انھیں ماؤں نے ان اولادوں کو جنم دیا تھا جو جوان ہوکر میرے بھائی کے قاتل بنے۔ یہی بچے جوان ہوکر وحشت و بربریت کی مثالیں قائم کرتے ہیں ان کی بنیادیں اکھاڑ دینا ضروری ہوتا ہے۔ تاکہ مستقبل میں کوئی اور بعل نہ قتل ہوجائے۔"

"مجھے اس سے اختلاف ہے۔ اور میں اس سلسلے میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔"

"لیکن تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا جیالے۔ کہ تم احشیری کو قتل کرنے میں میری مدد کروگے۔؟"

"ہاں۔ میں وہ وعدہ پورا کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن ایک شرط پر۔"

"کیا شرط ہے بتاؤ۔!" عشتار جلدی سے بولی۔

"اشتتی میں داخل ہوکر ہم احشیری کی فوجوں کو قتل کریں گے۔ احشیری کو بدترین موت ماریں گے، لیکن شہر میں نہ تو قتلِ عام ہوگا اور نہ اسے نذرِ آتش کیا جائے گا۔"

"اوہ۔ مگر۔ مگر میں فوجیوں کو کیسے روک سکوں گی۔!" عشتار پریشانی سے بولی۔

"مین پال کے ذریعے۔ وہ تمہاری ہر بات مانتا ہے۔ میں اس بات سے ناواقف نہیں ہوں کہ وہ تمہارا عاشق ہے، اور تم نے فتح کے عوض اس سے اپنا سودا کرلیا ہے۔"

عشتار چونک کر مجھے دیکھنے لگی، پھر ایک گہری سانس لے کر بولی "ہاں۔ یہ درست ہے۔ لیکن جیالے۔ میں نے اسے دھوکہ دیا ہے، میں اقرار کرچکی ہوں کہ میں صرف تمہیں چاہتی ہوں، میں فاحشہ نہیں ہوں کہ ہر ایک سے اقرارِ محبت کرتی پھروں۔ تم میرے محبوب ہو اور مین پال میری ضرورت۔ اور ضرورت پوری ہونے کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔؟"

"میں مین پال سے بات کروں گی، میں اُسے تیار کرلوں گی۔ لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ ہم شہر میں کس طرح داخل ہوں گے۔"

"میں خندق میں اتر کر شہر کے دروازے پر جاؤں گا، اسے کلہاڑے سے توڑ ڈالوں گا، اور پھر اسے کھول دوں گا، تب تمہاری فوجیں آسانی سے شہر میں داخل ہوجائیں گی۔!"

"یہ کام تم تنہا کرلوگے۔؟"

"ہاں۔ اسی طرح جیسے میں نے تمہیں بندغار سے نجات دلائی تھی۔"

"لیکن وہ اور بات تھی۔ شہر کی فصیلوں سے تم پر آگ برسائی جائے گی۔"

"مین پال اگر میری بات ماننے پر تیار ہو جائے تو میں اپنے کام کا خود ذمہ دار ہوں۔!"

"لیکن مجھے تمہاری زندگی کی ضرورت ہے۔"

"میں زندہ رہوں گا۔" میں نے کہا اور پھر ضروری اقرار ناموں کے بعد وہ واپس چلی گئی۔ رات کے دوسرے پہر، مین پال نے مجھے بتایا، اس کے چہرے سے مکاری عیاں تھی۔ لیکن میں نہ سمجھ سکا کہ وہ عشتار سے کوئی خفیہ بات کر چکا ہے۔ اس نے بھی مجھ سے ضروری سوالات کئے، اور شاید مطمئن نہ ہوا، تاہم اس نے یہ حیرت انگیز کام میرے سپرد کر دیا۔!

راتوں رات میرے لئے ایک مضبوط اور بے حد وزنی کلہاڑا تیار کیا گیا اور دوسرے دن مین پال کی فوجیں صف بستہ ہو گئیں، لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مین پال نے خندق عبور کر کے دروازہ کھولنے کا کیا پروگرام بنایا ہے۔ تب میں اپنے گھوڑے پر سوار، اپنا کلہاڑا کندھے سے لٹکائے خندق کی طرف بڑھا اور قلعے سے میرے اوپر تیروں کی بارش ہونے لگی، لیکن مین پال، اور اس کے لوگوں نے پوری پوری آنکھیں پھاڑ کر یہ حیران کن منظر دیکھا کہ تیر میرے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر ادھر ادھر گر پڑتے تھے، جبکہ میں آہنی لباس میں بھی نہیں تھا۔ ہاں ایک تیر نے میرے گھوڑے کی گردن میں سوراخ کر دیا۔ اور وہ نیچے گر پڑا۔ لیکن اب گھوڑے کی ضرورت بھی نہیں تھی، میں لوہے کی مضبوط زنجیر دونوں ہاتھوں میں سنبھالے خندق کے قریب پہنچ گیا، یہ زنجیریں میری مرضی کے مطابق بنائی گئی تھیں۔ تب میں نے خندق میں چھلانگ لگا دی۔ اور کیا ہی زوردار بارش ہوئی تیر فیتیر میرے اوپر آگ کے گولوں کی، جلتا ہوا سیال دھاروں کی شکل میں میرے بدن پر گر رہا تھا، اور پانی پر آگ بھڑک اٹھی تھی۔!

لیکن آگ ۔ میری غذا ۔ میرے جسم میں تو ہلکی ہلکی حرارت نے ایک خوشگوار کیفیت پیدا کر دی تھی ۔ آگ اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی، خندق کا جلتا ہوا پانی اچھل رہا تھا اور میں دوسرے کنارے پر بڑھ رہا تھا۔ شاید میں مین پال کے آدمیوں کے ساتھ ساتھ قلعے والوں کی نگاہوں سے بھی روپوش ہو گیا تھا۔ کیونکہ آگ اور دھوئیں نے پورے ماحول کو آغوش میں لے لیا تھا۔ پھر میں نے زنجیر کا وہ سرا اوپر اچھالا، جس میں ایک نوکدار آنکڑا منسلک تھا آنکڑا کسی مناسب جگہ پھنس گیا، اور میں زنجیر کے سہارے اوپر چڑھ گیا۔ اور اب میں اس عظیم الشان دروازے کے نزدیک تھا، جسے مجھے کھولنا تھا، اور جو خندق پر ایک پل کی حیثیت رکھتا تھا، میں نے دروازے کا بخوبی جائزہ لیا، اوپر والے بدستور اپنا کام کر رہے تھے، عشتار اور مین پال کی دانست میں اب تو میرے بدن کے کوئلے بھی پس گئے ہوں گے۔ لیکن میں پورے اطمینان سے اپنے کام کا جائزہ لے رہا تھا۔ میں ان چیزوں کی تلاش کر رہا تھا، جنہیں ہاتھ سے توڑ دینے سے دروازہ نیچے آپڑتا۔ لمبی لمبی دو چولیں مجھے نظر آگئیں۔ انھیں کے دوسری طرف وہ فولادی زنجیریں تھیں جو پھاٹک کو روکے ہوئے تھیں۔ پھر میں نے کمر سے اپنا کلہاڑا اتارا اور چولوں کو توڑنے لگا! ذرا محنت کرنا پڑی تھی ۔ کیونکہ اشیری نے اس پر عقل خرچ کی تھی۔ لیکن کام ہو گیا۔ کلہاڑے کی مضبوط ضربوں نے فولادی زنجیریں کاٹ دیں ۔ اور یقیناً جب پھاٹک تیز گڑگڑاہٹ کے ساتھ نیچے گرا ہوگا تو مین پال اور اس کے فوجیوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی ہوں گی۔!

میں پھاٹک ہی کے عقبی حصے سے لٹک گیا تھا اور یہی بہتر ہوا مین پال کے فوجی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئے اور پورے شہر میں ہو ہو کار مچ گئی۔! میں بھی نیچے سے نکل آیا اور ایک خالی گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا جو اپنے مالک کی لاش کو لاشوں میں سونگھتا پھر رہا تھا۔ لیکن اندر کے مناظر کچھ اور ہی تھے۔!

شہر میں بغاوت ہو چکی تھی، اشیری کو قتل کر دیا گیا تھا اور اس کی لاش گھوڑوں سے بندھی ہوئی گلی کوچوں میں گھسٹ رہی تھی۔ یہ صورت حال حیران کن تھی ۔ لیکن مین پال کے فوجیوں کو اس بغاوت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اپنا محبوب کھیل کھیل رہے تھے ۔ عشتار کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی کہ وہ اپنے ہاتھوں سے اشیری کو قتل کر سکے، تاہم اشیری کے حشر سے وہ غیر مطمئن بھی نہیں تھی۔ اور پھر اس نے اشیری کے خاندان کے لوگوں سے اپنے انتقام کی پیاس بجھائی ۔! میرے عہد کی دھجیاں اڑا دی گئیں ۔ میں نے عشتار کو اسی عالم میں دیکھا، جس میں دیکھتا چلا آیا تھا۔!

اور ۔ ایک دفعہ ۔ میں نے اُسے روکا ۔! عشتار نے خون کی پیاسی نگاہوں سے مجھے دیکھا ۔ اور مسکراتے ہوئے سفاکی سے بولی۔ "میری پیاس نہیں بجھی ہے ۔ ابھی ابھی مجھے نہ روکو ۔ میں ۔ میں اس وقت کوئی بات نہیں سن سکتی ۔ مجھے بعل کی موت کا انتقام لے لینے دو ۔ جاؤ ۔ میرے راستے میں نہ آؤ۔!"

"لیکن مجھے بدعہدی سے نفرت ہے۔!" میں نے کہا۔

"بدعہدی تم سے بھی ہوئی ہے، اشیری میرے ہاتھوں قتل نہیں ہوا، یہ تڑپ سرد ہو جانے دو۔ میں تم سے معافی مانگ لوں گی۔" اور وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی، میں اپنی جگہ کھڑا غصے سے کھولتا رہا، اگر میں پھاٹک نہ کھولتا تو یہ کامیابی آسان نہ تھی ۔ مجھے ان بدعہد لوگوں سے نفرت ہو گئی۔ ٹھیک ہے یہ اُن کے آپس کے معاملات تھے، مجھے کیا پڑی تھی جو ان میں ٹانگ اڑاتا پھرول چنانچہ میں نے ایک تندرست و توانا گھوڑا سنبھالا، اور شہر پناہ سے نکل آیا۔ اپنے خیمے میں آکر میں نے اپنا سامان لیا اور وہاں سے چل پڑا۔ منزل کے بارے میں نہ کبھی پہلے سوچا تھا اور نہ اب اس کا خیال ذہن میں تھا۔

پورے دن سفر کرتا رہا، پہاڑوں میں، گھاٹیوں میں، سرسبز مقامات پر۔ اور پھر رات کو ایک جگہ قیام کیا۔ بڑی خوبصورت جگہ تھی چاروں جانب سبزہ لہلہا رہا تھا۔ ایک چھوٹی ندی کہیں دُور سے آئی تھی اور نہ جانے کہاں تک چلی گئی تھی، ندی کے ایک کنارے سے گھاس کا میدان دُور تک چلا گیا تھا اور دوسرے کنارے پر پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں، جن میں لاتعداد غار تھے ۔۔۔ یہ جگہ مجھے اتنی پسند آئی کہ میں نے کچھ روز یہاں رہ کر آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔۔۔ اور پھر اپنے قیام کے لئے میں نے ایک چھوٹا سا صاف ستھرا غار منتخب کیا۔۔۔! بہت دنوں سے میں نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔

چنانچہ اس پُرسکون مقام پر میں نے اپنی کتاب کے صفحات لکھنے کا پروگرام بھی بنایا اور اس کے لئے تیاریاں کرنے لگا! یہ کام بھی کم دلچسپ نہیں تھا۔ تیاریاں مکمل کرنے کے بعد میں نے اپنی معلومات کے مطابق دشواریوں کی داستان قلمبند کرنا شروع کر دی، بابلی تہذیب کی تفصیلات لکھنا شروع کر دیں اور اب دن بھر کی مصروفیات یوں مرتب ہوئی تھیں۔ صبح کو جاگتا، گھوڑے کو لیتا اور شکار پر نکل جاتا۔ ہرن اور دوسرے عمدہ گوشت والے جانور پکڑتا، انھیں بھون لیتا اور شام تک کے لئے فارغ ہو جاتا۔ گھوڑا اس دوران آزاد پھرتا رہتا تھا اور شام کو واپس آجاتا۔۔۔ دوپہر کو ندی کے کنارے ایک عمدہ نشست گاہ میں بیٹھ کر اپنی کتاب قلمبند کرتا اور شام تک یہ شغل جاری رہتا اور پھر رات کے کھانے کے بعد پہاڑی کی سب سے اونچی سطح چٹان پر آلیٹتا، اور میرے دوست ستارے میرے گرد بکھر جاتے، وہ مجھے انوکھی کہانیاں سناتے اور اس وقت تک میں اُن سے ماضی حال اور مستقبل کی باتیں کرتا، جب تک نیند نہ آنے لگتی۔ پھر جب نیند آتی تو غار میں واپس آجاتا اور سونے کی کوشش کرنے لگتا۔!

ہاں۔۔۔ چوبیس گھنٹے کا صرف یہ ایک حصہ ایسا ہوتا جس میں مجھے کسی کمی کا احساس ہوتا تھا۔۔۔ اور یہ کمی کسی گداز بدن، کسی چمکتے چہرے، اور غار کی دیواروں سے ٹکراتی لذت آمیز سسکیوں کی ہوتی۔ ایسے وقت مجھے عشتار یاد آتی۔ بدعہد، وحشی عشتار، پھر اس کا حسن یاد آتا۔۔۔ اور پھر نیند آجاتی۔۔۔!

یوں ایک طویل عرصہ گزر گیا۔۔۔ موجودہ ماہ و سال کے حساب سے تقریباً ایک ماہ۔۔۔! میری داستان مکمل ہو رہی تھی۔ اور اب میں نئے جہانوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔۔۔ کہ ایک شام۔۔۔ جب سورج نہیں چھپا تھا کہیں دُور سے میرے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنائی دی، اور میں اپنے مشاغل سے چونک پڑا۔ گھوڑے اسی وقت ہنہناتے ہیں جب کوئی خاص بات ہو۔۔۔ اور وہ خاص بات بہت جلد مجھے نظر آگئی۔ گھوڑے نے اپنی ہم نسل کو دیکھ لیا تھا اور میں نے عشتار کو، جو اُس پر سوار تھی۔ میری تیز نگاہ نے اُسے دور ہی سے پہچان لیا تھا۔ تب میں نے اُس کے عقب میں دُور دُور تک نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن اور کوئی اس کے ساتھ نہیں تھا۔ وہ تنہا تھی!

لیکن وہ کہاں جا رہی ہے۔۔۔؟ وہ تنہا کیوں ہے؟ کیا وہ میری تلاش

جاسوسی ڈائجسٹ
کے مقبول ترین سلسلے
انعام یافتہ کہانی
میں حصہ لے کر آپ بھی
پانچ سو روپے انعام
حاصل کر سکتے ہیں
شرائط حسب ذیل ہیں
۱: صرف حسب ذیل موضوعات پر لکھی ہوئی کہانیاں ہی مقابلے میں شامل کی جائیں گی۔ پراسرار، جرم و سزا، ایڈونچر، خوفناک، رومانی۔
۲: کہانی ڈائجسٹ کے ۲۰ اور ۳۰ صفحات کے درمیان ہونا چاہیے۔
۳: کہانی ہر ماہ کی ۱۰ تاریخ تک پہنچ جانی چاہیے۔
۴: منصفین کا فیصلہ آخری اور حتمی ہو گا۔
۵: انعام حاصل کرنے والی کہانی کے علاوہ مقابلے میں شریک دوسری کہانیاں اگر ادارہ جاسوسی ڈائجسٹ چاہے تو معاوضہ دے کر شائع کر سکتا ہے۔
جاسوسی ڈائجسٹ
پوسٹ بکس ۳۲۹
کراچی

میں ہے ۔۔؟ کئی خیالات میرے ذہن میں آئے۔ اعشتار نے بھی شاید میرے گھوڑے کی ہنہناہٹ محسوس کر لی تھی۔ اُس نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچیں اور چاروں طرف نگاہیں دوڑانے لگی۔ پھر اُس کی نگاہ میرے گھوڑے پر پڑ گئی اور اس نے اسی طرف اپنا گھوڑا چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ میرے گھوڑے کے نزدیک تھی میرے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اُس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی بالآخر میں اُسے نظر آ ہی گیا۔ میں نے اس کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی ۔۔ وہ خود ہی میری طرف دوڑ پڑی تھی ۔!

اور ۔۔ چند ساعت کے بعد وہ میرے قریب تھی ۔۔ اس وقت اُس کے چہرے پر بے حد نرمی تھی۔ اس کا حلیہ ہی بدلا ہوا تھا، گو وہ اپنے مخصوص لباس میں تھی لیکن اس کے تاثرات لباس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ اُن پر تاسف اور پشیمانی کی جھلکیاں تھیں ۔!

"تم ۔۔ تم مجھ سے ناراض ہو ۔۔؟" اُس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"یہاں کیسے نکل آئیں عشتار ۔۔؟" میں نے اس کے سوال کا جواب دیئے بغیر اُس سے سوال کر دیا۔

"آہ ۔۔ پورے دس چاند سے تمہاری تلاش میں بھٹکتی پھر رہی ہوں۔"

"میری تلاش میں کیوں ۔۔؟"

"تم ۔۔ تم میرے محبوب ہو ۔۔ تم ۔۔ میں تمہیں چاہتی ہوں ۔"

"خون کی پیاس بجھ گئی ۔۔؟" میں نے طنزیہ کہا اور اس نے گردن جھکالی ۔ پھر شرمندگی سے بولی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم سے بدعہدی کی ۔"

"لیکن اس بدعہدی پر مجھے تم سے نفرت ہو گئی ہے عشتار۔ تمہارے ہاتھوں سے بے گناہ انسانوں کے لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ تمہارے پورے جسم سے اس لہو کا تعفن اُٹھ رہا ہے ۔۔ یہاں سے چلی جاؤ ۔۔ میں تمہیں قبول نہیں کر سکتا۔"

"نہیں نہیں میرے محبوب ۔۔ اب میں کہیں نہیں جاؤں گی ۔ تم ایک بڑے پتھر سے میرا سر کچل دو ۔۔ اور مجھے بدعہدی کی سزا دے لو۔ مگر میں یہاں سے نہیں جاؤں گی ۔" وہ گھوڑے سے کود آئی ۔ "مجھے اپنے بازوؤں میں جگہ دیدو جیالے ۔ یہ بازو اب میری سب سے بڑی طلب ہیں۔ ہاں میں بعل کے انتقام میں پاگل ہو گئی تھی، مجھے تم سے کیا ہوا عہد پورا کرنا چاہیئے تھا ۔ لیکن اب میں بدعہدی کی ہر سزا قبول کرنے کے لئے تیار ہوں ۔"

میں نے غور سے اس حسین و جمیل عورت کو دیکھا ۔ جو انتقام کی دیوی سے اب صرف عورت بن گئی تھی، اور ان غاروں میں، میں نے عورت کی طلب شدت سے محسوس کی تھی ۔ ہاں اس ندی کے کنارے کے حسین میدان میں، جہاں میرے علاوہ کسی کا وجود نہیں ہے، ایک حسین وجود اور شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے ۔ کچھ اور دلچسپ وقت گزر جائے گا، رہی بدعہدی کی بات، تو جو قتل ہوتے تھے وہ کون سے میرے عزیز تھے، اس سے قبل لاکھوں افراد لاکھوں افراد کو قتل کرتے رہے اگر میں ان میں شامل نہ ہوتا، تو نہ جانے کتنے، کتنوں کو قتل کرتے ۔ مین پال کی لائی ہوئی تباہی یقینی تھی ۔ شہر میں بغاوت ہو چکی تھی ۔ باغی گروپ دروازہ کھول دیتا،

اور وہی ہوتا جو ہو چکا ہے ۔۔ میں ان حسین لمحات کو کیوں ٹھکراؤں ۔ اور یہ خیال میرے ذہن میں جاگزیں ہو گیا۔

"مین پال کا کیا ہوا؟" میں نے اُس سے پوچھا۔

"وہ اشتستی میں موجود ہے اور اس نے احشیری کے بیٹے عصلی کو تخت پر بٹھا دیا ہے ۔" عشتار نے بتایا۔

"تمہارے بارے میں اُس نے کیا سوچا ۔؟"

"اُس نے پہلے مجھے پیشکش کی ۔ لیکن اب میں حکومت نہیں چاہتی، میں سکون کی آغوش چاہتی ہوں ۔ میں نے اربیلا تک کی حکومت قبول نہیں کی ۔ اس کے بارے میں مین پال خود سوچے گا ۔"

"میرا مطلب اِس دوسرے عہد سے ہے ۔ جو تم نے اُس سے کیا تھا ۔!"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں سُنہرے بدن والے، وہ جھوٹا عہد تھا، اور اس کے بارے میں اسی وقت میرے دل میں کھوٹ تھی، جب میں یہ عہد کر رہی تھی ۔ اس طرح میں مین پال کی مدد سے احشیری کی شکست چاہتی تھی ۔"

"کیا مین پال تم سے دستبردار ہو گیا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے مجھ سے میرے عہد کا ایفا چاہا، میں اُسے دو دن تک ٹالتی رہی اور پھر ایک رات خاموشی سے وہاں سے فرار ہو گئی اور تمہاری تلاش میں نکل پڑی ۔!"

اور پروفیسر ۔۔ اس عورت کے گناہ میں نے معاف کر دیئے ۔ یعنی وہ بدعہدی جو اُس نے میرے ساتھ کی تھی ۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور میری مسکراہٹ سے شہ پا کر وہ میرے سینے سے آ لپٹی ۔!

"میں تمہیں دل و جان سے چاہنے لگی ہوں سُنہرے بدن والے ۔ تمہارے بغیر تو زندگی کا تصور فراموش کر بیٹھی ہوں ۔۔ مجھے اس لافانی جسم کی ضرورت ہے، مجھے ان مضبوط بازوؤں کی خواہش ہے، زندگی کی آخری سانس بھی میں تمہارے قدموں میں نچھاور کر دینا چاہتی ہوں، اب مجھے خود سے جُدا مت کرنا ۔"

اور میں اسے سینے سے لگائے ہوئے غار کے نیم تاریک ماحول میں لے آیا ۔ اس کی تمام خواہشات پوری ہو گئی تھیں، سوائے میری خواہش کے ۔۔ اور اب وہ آخری خواہش پوری کرنے کے لئے بے چین تھی، اور پروفیسر میں بھی بھوک سے بلک رہا تھا ۔ میں بھی عرصے سے تڑپ رہا تھا اور پھر اس عورت کے لئے تو مجھے طویل انتظار کرنا پڑا تھا، یوں سمجھو اتنا انتظار کسی عورت کے لئے میں نے اِس سے قبل نہیں کیا تھا ۔!

چنانچہ ہم دونوں کا جنون ایک دوسرے میں پیوست ہو گیا ۔ ہم نے تاریکیوں کا انتظار فضول سمجھا ۔ اور نیم تاریکیوں ہی کو غنیمت جانا ۔ وحشی عورت اس وقت بھی قتلِ عام پر آمادہ تھی، اُس نے لہو کا غسل کر لیا تھا، اور وہ خون بہاتے بہاتے سیر ہو گئی ۔ لیکن جوانی کے اس کھیل میں بھی وہ اپنی وحشی فطرت کو فراموش نہ کر سکی اور اُس نے پوری پوری وحشت کا اظہار کیا، لیکن اسے مقابل کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا، کچھ بھی تو نہیں ۔۔ اس کا مقابل فاتح تھا، ہر دور کا فاتح ۔۔ اس کی زندگی میں شکست کا نام نہیں آیا تھا ۔ وہ تو صرف جیتنا جانتا تھا ۔ چنانچہ وحشی شیرنی ہار گئی ۔ اور ۔۔ بار بار ہاری ۔۔ یہاں تک کہ اُس کے حوصلے پست ہو گئے ۔ تمام وحشت

دھری رہ گئی اور اس سے اعترافِ شکست کرتے بن پڑی۔!

سورج چھپے ہم نے گنگناتی ندی میں غسل کیا، پھر شکار کھیلا، شکار بھونا، کھایا اور رات ہو گئی۔ حسین سیاہ رات، جو دلوں کو ازسرِنو آباد کرتی ہے، دن کی روشنی ذہن و دل پر مصنوعیت طاری کر دیتی ہے، جوانی کے راز، رات کی امانت ہوتے ہیں، چنانچہ غار میں پھیلی خاموش سیاہیوں نے ہمارے دل ایک دوسرے کی طلب سے منور کر دیئے۔ عشتار میرے پہلو میں آباد تھی، اس نے اربیلا کا نظام میرے حوالے کر دیا تھا۔ اور میں نے اس امانت سے پورا پورا انصاف کیا۔ تب وہ سکون سے میری آغوش میں منہ چھپا کر سو گئی۔۔۔! گہری نیند۔۔!

دوسری صبح زیادہ پُر رونق تھی۔۔ سورج ہنس رہا تھا۔ ندی کی گنگناہٹ بلند ہو گئی تھی۔ گھاس کے میدان زیادہ سبز ہو گئے تھے، یا پھر یہ سب حُسنِ نظر، حُسنِ سماعت تھا۔ کیونکہ انسان کی ازلی طلب پوری ہو گئی تھی۔ فضا عورت کے قہقہوں سے معمور ہو گئی تھی، گھاس کے سبز میدان نازک پاؤں تلے رُندر ہے تھے، نرم پتیاں ناگوار وزن نہیں محسوس کر رہی تھیں، اس لئے خوش تھیں۔ اور دور۔۔ ایک دلچسپ منظر ہمارا منتظر تھا۔!

یہ عشتار کا اور میرا گھوڑا تھا، شاید وہ بھی ایک دوسرے کو چاہتے تھے، یقیناً وہ نر اور مادہ تھے، جس کی تصدیق عشتار سے ہو گئی، وہ گھوڑی پر آئی تھی۔ دونوں شانے سے شانہ ملائے گھاس چر رہے تھے، اور بہت خوش نظر آ رہے تھے۔!

میں ہنس پڑا۔ عشتار بھی ہنس پڑی۔!

"میں اب سمجھا عشتار۔" میں نے شرارت سے کہا۔

"کیا۔؟"

"یہی کہ مجھے تلاش کرنے میں، تمہیں دقت کیوں نہ پیش آئی۔!"

"میں نہیں سمجھی۔؟"

"تمہاری گھوڑی نے تمہاری رہنمائی کی تھی، یقیناً وہ میرے گھوڑے کی بو سونگھتی ہوئی ادھر آ نکلی تھی۔" میں نے کہا اور عشتار بے تحاشا ہنس پڑی۔ ہم دونوں قہقہے لگانے لگے!۔ عشتار کا چہرہ مسرت سے سُرخ ہو رہا تھا۔ پھر ہم نے شکار کا فیصلہ کیا۔ اور گھوڑوں کی ننگی پشت پر بیٹھ کر گھاس کے میدانوں کے اس پار نکل گئے۔ ہم نے ایک نیل گائے کو گھیرا اور ہمارے گھوڑے اسے پریشان کر کے تھکانے لگے، نیل گائے جان بچانے کے لئے بھاگ رہی تھی۔ پھر جب وہ تھک کر گر پڑی تو ہم گھوڑوں سے اتر گئے۔۔ اور ابھی ہم نیل گائے کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ، بےشمار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں چاروں طرف سے اُبھریں اور میں چونک پڑا۔!

میں نے گردن اُٹھا کر دیکھا۔ گھوڑے سوار شاید دیر سے ہماری تاک میں تھے اور کسی مناسب مقام پر ہمیں گھیرنا چاہتے تھے۔ جس طرح ہم نے نیل گائے کو گھیرا تھا۔!

میں نے سب سے پہلے جس انسان کو دیکھا وہ مین پال تھا۔! قہر و غضب کا پیکر! زندہ صفت مین پال ۔۔ اس کے نزدیک فیل پیکر بہلوم تھا، اور دائیں بائیں دو دو سوار۔۔ اور باقی سوار، جن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔۔ ایک دائرے کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ عشتار بھی پاگلوں کی طرح گھوم گھوم کر چاروں طرف دیکھ رہی تھی، اور اس کے چہرے پر زردی امڈ آئی تھی۔ لیکن میں حسبِ معمول بے فکر تھا۔ ہاں میں نے گردن اٹھا اٹھا کر ان سواروں کے عقب میں جھانکا، میں جاننا چاہتا تھا، کہ مین پال کے ساتھ صرف یہی لوگ ہیں، یا اور بھی ہیں۔!

لیکن مین پال صرف ایک دستے کے ساتھ آیا تھا۔ اور میں نے دل میں سوچا کہ ٹھیک ہے، ان مٹھی بھر لوگوں سے نپٹنے میں زیادہ وقت نہ صرف ہوگا! تب مین پال کی گرجدار آواز گونجی۔

"عشتار!" اور عشتار سہم کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر اُس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"اِدھر آ۔ او دغاباز عورت۔ میرے دل میں پہلے ہی شبہ تھا، کہ تیرا قاصد تیرا محبوب بھی ہو سکتا ہے۔" مین پال نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔

"تو واقعی زیرک ہے، مین پال۔!" عشتار کے بجائے میں آگے بڑھا۔ "لیکن اس کے بعد بھی تو احمق کیسے بن گیا۔؟"

"خاموش رہ او گستاخ، او بے ادب۔۔ تیری زبان کاٹ لی جائے گی!" بہلوم نے گرج کر کہا۔ اور میں مضحکانہ انداز سے اُسے دیکھنے لگا۔! پھر میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میری زبان کون کاٹے گا او موٹے چوہے، تو۔؟ کیا تیری کھوپڑی کی ہڈیاں پھر درد کر رہی ہیں۔؟"

"سنہرے بدن والے۔ میرا تجھ سے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں تجھ سے نہیں اُلجھنا چاہتا، اس بدعہد لڑکی کو میرے حوالے کر دے۔!" مین پال نے کہا۔

"سُن اے بے وقوف بادشاہ۔ تو انتہائی احمق بلکہ گدھا ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تو اپنے دوست بعل کا انتقام لینے آیا تھا، تو نے اپنے دوست کی بہن عشتار کی مدد کی اور بعل کے قاتل کو سزا دی۔ کیا تو اس کی قیمت عشتار کی شکل میں وصول کرنا چاہتا ہے۔"

"نہیں۔۔ وہ میری محبوبہ ہے۔ اُس نے وعدہ کیا تھا کہ اخشیری کی موت کے بعد وہ میری آغوش میں آ جائے گی۔!"

"تو بکواس کرتا ہے۔ اس کا وعدہ میں نے بھی سُنا تھا، اس نے کہا تھا کہ جب تک وہ اپنے بھائی کی موت کا انتقام نہیں لے لے گی، وہ دُنیا کا عیش و آرام حرام سمجھتی ہے، اس کے بعد وہ اپنی زندگی کے بارے میں سوچے گی۔!"

"کیا یہ اس کا وعدہ نہیں ہے، جبکہ میں نے اُس سے اس کی خواہش کی تھی!"

"تو اُس نے اپنی زندگی کے بارے میں سوچ لیا۔ اُس نے حکومت ٹھکرا دی ہے اور میرے پہلو میں آ گئی ہے۔"

"میں اسے اس کی سزا دوں گا۔" مین پال نے کہا۔

"میرے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے کہ اسے ہاتھ لگائے۔" میں نے عشتار کو اپنی پشت پر کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر تو نہ ہوگا۔! ربین کی قسم، تو نہ ہوگا!" مین پال نے گرجتے ہوئے کہا اور پھر بہلوم کی طرف دیکھ کر بولا۔ "بہلوم تو نے کہا تھا کہ تو نہتا ہونے کی وجہ سے اس سے شکست کھا گیا۔ اگر تیرے ہاتھ میں نیزا کھانڈا ہو تو، تو اس کے جسم

کو ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتا ہے؟"

"میں نے کہا تھا عظیم مین پال ۔ !" بہلوم نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "تو آگے بڑھ ۔۔ اور اس گستاخ اور مغرور کی زبان ہمیشہ کے لئے بند کردے!" مین پال نے کہا اور بہلوم نے نہ جانے کس دل سے اپنا کھانڈا کندھے سے اتارا۔ اور گھوڑے کو ایڑ دے کر آگے بڑھ آیا ۔!

"سنو مین پال ۔" اچانک میں نے دونوں ہاتھ بلند کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بات تو طے ہے کہ میں اپنی زندگی میں عشتار کو تمہارے حوالے نہیں کروں گا کیوں نہ ایسا کیا جائے کہ ہم دونوں آپس میں جنگ کرنے کے بجائے عشتار ہی کو قتل کردیں۔ اس طرح ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا ہی نہیں رہے گا۔"

"کیا بکتا ہے او مردود۔۔ عشتار میری محبوبہ ہے ۔ وہ میری خلوت کی زینت بنے گی، تجھے ابھی خاک و خون میں نہلا دیا جائے گا' بے شک تو نے بہلوم کے کھانڈے کا کمال ابھی تک نہیں دیکھا ہے ۔" مین پال جلدی سے بولا ۔ عشتار میری بات پر چونک کر مجھے دیکھنے لگی تھی ۔۔ لیکن میرا مقصد پورا ہو گیا تھا' مجھے مین پال کا ارادہ معلوم ہو گیا تھا ۔ وہ کسی طور عشتار کو قتل نہیں کرے گا ۔ بلکہ اس کی حفاظت کر کے میری موت کا انتظار کرے گا' چنانچہ میں نے جلدی سے کہا۔

"تب ٹھیک ہے' لیکن ایسا نہ ہو کہ یہ ہماری جنگ میں کام آجائے' اس لئے اسے کسی محفوظ جگہ کھڑا کردے' اور اس کے ہاتھ پاؤں کس دے تاکہ یہ فرار نہ ہو جائے!" عشتار کا چہرہ پُرسکون نظر آیا' شاید وہ میری چال کی سمجھ گئی تھی' چنانچہ یہی ہوا' عشتار کے ہاتھ اور پاؤں خود مین پال نے باندھے تھے اور پھر اسے ایک اونچی چٹان پر بٹھا دیا گیا ۔ تاہم عشتار کے چہرے پر خوف و دہشت تھی ۔ مین پال میری موت کا منظر دیکھنے واپس میدان میں آگیا ۔ بہلوم کھانڈا ہاتھ میں لئے مین پال کے اشارے کا منتظر تھا ۔ تب مین پال نے اسے للکارا۔

"کیا دیکھ رہا ہے بہلوم ۔ صرف ایک وار کر ۔۔ اور اسے ہمیشہ کے لئے خاموش کردے ۔" اور بہلوم کھانڈا ہاتھ میں تولنے لگا' بلاشبہ بڑا نفیس ہتھیار تھا' تیز دھار والا وزنی ہتھیار ۔۔ جو بہلوم جیسے دیو صفت کے ہاتھ میں خوب سج رہا تھا ۔ اور پھر بہلوم کے سفید دانت مضبوطی سے ایک دوسرے پر آجمے اور اس نے برق کی طرح کوند کر میرے اوپر حملہ کردیا۔

لیکن بڑا ناکام حملہ تھا' وزنی کھانڈے کو میری گردن کی طرف جھکاتے ہوئے اسے خود بھی گھوڑے پر ایک سمت جھکنا پڑا تھا' تو میں نے اس کے کھانڈے کے وار کو روکا اور اس پر ہاتھ ڈال دیا ۔ گھوڑا اپنی پشت کا بوجھ ہلکا کر کے دونوں ٹانگوں سے کھڑا ہو کر ہنہنایا' لیکن مین پال کی سمجھ میں یہ بات کسی طور نہ آسکی کہ کھانڈا کس طرح میری گرفت میں آیا اور میں نے کس طرح گھوڑے کی لٹکتی ہوئی باگیں پکڑیں! اور جب گھوڑے نے اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھے تو میں اس کی پشت پر تھا ۔ اس کی سمجھ میں یہ بات بھی نہ آسکی کہ جب خوفزدہ بہلوم نے اچھل کر میرے وار سے بچنے کی کوشش کی' تو وہ اپنی گردن سنبھالنے کیوں نہ لپکا' جو اس کے شانوں سے اچھل کر فضا میں پرواز کر گئی تھی ۔!

ہاں' اس وقت اسے صورتِ حال کی نزاکت کا احساس ہوا جب میرا گھوڑا میرے اشارے پر بے خبر کھڑے ہوئے سواروں کی طرف لپکا اور آن کی آن میں ان کے سروں پر پہنچ گیا ۔۔ بہلوم کا وزنی کھانڈا ۔ میری قوتِ بازو ۔ اور موم کی گردنیں ۔ اچھلتی ہوئی خون کی پھواروں اور ہنہنا کر الٹ جانے والے گھوڑوں کو دیکھ کر مین پال کو بگڑتی ہوئی صورتِ حال صاف نظر آگئی' اور دوسرے لمحے اس نے چیخ کر اپنے آدمیوں سے ہوشیار ہونے کو کہا ۔ اور چاروں طرف سے سمٹنے والوں نے میرے اوپر پھر حملہ کردیا ۔!

باقی آئندہ ماہ پڑھیے

مطالعہ کرنے امتحان دینے اور یادداشت بڑھانے کیلئے ایک بے حد کارآمد نفسیاتی کتاب

امتحان میں کامیابی حاصل کیجیے

قیمت :- پانچ روپے • محصول ڈاک : ایک روپیہ

مکتبۂ نفسیات ۵ ۔ فریئر مارکیٹ ، کراچی

ش، م جمیل

ٹھکرائی ہوئی

ارمانوں کے سوگ میں ڈوبا ہوا افسانہ
انتظار کا مزہ تو انتظار کرنے والے ہی جانتے ہیں

آہ بیچاری ہیلن" آپ بھی دوسروں کی طرح یہ کہہ کر مجھ پر ترس کھانے کا اظہار کرسکتے ہیں لیکن میں یہ بتانا ضروری سمجھتی ہوں کہ اگر اڑتیس سال کی ہونے کے باوجود میں اب بھی غیر شادی شدہ ہوں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کبھی قسمت نے مجھے ایسا موقع فراہم نہیں کیا۔ مجھے کئی بہت اچھے موقع ملے لیکن بس ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوگئی جس کی وجہ سے میں آج بھی غیر شادی شدہ ہوں۔

سب سے پہلے میری زندگی میں مائیکل نے قدم رکھا۔ ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ ہم عجلت میں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے جو ہمارے مستقبل کو تاریک کردے۔ مائیکل اس زمانے میں میڈیکل اسکول میں زیرِ تعلیم تھا۔ ہم نے شادی اس کے فارغ التحصیل ہونے تک ملتوی کردی یہ ایک دانشمندانہ فیصلہ تھا جلد بازی کی وجہ سے مائیکل شاید کبھی ڈاکٹر نہ بن پاتا۔ میں نے اس کے انتظار کا فیصلہ کیا اور میں نے دوسرے تمام امیدواروں کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کردیا۔ میں انتظار کرتی رہی اور پھر اچانک ایک روز مجھے مائیکل کی شادی کی خبر ملی۔ اس نے ایک ایسی لڑکی سے شادی کرلی جس کا باپ کروڑپتی تھا اور جس کی انڈیانا میں فاضل پرزے بنانے کا ایک بہت بڑا کارخانہ تھا۔

مائیکل کے انتظار میں میری عمر ستائیس سال ہوگئی۔

میرا مسئلہ شوہر کا حصول نہیں تھا بلکہ صحیح انتخاب تھا کیونکہ میں خاصی خوبصورت اور پرکشش ہوں میرے بال سرخ ہیں، میرا جسم متناسب اور پرکشش ہے، میرا چہرہ جاذبِ نظر ہے۔ میرے سامنے مسئلہ مناسب شوہر کے انتخاب کا تھا اور ہر مرتبہ میں نے غلط انتخاب کیا۔ مائیکل کے بعد ٹیڈ میری زندگی میں آیا۔ اس نے دو سال میں آٹھ بار ملازمت چھوڑ دی اور جب تنگ آکر میں نے اس پر ایک مرتبہ تنقید کردی تو وہ بگڑ کر چلا گیا۔ پھر جیف آیا جو نہ شراب پیتا تھا، نہ سگریٹ اور نہ ہی اسے گوشت کھانے سے کوئی رغبت

تھی بس وہ اپنی زندگی کے بارے میں ایک کتاب لکھنے کا خواہش مند تھا۔ اس کے بعد رالف آیا جس کی بہن کے ساتھ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچ گئی اور پھر جارج آیا جو عمر میں مجھ سے دس سال بڑا تھا اور جو اس قسم کا دانشور تھا جس سے کوئی بحث نہیں کر سکتا تھا اس نے اپنی سالی سے اس لئے شادی کر لی کہ اس کا بھائی فوت ہو گیا تھا اور اس کے بچے یتیم ہو گئے تھے۔

جب میری عمر چھتیس سال ہوئی تو میری ملاقات ہیری سے ہوئی اور پھر ہم آئندہ دو سال تک ایک دوسرے سے ملتے رہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ ہیری کسی ریاست کا شیخ یا کسی ملک کا شہزادہ نہیں تھا، وہ دانشور بھی نہیں تھا بلکہ اس کی پہلی بیوی تو اسے احمق کہتی تھی۔ اس کے کاروباری رقیب اُسے سخت ناپسند کرتے تھے ان کی رائے میں ہیری کاروباری آدمی نہیں تھا بلکہ ڈاکو تھا جو گاہکوں کو ان کے حلق سے کھینچ لیا کرتا تھا۔ اس کے گاہکوں کا خیال تھا کہ ٹائروں کے کاروبار کو اگر کوئی جانتا ہے تو وہ صرف ہیری ہے، وہ کسی ٹائر کو دیکھ کر یہ بھی بتا سکتا ہے کہ وہ کتنے ہزار میل چل کر ناکارہ ہو جائے گا جبکہ اس کے کاروباری رقیب ٹائروں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے وہ صرف ایک ہی رٹ لگاتے ہیں ہیری سے کاروبار مت کرو ہم سے کرو۔

ہیری کا ایک دوست اُسے گاؤدی کہتا تھا کہ ہیری ٹائروں کے بارے میں جتنی معلومات رکھتا ہے اگر اُسے حاصل ہوتیں تو آج وہ اگر کروڑپتی نہیں تو لکھ پتی ضرور ہوتا لیکن ہیری اپنی صلاحیتوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا اس نے ایسے گاہکوں کو پکڑا ہوا ہے جن سے کاروبار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں اس نے اپنی ساری رقم انہیں ادھار مال دے کر پھنسا دی ہے۔ ہیری بالکل گاؤدی ہے اُسے کاروبار کرنا نہیں آتا۔

اور اب ہیری کے بارے میں میرے بھائی جان کی رائے بھی سن لیجئے

”خدا کے لئے ہیلن آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ذرا اس شخص کو دیکھو، پچاس سال کی تو اس کی عمر ہے اور وہ دیکھنے میں بالکل دس نمبری بدمعاش نظر آتا ہے اور تو اور اس کی گفتگو کا انداز ہی بالکل بدمعاشوں جیسا ہے۔ میں جارج ہی کو روتا تھا لیکن وہ ہیری سے بدرجہا بہتر تھا۔ وہ کم از کم تعلیم یافتہ تو تھا“

”ہم کس کے بارے میں گفتگو کریں گے جان؟“ میں نے کہا۔ ”ہیری کے بارے میں یا جارج کے بارے میں؟“

”ہم کسی کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے ہیلن!“ جان نے تیز لہجے میں کہا۔ ”تم میری بہن ہو میں تمہیں اس طرح آنکھیں بند کر کے کنویں میں چھلانگ لگاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ ذرا عقل سے کام لو ہیلن۔ ذرا اپنے مستقبل پر نظر ڈالو۔ ہیری نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے اس لئے اُسے عمر بھر ہر مہینے اُسے خرچہ دینا پڑے گا اور وہ کماتا ہی کتنا ہے اور پھر اُسے بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے“

”جان میں نے کتنی بار تمہیں بتایا ہے کہ جب ہیری کی بیوی دوسری شادی کر لے گی تو ہیری کو اُسے خرچہ نہیں دینا پڑے گا اور رہا اس کی عمر کا سوال تو اگر وہ پچاس سال کا ہے تو میں بھی اڑتیس سال کی ہوں اور اس عمر میں مجھے اپنی کھڑکی کے نیچے کسی کے گٹار بجانے کی آواز نہیں سنائی دیتی“

لیکن میرا بھائی جان اس قسم کا آدمی نہیں تھا جو خود کو دوسرے کی جگہ رکھ کر اس کے احساسات و جذبات سمجھنے کی کوشش کرے۔ ہر عورت کو ایک گھر کی ضرورت ہوتی ہے اور اُسے صرف یہی احساس زندہ رکھتا ہے کہ ایک گھر کی اس کو ضرورت ہے وہ کوئی فضول شے نہیں ہے اس کے علاوہ خود جان کی زندگی اب ایک ڈگر پر چل رہی تھی۔ وہ ایک کمپنی میں اسسٹنٹ منیجر تھا اور اسی سال اس کی شادی ہونے والی تھی۔ اس کا مستقبل اور اس کی زندگی دونوں بہت تابناک نظر آتے تھے۔

جہاں تک ہیری کا سوال تھا میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اُسے اگر کسی نے سمجھا تو وہ صرف میں تھی۔ ہیری اس قسم کا آدمی تھا کہ ایک روز وہ مجھ سے کہنے لگا۔ ”ہیلن کیا تم نے کبھی یہ محسوس کیا ہے کہ دنیا ایک بہت بڑے غبارے کی طرح ہر لمحے پھول کر بڑی ہوتی جا رہی ہے اور تم اس کے ایک کنارے پر تنہا بیٹھی ہو، کبھی کبھی جب میں بڑے بڑے گوداموں میں ٹائر دیکھنے جاتا ہوں یا تو اچانک مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں یہاں کیا کرنے آیا ہوں؟ میں کہاں جا رہا ہوں؟ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں ایک دائرے میں چل رہا ہوں اور میری کوئی منزل نہیں“

اس کے بارے میں لوگوں کا یہ خیال غلط تھا کہ وہ بہت موٹا ہے وہ موٹا نہیں تھا لیکن اس کا جسم غیر معمولی طور پر چوڑا تھا، اس کے جبڑے بہت بھاری تھے اور اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹی ہوئی تھی اور ہاتھ بہت بڑے تھے۔ وہ بدمعاش بھی نہیں تھا لیکن کمزوریاں کس انسان میں نہیں ہوتیں۔ جہاں تک کاروبار کا تعلق تھا تو آج کل امریکہ میں چھوٹے تاجر کب ترقی کرتے ہیں۔ انہیں سرمایہ دار کھا جاتے ہیں۔ ٹائروں کے کاروبار سے پہلے اس کا ایک گیراج تھا اور اس سے پہلے وہ ایک انجینئرنگ کمپنی میں ملازم تھا اور ایک مرتبہ اس نے پرانی موٹروں کی خرید و فروخت کا کام بھی کیا تھا۔ خود میں نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی تھی اور میں زمینوں و مکانوں کی خرید و فروخت کرنے والی ایک کمپنی میں بطور سیکریٹری ملازم تھی اس لئے میرے بھائی جان کا خیال تھا کہ ہیری میرے لئے موزوں شوہر ثابت نہیں ہوگا۔ خدا کا شکر ہے جان نے کبھی مجھے ہیری کے بٹن ٹانکتے ہوئے یا اس کی ٹائی کی گرہ درست کرتے ہوئے یا اُسے یہ سمجھاتے ہوئے کہ بہت زور سے نہیں ہنسنا چاہیئے مجھے نہیں دیکھا ورنہ وہ یہ کہہ کہہ کر میرا جینا حرام کر دیتا کہ دیکھا میں کیا کہتا تھا ہیری تمہارے قابل نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھ سکتا کہ جب کوئی عورت کسی کو پسند کرتی ہے تو اس کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ اس کا محبوب اپنے بہترین لباس اور بہترین شکل میں نظر آئے۔

خیر اب ان باتوں کو کریدنے سے کیا فائدہ میں جو واقعہ بیان کرنا چاہتی ہوں اس کا آغاز منگل سے ہوا تھا۔

میں نے پہلے بتلایا ہے کہ میں زمینوں اور مکانوں کی خرید و فروخت کرنے والی ایک کمپنی میں ملازم ہوں۔ اس روز شام ساڑھے چار بجے ایک صاحب مجھے ایک مکان کے سلسلے میں نو ہزار ڈالر کا چیک دے گئے۔ یہ چیک انھوں نے ایک مکان خریدنے کے سلسلے میں دیا تھا۔ میں نے مکان کی مالکہ کو ٹیلیفون

کرکے اس مکان کی فروخت کی اطلاع دی میرے باس اس وقت دفتر میں نہیں تھے میں نے انہیں چیک کی رسید دے کر رخصت کردیا اور پھر دفتر بند کرکے باہر نکل آئی۔ میں نے رات کا کھانا تنہا ایک معقول سے ہوٹل میں کھایا اور پھر میں پیدل اس جگہ تک آئی جہاں ہیری نے مجھ سے اس رات ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس روز دن میں بارش ہوئی تھی اس لئے سڑکیں وغیرہ گیلی تھیں اور مجھے وہاں ایک عمارت کے دروازے کے قریب کھڑے ہوکر ہیری کا انتظار کرنا بڑا عجیب سا لگا۔ چونکہ میرا بھائی جان ہیری کو پسند نہیں کرتا تھا اور ہیری کو اس کا علم تھا اس لئے وہ مجھ سے ملاقات کے لئے میرے گھر نہیں آتا تھا اور ہم جگہ اور وقت کا تعین کرکے اسی طرح ملاقاتیں کرتے تھے یہ سلسلہ دو سال سے جاری تھا۔ ہیری کو آنے میں دیر ہوگئی اور جب وہ آیا تو رات کے نو بج رہے تھے میں اس کی کار میں اگلی نشست کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

"کیا تم بہت دیر سے میرا انتظار کررہی تھیں؟ مجھے اپنے دفتر میں ذرا دیر ہوگئی۔" ہیری نے کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔ کچھ زیادہ دیر نہیں۔" میں نے کہا

"کیا تم نے نیا لباس خریدا ہے؟"

"نہیں۔ میں نے صرف اس کے بٹن تبدیل کئے ہیں اور اس کی بیلٹ نکال دی ہے۔"

"اوہ۔" ہیری کو بڑی حیرت ہوئی۔ "یہ تو بالکل بدل گیا ہے۔"

ہیری کچھ کھویا کھویا سا نظر آرہا تھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے اپنی گاڑی کا رخ واشنگٹن اسٹریٹ کی طرف رکھا تھا۔

"سب ٹھیک ہے ہیری؟" میں نے اسے پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں۔ کوئی چیز ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا اس کی آواز میں غصے اور ناراضگی کا عنصر شامل تھا۔

"کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟"

"کریگٹن دیوالیہ ہوگیا۔" اس نے جواب دیا

کریگٹن اس کا ایک گاہک تھا۔ اس کے ٹرک تو نہیں چلتے تھے البتہ ٹرکوں کے فاضل پرزے اور ٹائر فروخت کرنے کا کاروبار تھا۔

"کوئی بات نہیں ہیری۔ تمھارے پاس ابھی دوسرے گاہک موجود ہیں۔ ایک کم ہوگیا تو کیا ہوا۔"

"نہیں نہیں نہیں۔ یہ بات نہیں ہے۔" ہیری نے کہا۔ "تم غلط سمجھیں کریگٹن کو میں نے ادھار مال دیا ہوا تھا جو کہ میں نے فیکٹری سے ادھار لیا تھا۔ فیکٹری مجھے ادھار مال دیتی تھی اور میں کریگٹن کو مال ادھار دیتا تھا جب وہ مجھے پیسے دیتا تھا تو میں وہ پیسے فیکٹری کو ادا کردیتا تھا اس طرح مجھے کچھ نفع مل جاتا تھا اب کریگٹن دیوالیہ ہوگیا ہے اور مجھے فیکٹری کو رقم ادا کرنی ہے۔"

"تمھارا مطلب ہے کہ تمہیں فیکٹری کو پیسے ادا کرنے ہوں گے۔ چاہے کریگٹن تمہیں پیسے دے یا نہ دے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں کیوں کہ انھوں نے وہ ٹائر مجھے فروخت کئے تھے کریگٹن کو نہیں۔ اگر اب میں انہیں پیسے دینے سے انکار کردوں گا تو وہ آئندہ مجھے کوئی مال نہیں دیں گے اور اس طرح مجھے سارا کاروبار بند کرنا پڑجائے گا۔"

"تو تمھارے پاس فیکٹری کو دینے کے لئے پیسے ہیں؟"

"نہیں۔ ایک پیسہ بھی نہیں۔ خدا غارت کرے گریس کو اس نے مجھے بالکل قلاش کردیا ہے۔" ہیری نے کہا۔ گریس اس کی سابقہ بیوی کا نام تھا۔

"کیا تم اپنے گودام کو گروی رکھ کر بینک سے قرض نہیں لے سکتے"

"نہیں۔ میں پہلے اسے گروی رکھ کر قرض لے چکا ہوں۔"

"تمہیں کتنی رقم فیکٹری کو دینی ہے؟"

"پندرہ ہزار ڈالر۔"

"پندرہ ہزار ڈالر" میں حیرت بھری آواز میں چلائی۔ "تم نے کریگٹن کو پندرہ ہزار ڈالر کا مال ادھار دیا ہوا تھا؟"

"نہیں۔ اسے تو صرف سات ہزار کا مال دیا تھا۔ باقی آٹھ ہزار ڈالر کا مال دوسرے دو گاہکوں کو دیا ہوا ہے جو دو چار روز میں مجھے پیسے دیدیں گے لیکن مجھے تو فیکٹری میں پورے پندرہ ہزار ڈالر کی رقم ادا کرنی ہے۔ ایک بات اور بتاؤں آج ہی مجھے ایک گاہک کی طرف سے دس ہزار ڈالر کے ٹائروں کا آڈر ملا ہے اور وہ گاہک مال موصول ہوتے ہی رقم ادا کردیتا ہے لیکن میں اسے مال نہیں بیچ سکتا کیونکہ میں جب تک فیکٹری کا پرانا حساب بیباق نہیں کروں گا وہ مزید مال نہیں دیں گے۔ مجھے دس ہزار کے مال پر دو ہزار ڈالر نفع ہوگا۔ اگر کسی طرح مجھے صرف اڑتالیس گھنٹوں کے لئے آٹھ ہزار ڈالر مل جائیں تو وہ میں فوراً فیکٹری کو ادا کرکے مال اٹھالوں گا اور فیکٹری والوں کو سمجھا بجھا کر پچھلا حساب صاف کرنے کے لئے مہلت حاصل کرلوں گا۔ میں آج سارے دن بینک میں بیٹھا رہا انھوں نے بھی صاف انکار کردیا۔" ہیری نے تلخ لہجے میں ہنستے ہوئے کہا۔

"تم اپنے ان دو گاہکوں سے بات کرو جنہیں تم نے آٹھ ہزار ڈالر کا مال ادھار دیا ہوا ہے۔ اگر تم انہیں صورتِ حال سمجھاؤ گے تو وہ ضرور اس مرتبہ جلدی رقم ادا کردیں گے۔" میں نے کہا

"میں نے کوشش کی تھی اور انہیں مجھ سے ہمدردی بھی ہے وہ فی الحال فوری طور پر رقم ادا نہیں کرسکتے بلکہ آئندہ ایک آدھ مہینے تک بھی کوئی امید نہیں۔"

"کسی دوست سے ادھار مانگ لو۔ کوئی نہ کوئی ضرور تمھاری مدد کرے گا۔ تمھارے سارے دوست تمہیں پسند کرتے ہیں۔"

"وہ مجھے اسی لئے پسند کرتے ہیں کہ میں کبھی ان سے قرض نہیں مانگتا۔ تمہیں ان معاملات کا کوئی تجربہ نہیں ہے ہیلن۔ کیسا ہی اچھا دوست ہو رقم کا نام سنتے ہی طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتا ہے اور ساری عمر کے لئے تعلقات خراب ہوجاتے ہیں۔ میں اپنے دوستوں سے قرض مانگنے کی بجائے یہ کاروبار بند کرکے کوئی دوسرا دھندا شروع کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

میرا دل بیٹھنے لگا۔ "تو کیا صورتِ حال اتنی خراب ہے ہیری؟ کیا تمہیں یہ کاروبار ختم کرنا پڑجائے گا؟"

”ختم کرنا چہ معنی دارد ختم ہوگیا۔ فیکٹری اب مجھے مال نہیں دے گی اور جب مجھے فیکٹری سے مال نہیں ملے گا تو میں بیچوں گا کیا۔؟ کیا تم اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتیں۔؟“

میں خاموش ہوگئی۔ ہیری بھی خاموش ہوگیا۔ اس کی نظریں سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ ہارا ہوا جواری نظر آرہا تھا۔ ہماری گاڑی بہت دیر تک بلامقصد سڑکوں پر اِدھر اُدھر گھومتی رہی۔

”اگر بینک تمھیں آٹھ ہزار ڈالر دے دیتا تو آخر تم کس طرح انہیں وہ رقم اڑتالیس گھنٹوں میں واپس کردیتے ہیری؟“ میں نے پوچھا۔ ”ظاہر ہے پہلے تمہیں وہ رقم فیکٹری کو دینی پڑتی اور انہیں آرڈر دینا پڑتا پھر وہ مال تیار کرتے اسے تمہیں روانہ کرتے تم یہاں اپنے گاہک کو دیتے۔ مال کے ساتھ تم انہیں اس کا بل بھی دیتے اور پھر اس کی ادائیگی بھی فوراً نہیں ہوسکتی کم از کم دو چار روز تو ضرور لگتے ہیں۔“

”فیکٹری میں ہر وقت چالیس پچاس ہزار ڈالر کا مال تیار پڑا رہتا ہے۔“ ہیری نے کہا۔ ”مجھے صرف یہ کرنا پڑتا کہ میں انہیں رقم ٹیلیگرام سے بھیجتا اور ٹیلیفون پر انہیں اپنا آرڈر لکھوا کر انھیں فوراً ہی مال روانہ کرنے کی ہدایت کردیتا اگر آج شام تک میں یہ کام کرلیتا تو صبح وہ ٹائر پیٹیوں میں بند کرکے مجھے روانہ کردیتے اور رہا میرے گاہک کا سوال تو وہاں سب لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں میں نے انہیں کئی اچھے گاہک بھی دیئے ہیں۔ مجھے صرف اتنا کرنا پڑتا کہ میں مال ان کے گودام میں ڈال کر اپنے بل کے ساتھ ان کے دفتر چلا جاتا اور وہ مجھے اسی وقت چیک بنا کر دیدیتے۔ وہاں کا اکاؤنٹنٹ میرا اچھا دوست ہے وہ میرا بہت خیال کرتا ہے مجھے اس سے کچھ کہنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔“

میں اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ ”ہیری کیا تمہیں پورا یقین ہے؟“

”کیا مطلب ہے تمھارا؟“ اس نے حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”ہمیشہ سے ان لوگوں کا رویہ میرے ساتھ یہی رہا ہے۔“

”اور تم اڑتالیس گھنٹوں میں رقم واپس کردو گے؟ اس میں مزید تاخیر کا کوئی امکان نہیں ہوسکتا؟“

”ہاں ہاں لیکن۔“ ہیری نے گاڑی کی رفتار دھیمی کرتے ہوئے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا۔

”اور اگر تمہیں آٹھ ہزار ڈالر مل جائیں تو تمہیں یہ کاروبار بند نہیں کرنا پڑے گا؟“ ہیری نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ ”آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“

میں نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”میں تمھارے لیے آٹھ ہزار ڈالر کا بندوبست کرسکتی ہوں بشرطیکہ تمہیں اس کا یقین ہو کہ تمہیں یہ رقم اڑتالیس گھنٹوں میں واپس مل جائے گی۔“

ہیری کچھ دیر غیر یقینی نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ میں نے شام ہی کو ایک گاہک کا نو ہزار ڈالر کا چیک جمع کرایا تھا میں دو روز کے لئے وہ رقم ہیری کو دے سکتی تھی کیونکہ فروخت کے کاغذات مکمل ہونے میں کئی روز لگ جاتے ہیں اور جب تک ان کاغذات پر دستخط نہیں کیے جاتے ہم مکان فروخت کرنے والوں کو رقم ادا نہیں کرتے اور اس طرح مکان خریدنے والے کی پیشگی رقم دو تین روز ہمارے پاس رہتی ہے۔ میرے باس مجھ پر بہت اعتماد کرتے ہیں اس لیے انھوں نے مجھے بینک سے معاملات کرنے کے لئے پورے اختیارات دے رکھے تھے۔ میں بآسانی آٹھ ہزار ڈالر کی رقم بینک سے نکلوا کر ہیری کو دے سکتی تھی اور دو روز بعد اسے واپس جمع کرسکتی تھی اس کا علم میرے باس کو نہیں ہوسکتا تھا۔

”آٹھ ہزار ڈالر؟ ہیلن کیا تمھاری کوئی دولت مند چچی مرگئی ہے؟“ ہیری نے کہا۔

”نہیں۔ نہیں۔“ میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ میں اسے حقیقت سے آگاہ نہیں کرسکتی تھی اس صورت میں ہیری کبھی مجھے اس حرکت کی اجازت نہیں دیتا۔ ”دراصل ہمارا مکان میرے اور میرے بھائی کی مشترکہ ملکیت ہے میں اسے بینک میں رہن رکھ کر دو روز کے لئے ان سے آٹھ ہزار ڈالر قرض لے لوں گی۔“

”اپنے بھائی کو بتائے بغیر؟“

میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اگر اس وقت میرا چہرہ روشنی میں ہوتا تو ہیری ضرور میرے جھوٹ کو پکڑ لیتا۔ ”بات یہ ہے کہ میں نے اور جان نے ایک مرتبہ مکان کو گروی رکھ کر بینک سے قرض حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا اس وقت ہمارا خیال سمندر کے کنارے ایک کیبن خریدنے کا تھا اس سلسلے میں جان نے بینک سے بات بھی کی تھی اور وہ قرض دینے پر تیار تھے۔ میں قرض کی دستاویزات پر اپنے علاوہ جان کے دستخط بھی کردوں گی بینک والوں کو شبہ بھی نہیں ہوگا اور پھر اڑتالیس گھنٹے کی تو بات ہے۔“

ہیری خاموش رہا۔

”اس طرح تمھارا کاروبار تباہ ہونے سے بچ جائے گا۔“ میں نے کہا

”اگر تمھارے بھائی کو معلوم ہوگیا تو؟“

”اسے کیسے معلوم ہوگا۔ دو روز کے لئے وہ شہر سے باہر جارہا ہے اور جب تک وہ واپس آئے گا میں بینک کو رقم واپس کرچکی ہوں گی۔“ میں نے پھر جھوٹ بولتے ہوئے کہا

ہیری کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ”ہاں اس طرح کام تو بن سکتا ہے۔“ اس نے نروس انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

”تمہیں پورا یقین ہے ہیری کہ تم اڑتالیس گھنٹوں میں رقم واپس کردو گے؟“

”ہاں ہاں نہ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن مجھے تمھارا خیال کچھ زیادہ پسند نہیں آیا۔ تمہیں معلوم ہے جان مجھے بالکل پسند نہیں ....“

”کیا تم مجھ سے کل گیارہ بجے بینک کے باہر ملاقات کرسکتے ہو؟“

”کیوں نہیں۔ لیکن —“

”بس تو ٹھیک ہے۔ تم مجھے بینک کے دروازے کے قریب کل صبح گیارہ بجے مل جانا۔“

”بہت اچھا۔ ضرور۔“ ہیری کی آواز ڈوب گئی۔ وہ خاموش رہا. میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا. غالباً میری تجویز پر غور کررہا تھا اس کے چہرے سے ظاہر ہونے والے آثار سے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اس تجویز کا مخالف ہو لیکن بے حد مجبوری کی وجہ سے اسے قبول کرنا پڑ رہا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ایک مرتبہ میں نے اور جان نے اپنا مکان

گروی رکھ کر سمندر کے کنارے ایک کیبن خریدنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن ہم نے اس سلسلے میں کبھی بینک سے گفت و شنید نہیں کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے ہیری کو یہ کہانی گھڑ کر سنا دی۔ بینک سے رقم نکلوا کر ہیری کو دینے کا مسئلہ بہت آسان تھا اس میں مجھے کسی قسم کی دقت پیش آنے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن میں نے کبھی اس قسم کی کوئی حرکت نہیں کی تھی ہیری سے وعدہ کرنے کے بعد جب میں نے اس پر غور کیا تو میں آنے والے وقت کے خیال سے دہشت زدہ ہونے لگی۔

ہیری مجھے ایک معقول ہوٹل میں لے گیا جہاں اس نے کھانا کھایا اور میں نے شیری پی۔ کھانے کے دوران اس کا موڈ بہت خوشگوار ہو گیا وہ مجھ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگا میں ہنسی میں اس کا ساتھ نہ دے سکی۔ جب میں گھر واپس آئی تو مجھے یہ سوچ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ہیری نے میرے رویّے میں کسی تبدیلی کو محسوس نہیں کیا۔

دوسرے روز صبح میں باس سے اجازت لے کر نوہزار ڈالر کا چیک بینک میں جمع کرانے گئی۔ اعصابی تناؤ کی شدت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ مجھے چیک جمع کرنے کے لئے تین مرتبہ سلپ بھرنی پڑی ہر مرتبہ کوئی نا کوئی غلطی ہو جاتی تھی۔ چیک جمع کرنے کے بعد میں نے آٹھ ہزار ڈالر کا ایک چیک بھنایا اور رقم ایک لفافے میں ڈال کر بینک سے باہر کھڑی ہوگئی۔ ٹھیک گیارہ بجے ہیری کی گاڑی بینک کے دروازے پر رکی، میں نے کھڑکی سے اندر جھانکتے ہوئے اس کی طرف لفافہ بڑھایا "ہیری مجھے یقین ہے تم اڑتالیس گھنٹوں میں رقم واپس کرسکو گے؟"

"تم بے فکر رہو ہیلن، البتہ میں تمھارے بھائی کی طرف سے فکرمند ہوں اگر اسے اس معاملہ کا علم ہو گیا تو خواہ مخواہ تمھارے درمیان تلخ کلامی ہو جائے گی۔"

"ارے نہیں۔ ہم دو روز میں رقم واپس بینک کو دے دیں گے اور جان دو روز کے بعد واپس آئے گا۔ اسے آخر کیسے معلوم ہوسکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ہاں سنو آج رات شاید ہماری ملاقات نہ ہوسکے کیونکہ میں ایک آدمی کو آج کھانے پر مدعو کر رہا ہوں اس نے ایک مرتبہ میرا کاروبار خریدنے کی پیش کش کی تھی۔ میں اُسے اپنے کاروبار میں شریک کرنے کے بارے میں غور کر رہا ہوں اگر وہ شرکت پر تیار ہو گیا تو ظاہر ہے وہ اپنے ساتھ سرمایہ لائے گا اس طرح میرا وہ نقصان پورا ہو جائے گا جو کریگٹن کے دیوالیہ ہونے سے ہوا تھا اور ایک مرتبہ پھر میں آسانی سے کاروبار چلا سکوں گا۔"

"کیا تم — کیا تم یہ کاروبار تنہا چلانا نہیں چاہتے ہیری؟"

"تم شادی کرنا چاہتی ہو یا نہیں؟ کسی کو شریک کئے بغیر میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں گریس کو ماہانہ خرچہ بھی دیتا رہوں اور تم سے شادی کرکے علیحدہ گھر بھی بساؤں۔ مزید سرمائے کے بغیر کاروبار میں وسعت ناممکن ہے اور آمدنی میں اضافے کے لئے سرمایہ درکار ہوتا ہے۔"

میرا دل دھڑکنا بھول گیا چند لمحوں کے لئے میرے ہوش و حواس منجمد ہو گئے یہ پہلا موقع تھا جب ہیری نے مجھ سے باقاعدہ شادی کرنے کے ارادے کا اظہار کیا تھا۔ یہ ایک طرح سے رسمی اعلان تھا "کیا ہمارے لئے یہ ممکن ہوگا ہیری؟"

"کیوں نہیں بس مجھے تھوڑے سے سرمائے کی ضرورت ہے پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں آج رات اس آدمی سے بات کروں گا اگر مجھے زیادہ دیر نہیں ہوئی تو میں تمہیں فون پر بات چیت کے نتیجے سے آگاہ کر دوں گا۔"

اس رات جب میں گھر پہنچی تو مسرّت سے میرا چہرہ دمک رہا تھا میرے بھائی جان نے مجھے حیرت بھری نظروں سے دیکھا "کیا بات ہے ہیلن، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تمھارے باس نے غیر متوقع طور پر تمھاری تنخواہ میں اضافہ کر دیا ہو"

میرا خیال ہے کہ میرے جواب میں طنز کا عنصر کچھ زیادہ ہی شامل ہو گیا تھا "بات یہ ہے میرے عزیز بھائی کہ مستقبل قریب میں صرف تمھاری ہی نہیں میری بھی شادی ہونے والی ہے۔"

جان اس وقت سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا تاکہ وہ شیو بنا کر اپنی منگیتر سے ملنے جائے۔ اس کے اٹھتے ہوئے قدم رک گئے "تم مذاق کر رہی ہو ہیلن"

"اس عمر میں شادی کے متعلق میں ہرگز مذاق نہیں کرسکتی"

"ہیری کے ساتھ۔؟"

"ہاں"

جان سیڑھیوں سے نیچے اتر آیا "کیا واقعی اس نے یہ تجویز پیش کی ہے؟"

"ہاں"

"اور اس کی سابقہ بیوی کا کیا ہوگا؟ میرا خیال ہے کہ اسے ہر ماہ اُسے خرچہ دینا ہوتا ہے"

"ہاں اور آئندہ بھی اسے اس وقت تک گریس کو خرچہ دینا ہوگا۔ جب تک وہ کسی سے شادی نہیں کرلیتی لیکن اب ہیری اپنے کاروبار کو بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ آمدنی بڑھ جائے اور ہم شادی کرسکیں۔ آخر ہم کب تک اس کی سابقہ بیوی کی دوسری شادی کا انتظار کریں گے"

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ شادی کسی شرط کے ساتھ منسلک ہو"

"کوئی شرط نہیں ہے" میں نے غصّے بھری آواز میں کہا "بات صرف اتنی ہے کہ ہیری کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ وہ میرے اخراجات کے ساتھ اپنی سابقہ بیوی کو بھی خرچہ دے اس لئے اب وہ ایک ایسے شراکت دار کی تلاش میں ہے جو کاروبار میں سرمایہ لگا سکے۔ ایک بہت بڑی کمپنی سالوں سے اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ ہیری انہیں اپنے کاروبار میں شریک کرلے اور ہیری اب تک انکار کرتا رہا ہے اب وہ ان سے بات چیت کر رہا ہے تاکہ ہم جلد از جلد شادی کرلیں"

جان خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا وہ کچھ شرمندہ سا نظر آرہا تھا۔

"میں نے — میں نے شاید ہیری کو سمجھنے میں غلطی کی تھی" اس نے کہا

جان لباس تبدیل کرکے اپنی منگیتر سے ملنے چلا گیا اور سالوں بعد مجھے پہلی مرتبہ اُسے اپنی منگیتر سے ملنے کے لئے جاتا ہوا دیکھ کر تنہائی کا احساس

PAKISTANIPOINT

نہیں ہوا۔ جان جب بھی اپنی منگیتر سے ملنے جاتا تھا تو مجھے ایک عجیب قسم کی تنہائی کا احساس ہوتا تھا جیسے میں پوری کائنات میں تنہا رہ گئی ہوں لیکن اس رات جان کے جانے کے بعد مجھے ایک قسم کی خوشی کا احساس ہوا میں نے اپنے لئے گرم گرم کافی بنائی اور ٹی وی کھول کر بیٹھ گئی جس پر ایک ویسٹرن فلم دکھائی جا رہی تھی میں اس فلم سے بہت لطف اندوز ہوئی جو بچوں کے لئے دکھائی جاتی ہے آج مجھے اپنے وجود میں کوئی خلا محسوس نہیں ہو رہا تھا

دوسرے روز جب میں اپنے دفتر گئی تو میرے باس غیر حاضر تھے۔ انھوں نے میرے لئے ایک پیغام چھوڑا تھا کہ انھوں نے اپنے وکیل کو مکان کی فروخت کے کاغذات تیار کرنے کا حکم دے دیا ہے اور وہ خود اپنی بیوی کو اس کے بھتیجے کی شادی میں شرکت کے لئے ایلن ٹاؤن لے جا رہے ہیں۔ ان کی غیر حاضری میں مجھے دفتر کی دیکھ بھال کرنی ہے۔ مجھے وہ رقعہ پڑھ کر بہت سکون ہوا۔

ہیری نے صبح دس بجے مجھے ٹیلیفون کیا۔ ”ہیلو ہیلن! کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں۔ میں کل رات بہت دیر تک تمھارے فون کا انتظار کرتی رہی“۔ میں نے شکائتی لہجے میں کہا۔

”کل ہمیں معاملات طے کرنے میں رات کے دو بج گئے میں نے سوچا کہ تم سو گئی ہو گی اس لئے تمھاری نیند خراب کرنے سے کیا فائدہ“

”پھر کیا طے پایا؟“

”وہ سرمایہ لگا کر کاروبار میں آدھے کے شریک بننے پر تیار ہو گئے ہیں۔ شراکت کے کاغذات پر پہلی جولائی کو دستخط کئے جائیں گے“۔

نجانے کیوں پہلی جولائی کا نام سن کر دل ڈوبنے لگا پہلی جولائی کو آنے میں ابھی دو ماہ باقی تھے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی بھی کام فوراً نہیں ہو گا ہر کام مستقبل پر ٹلتا رہے گا اور پھر کوئی نا کوئی ایسی بات پیدا ہو جائے گی کہ انتظار کی کڑیاں اور بڑھ جائیں گی۔ میں .... انتظار کرنے کی اس قدر عادی ہو گئی تھی کہ مجھے ہیری کی زبانی یہ سُن کر کہ شراکت کے کاغذات پر پہلی جولائی کو دستخط کئے جائیں گے ۔۔۔ یہ شبہ ہونے لگا کہ اس سال پہلی جولائی نہیں آئے گی پھر بھی مجھے یہ احساس ضرور ہوا کہ ایک طرح سے یہ خبر میرے لئے مسرتوں کا پیام ہے۔

”مبارک ہو ہیری۔ خدا وہ دن جلد لائے“ میں نے اپنی آواز میں جوش پیدا کرتے ہوئے کہا۔

”ایک خوشخبری اور سنو۔ میں نے رقم کے بارے میں تم سے اڑتالیس گھنٹوں کا وعدہ کیا تھا نا؟“

”ہاں ہاں کیا ہوا؟“ میں نے جلدی سے پوچھا۔ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ”سنو میں نے کل فیکٹری کو فون کیا تھا۔ اتفاق سے انھوں نے اتنی رقم کے ٹائر یہاں ایک اور کمپنی کو کل ہی روانہ کئے تھے جو آج یہاں پہنچ جائیں گے۔ فیکٹری والوں نے کہا کہ ان کے گاہک کو مال وصول کرنے کی اتنی جلدی نہیں ہے اس لئے وہ مال میں وصول کر لوں اور وہ اس گاہک کو دوبارہ مال بھیج دیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں آج رات ہی تمھاری رقم واپس کر دوں گا!“

”آج رات؟“

”ہاں ہاں میں مال اپنے گاہک کے گودام میں پہنچا کر اپنا بل لے کر کمپنی کے دفتر جاؤں گا۔ وہاں ہیرلیسن میرا بہت خیال کرتا ہے بس اُسے ذرا وسکی کے دو ایک گلاس پلانے پڑیں گے وہ اسی وقت مجھے چیک بنا کر دیدے گا۔ میں رات آٹھ بجے تمھارے پاس تمھارے گھر آؤں گا۔ جان تو آج کل شہر سے باہر ہے اس لئے کیوں نا موقع سے فائدہ اٹھا کر ۔۔۔“

”نہیں نہیں ہیری“ میں نے جلدی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تم سے ایک چھوٹا سا جھوٹ بولا تھا۔ جان شہر سے باہر نہیں گیا وہ یہیں موجود ہے لیکن اسے اس معاملے کا علم نہیں ہے۔ خیر تم ایسا کرو ہیری کہ رات گھر آہی جاؤ۔ میں نے کل ہی جان کو شادی کے بارے میں بتا دیا تھا اس نے تمھارے بارے میں بڑی غلط رائے قائم کی تھی جس پر وہ اب بہت شرمندہ ہے“۔

”تو میں آجاؤں؟“ ہیری نے غیر یقینی لہجے میں پوچھا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں“

وہ سارا دن میں نے عجیب بے تابی میں گزارا۔ میں سارے دن یہی سوچتی رہی کہ ہم جب کبھی اپنی زندگی کے کسی اہم واقعے کا انتظار کرتے ہیں، تو وقت ہمارا سب سے بڑا دشمن بن کر سامنے آتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے شراکت کے کاغذات دو روز میں تیار ہو سکتے تھے اور ہم اگلے ہفتے شادی کر سکتے تھے

اس رات گھر پہنچ کر میں نے جان کو بتایا کہ ہیری مجھ سے ملنے آٹھ بجے گھر پر آئے گا میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ کم از کم اس وقت تک گھر میں رکے جب تک ہیری نہیں آجاتا۔ اُسے خوش آمدید کہہ کر وہ جہاں جی چاہے چلا جائے۔

”ضرور۔ ضرور ہیلن“ جان نے کہا۔ ”سنو ہیلن ۔۔۔ میں۔ میں واقعی بہت شرمندہ ہوں ہیلن۔ میں نے ماضی میں اُسے بہت برا بھلا کہا ہے۔ بات یہ ہے کہ اس دنیا میں تمھارے علاوہ میرا اور کوئی نہیں ہے اور میں ہیری کو بالکل نہیں جانتا۔ تم سمجھ سکتی ہو ہیلن اگر ہیری کے بارے میں میرے دل میں غلط وسوسے پیدا ہوئے تو اس میں میرا کوئی ۔۔۔“

”بس بس جان“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں سمجھ گئی تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ جاؤ تمہیں معاف کیا تم بھی کیا یاد کرو گے کیسی فراخ دل بہن سے واسطہ پڑا تھا“

جان کچھ شرمندہ سا ہو کر ہنسنے لگا۔ ”اچھا ہیلن ٹھیک ہے تمہیں میرا مذاق اڑانے کا حق پہنچتا ہے۔ ہاں یہ تو بتاؤ ہیری پینے میں کیا پسند کرتا ہے میں ذرا شہر کی طرف جا رہا ہوں اس کا پسندیدہ مشروب لیتا آؤں گا“

اس روز ایک طویل عرصے بعد مجھے پہلی بار یہ محسوس ہوا کہ اب کی بار کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی۔ اس مرتبہ ہر کام اپنے وقت پر ہو جائے گا! آٹھ بجے جب میں نے اطلاعی گھنٹی کی آواز سنی تو میں اوپر اپنی خواب گاہ میں بیٹھی ہوئی اپنی ایک پرانی اسکرٹ درست کر رہی تھی گھنٹی کی آواز سنتے ہی میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی میں اچھل کر بستر پر سے کھڑی ہو گئی اور آئینے میں اپنے سراپا کا جائزہ لینے لگی۔ اچانک کانوں پر نظر پڑتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میں نے بھاگ کر اپنا زیورات والا ڈبہ کھولا اور اندر سے ایک جوڑی بندے نکالے جن کے سروں پر اسپرنگ والے کلپ لگے رہتے ہیں اور انہیں کان کی

لووں میں خبطی کی طرح اٹکایا جاتا ہے۔ میں وہ بندے جلدی جلدی کانوں میں لگانے لگی اور پھر گھوم کر آئینے میں اپنے لباس کا جائزہ لیا ــــ اچانک کسی نے میری خوابگاہ کے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟"

"ہیلن، میں اندر آجاؤں؟" مجھے اپنے بھائی کی آواز سنائی دی۔

"آجاؤ" میں نے اپنی مسرّت دباتے ہوئے کہا۔

لیکن جب جان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور میری نظر اس کے چہرے پر پڑی تو میرا دل انجانے خوف سے لرزنے لگا۔ میں نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ "جان کیا تم نے اس چہرے سے میری کا استقبال کیا ہے؟"

"ہیلن" جان نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "یہ مکان کو گروی رکھنے کا کیا چکر ہے؟" جان نے بے حد سنجیدگی سے دریافت کیا۔

میں بس کھڑے کھڑے جان کی شکل دیکھتی رہی۔

"ہیلن؟" جان نے کہا

"ہیری ــ ہیری نے تمہیں ــ کیا بتایا ہے؟" میں نے پوچھا

"وہ پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سارا قصور اس کا ہے اور وہ تمہیں اس کی ذمّہ داری نہیں لینے دے گا، ہیلن وہ کہہ رہا تھا کہ تم نے یہ مکان بینک میں گروی رکھ کر کچھ رقم بینک سے قرض لی ہے"

مجھ پر بجلی سی گری۔ میں نے اپنے جسم کو پتھر میں تبدیل ہوتے ہوئے محسوس کیا۔ "وہ ــ وہ اور کیا کہہ رہا تھا؟"

"تم نے اس مکان کو گروی رکھا ہے یا نہیں؟" جان نے قدرے سخت لہجے میں دریافت کیا۔

"نہیں ــ نہیں ــ میں نے اس سے جھوٹ بولا تھا"

"تم نے اس سے جھوٹ بولا تھا؟" جان نے حیرت سے کہا۔ "لیکن کیوں، کس لیے؟ آخر یہ سب کیا ہے؟"

میں جان کو دھکا دیتی ہوئی بے تحاشہ سیڑھیاں طے کرتی ہوئی نیچے آئی۔ سیڑھیوں کے قریب ہیری کھڑا تھا۔ "ہیری! ہیری کیا ہوا؟"

ہیری نے سر اٹھا کر میری طرف اس طرح دیکھا جیسے کسی ذہنی صدمے نے اس کے اعصاب پر بہت برا اثر ڈالا ہو۔ وہ کچھ حیرت زدہ اور کھویا کھویا نظر آرہا تھا۔ "مجھے پیسے نہیں مل سکے ہیلن، اس لئے مجھے جان کو بتانا پڑا۔" اس نے کہا

"لیکن تم نے کہا تھا کہ ــــ"

"ہاں ہیلن میں نے کہا تھا کہ میں آج رات پیسے لے کر آؤں گا لیکن جب میں اپنا بل لے کر کمپنی گیا تو معلوم ہوا کہ کمپنی نے میریسن کو نکال دیا ہے، اس آدمی کو جو مجھے فوراً چیک دے دیا کرتا تھا"

"تم نے رقم میری بہن سے لی تھی؟" میرا بھائی جان میرے پیچھے پیچھے نیچے آگیا تھا۔ "ہاں صرف دو روز کے لئے" ہیری نے جواب دیا۔ "مجھے اپنے ایک گاہک کے لئے مال خریدنے کے لئے رقم درکار تھی اور میرا وہ گاہک ہمیشہ مال ملتے ہی رقم ادا کر دیتا تھا۔"

"تمھارے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے ہیلن، تم نے کتنی رقم اسے ادھار دی ہے؟" جان نے میری طرف پلٹتے ہوئے کہا

"آٹھ ہزار ڈالر" میں نے سرگوشی جیسی آواز میں جواب دیا۔

"سنئے مسٹر جان" ہیری نے کہا "سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اگر اس آدمی کو ملازمت سے نکال دیا گیا ہے تو کیا ہوا کمپنی مجھے آٹھ دس روز میں رقم ادا کر دے گی۔ میں وہ رقم بینک کو ادا کر کے آپ کا مکان گروی سے چھڑا لوں گا"

"ہیری" میں نے کہا "میں نے وہ رقم مکان رہن رکھ کر بینک سے قرض نہیں لی تھی۔ میں نے وہ رقم اپنے باس کے اکاؤنٹ سے قرض لی تھی"

"تم نے وہ رقم چرائی تھی؟" جان نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"صرف دو روز کے لئے" میں نے کہا "تاکہ ہیری کا کاروبار تباہ ہونے سے بچ جائے"

"ہیلن تم کتنی احمق ہو" جان نے غصّے سے چلاتے ہوئے کہا "تم کبھی کسی کی بات نہیں سنتیں۔ تم کبھی کسی کا کہنا نہیں مانتیں۔ جارج کے لئے بھی میں نے تمہیں کتنا منع کیا تھا اور اب بھی میں نے تمہیں کتنا...... سمجھایا۔ تمہاری عقل میں کچھ نہیں آتا"

"خاموش ہو جاؤ جان" میں نے چلا کر کہا "تم پتھر ہو بے حس ہو، تمہیں کیا معلوم تم کچھ نہیں جانتے بس تمہیں دوسروں پر اعتراض کرنا آتا ہے تمہیں اور کوئی کام نہیں۔ ہم اب اس مکان کو بینک میں گروی رکھیں گے۔ اس مکان میں میرا بھی آدھا حصّہ ہے۔ ہم کل ہی اسے بینک میں رہن رکھ لیں گے"

"تم مارتھا چچی کو کیوں بھولتی ہو ہیلن ان کا بھی اس مکان میں تیسرا حصّہ ہے اور وہ کبھی تمہیں مکان رہن رکھنے کی اجازت نہیں دیں گی"

"وہ پچھلے سال مکان کو رہن رکھنے پر تیار ہو گئی تھیں"

"ٹھیک ہے لیکن کس لئے؟ ساحلِ سمندر پر کیبن خریدنے کے لئے۔ وہ خود بھی گرمیاں ساحلِ سمندر پر گزارنا پسند... کرتی ہیں اس لئے وہ مکان رہن رکھنے پر تیار ہوئی تھیں"

"سنئے مسٹر جان" ہیری نے مداخلت کرتے ہوئے کہا "میں کسی بھی طرح ہیلن کو آٹھ ہزار ڈالر واپس کر دوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ میری وجہ سے آپ جھگڑا نہ کریں۔ میں رقم واپس کر دوں گا"

"کل تک؟" جان نے پھنکارتے ہوئے کہا "لیکن کیسے؟ اگر رقم کا بندوبست کرنا تمھارے لئے ممکن ہوتا تو تم میری بہن سے رقم کیوں لیتے اب آخر کہاں سے رقم کا انتظام کرو گے"

"جان!" میں زور سے چلائی "خاموش ہو جاؤ جان میں اب ایک لفظ سننا نہیں چاہتی"

"تمہیں بہت کچھ سننا پڑے گا ہیلن۔ یہ اب صرف تمھارا مسئلہ نہیں ہے" جان نے چیختے ہوئے کہا "تمھارے باس کو جب چوری کا علم ہوگا تو وہ آسمان سر پر اٹھا لے گا۔ وہ تمہیں پولیس کے حوالے کر دے گا۔ اخباروں میں یہ خبر شائع ہوگی۔ میری کمپنی میں سب کو تمھاری بد دیانتی کا علم ہو جائے گا پھر میرا کیا ہوگا؟ میرا مستقبل تباہ ہو جائے گا اور ــــ اور اس معاملے کی خبر مارگریٹ

کے گھر والوں کو بھی ہو جائے گی۔" مارگریٹ اس کی منگیتر کا نام تھا۔" وہ لوگ تمھارے اور میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے۔ ہیلن کل صبح تم اپنے باس کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی اور پھر اس سے درخواست کرنا کہ وہ آٹھ دس روز کے لئے خاموش ہو جائے۔ اس طرح ممکن ہے ہم بدنصیب بدنامی سے بچ جائیں۔"

"آپ ہیلن کو یہ مشورہ کس طرح دے سکتے ہیں مسٹر جان۔" ہیری نے شدید حیرت سے کہا۔

"آپ مہربانی فرما کر خاموش رہیں۔" جان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"اگر آپ ہمیں تنہا چھوڑ دیں تو آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔"

"سنو ہیلن۔" ہیری نے مجھ سے کہا۔ "فکر مت کرو میں سب ٹھیک کر لوں گا۔ تم مجھ پر بھروسہ کرو۔ کل تم اپنے باس سے کسی قسم کا کوئی ذکر مت کرنا۔"

میں اس کے ساتھ دروازے تک گئی۔ "تم آخر کیا کر سکتے ہو ہیری؟"

"مجھے ابھی کچھ نہیں معلوم لیکن میں کسی نہ کسی طرح رقم کا بندوبست کر لوں گا۔ کل تم میرا فون آنے سے پہلے اپنے باس سے کوئی گفتگو مت کرنا۔ سمجھ گئیں نا تم؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ ہیری کے جانے کے بعد جب میں اندر آئی تو جان میرا انتظار کر رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اُسے کیا کہوں۔ اس نے مجھ سے کہا۔ "ہیلن اب تم آئندہ کبھی اس آدمی سے نہیں ملو گی۔ سمجھ گئیں؟"

"تم مجھے نہیں روک سکتے۔ تمہیں اس کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

"تو ٹھیک ہے کان کھول کر سن لو۔ اگر تم نے اس آدمی سے ملنا جلنا ترک نہیں کیا تو میں یہ مکان فروخت کر دوں گا اور تمہیں اپنی رہائش کا خود کوئی بندوبست کرنا پڑے گا۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو شادی کے بعد یہ مکان تمھارا ہو جائے گا۔ میں نے پہلے ہی تمہیں اس آدمی سے خبردار کیا تھا میں نے تمہیں جارج سے بھی خبردار کیا تھا لیکن تم نے میری ایک نہ سنی۔ اب تمہیں خود بھگتنا پڑے گا۔"

اُس رات میں سپیدِ سحر نمودار ہونے تک جاگتی رہی۔ آخر اچانک یہ سب کیا ہو گیا، کس طرح ہو گیا؟ آخر میں کس طرح ایک جرم کی مرتکب ہوئی آخر کس طرح میرے اپنے بھائی کی نظروں میں میری حیثیت گر کر ایک کوڑے کے ڈھیر کے برابر ہو گئی؟ میں ساری رات سوچتی رہی۔ صبح میں نے میک اپ کی تہہ چڑھا کر آنکھوں کے گرد پیدا ہونے والے سیاہ حلقے چھپانے کی بہت کوشش کی۔ ناشتے میں مجھ سے آدھی پیالی کافی کے علاوہ اور کچھ نہیں کھایا گیا۔ آخر میں اپنے باس سے کیا کہوں گی؟ وہ کیا سوچیں گے؟ ان کا کیا ردّعمل ہو گا؟ جب میں اپنے دفتر پہنچی تو صبح کے نو بج رہے تھے۔

"صبح بخیر ہیلن۔" میرے باس نے مسکراتے ہوئے مجھے دیکھا۔ "کل کوئی خاص بات ہوئی؟"

اچانک مجھے ہیری کا وعدہ یاد آ گیا اس نے مجھے اپنے باس کو کچھ بتانے سے منع کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح رقم کا بندوبست کریگا۔

"نہیں — کوئی خاص بات نہیں جناب۔" میں نے جھجکتے ہوئے کہا۔ میرے باس مجھے اپنے سفر کے متعلق بتانے لگے میں غائب دماغی سے ہوں ہاں کرتی رہی۔ میں ان سے نظریں نہیں ملا سکتی تھی۔ میں اپنی میز پر بیٹھ کر خواہ مخواہ کام میں جٹ گئی۔ کیا ہیری مجھے فون کرے گا؟ کیا وہ کہیں سے رقم کا بندوبست کر لے گا؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو وہ پہلے ہی مجھ سے رقم نہ لیتا؟ ممکن ہے اب وہ اپنے ان تمام دوستوں کے پاس گیا ہو جن کے سامنے وہ ہاتھ پھیلانا پسند نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے کسی نے اس کی مدد کا وعدہ کر لیا ہو۔ میں بجلنے تک اپنی خیالوں میں گم رہی پھر اچانک دروازہ کھلا اور مجھے ہیری کا چہرہ نظر آیا۔

"ہیلو ہیلن۔" اس نے بڑی خوشدلی سے کہا۔ میں نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ بے حد تھکا ہوا نظر آ رہا تھا مسکراہٹ کا اس کے چہرے پر کوئی شائبہ نہیں تھا۔ میرا دل ڈوبنے لگا۔ آخر میرے اندیشے درست ثابت ہوئے۔ میں نے جلدی سے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا۔

"یہ لو یہ لفافہ رکھو اپنے پاس۔" ہیری نے کہا۔ "کیا تم ابھی میرے ساتھ بینک چل سکتی ہو؟ میں تمہیں اپنی گاڑی میں وہاں چھوڑ دوں گا۔"

"تم نے انتظام کر لیا؟"

اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ میں نے اپنے باس سے ایک ضروری کام کا بہانہ کر کے ایک گھنٹے کی چھٹی لی اور اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"تم نے کس طرح رقم کا بندوبست کیا ہیری؟"

ہیری نے گاڑی اسٹارٹ کی اور خاموشی سے بینک کی طرف چل دیا۔ کچھ دور جا کر اس نے کہا۔ "چند سال قبل چند بدمعاشوں نے چوری کا مال کھپانے کے لئے ٹرکوں کے فاضل پرزے اور ٹائروں کا کاروبار شروع کیا تھا۔" ہیری نے کہا۔ "میں ان کے پاس گیا اور میں نے ان سے کہا کہ میں انہیں دس ہزار ڈالر کی مالیت کے ٹائر آٹھ ہزار ڈالر میں دلوا سکتا ہوں۔ انھوں نے آٹھ ہزار ڈالر مجھے دے دیئے۔"

"لیکن — لیکن یہ رقم تو تم مجھے دے رہے ہو انہیں آخر کس طرح مال دو گے؟"

ہیری نے لاپرواہی سے کاندھے اچکائے۔ "اگر ہم دونوں میں سے کسی کے چہرے پر بددیانتی کا داغ لگنا ہی ہے تو وہ چہرہ تمھارا نہیں ہو گا۔ میں وہ داغ تمھارے چہرے پر نہیں لگنے دوں گا۔"

"ہیری!" میری آواز بھرا گئی۔ "سچ بتاؤ کیا معاملہ ہے۔ تم نے ابھی کہا ہے کہ وہ بدمعاش ہیں۔ اگر تم انہیں دھوکہ دو گے تو وہ خاموش نہیں بیٹھیں گے۔"

"ارے تم فکر نہ کرو ہیلن۔ میں آٹھ دس روز تک انہیں ٹالتا رہوں گا اور جب مجھے پیسے ملیں گے تو ان کا حساب کر دوں گا۔"

"تم — تم نے ان سے کب کا وعدہ کیا ہے؟"

ہیری زور زور سے ہنسنے لگا۔ "کل کا۔"

"کل! ہیری وہ ضرور یہ سوچیں گے کہ تم نے ان کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔"

"سوچنے دو۔ ان کے سوچنے کی کون پرواہ کرتا ہے۔ وہ پولیس کے پاس تو نہیں جا سکتے کیونکہ خود وہ بھی غیر قانونی کاموں میں ملوّث ہیں۔"

"لیکن لیکن وہ کوئی انتقامی کارروائی تو کرسکتے ہیں؟" خوف سے میرا دل لرز رہا تھا۔

"تمھارا مطلب ہاتھا پائی سے ہے؟ ارے نہیں۔ تم فکر نہ کرو اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" ہیری نے بینک کے سامنے گاڑی روک دی۔

"کیا آج رات تم سے ملاقات ہوگی؟"

"آج رات؟ ممکن ہے آج رات ملاقات نہ ہوسکے۔ تم میرے فون کا انتظار کرنا۔"

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے دل کی دھڑکن رک گئی ہو میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑگئے۔ "ہیری! ہیری کیا تمھیں ان کی طرف سے کسی کارروائی کا اندیشہ ہے؟"

"ارے نہیں۔ تم خواہ مخواہ فکرمند ہو رہی ہو۔ اب وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔ جلدی سے بینک میں پیسے جمع کرادو۔"

"ہیری تم یہاں ٹھہرو میں رقم جمع کرکے ابھی آتی ہوں۔"

"اچھا میں تمھارا انتظار کروں گا۔"

پتا نہیں کس طرح میں نے جلدی جلدی الٹے سیدھے طریقے سے رقم جمع کرانے کی سلپ بھری اور خزانچی کو رقم دی۔ جب میں بھاگتی ہوئی بینک سے باہر نکلی تو ہیری جاچکا تھا۔ میں نے اپنے دفتر آکر ہیری کو فون کیا پھر اس کے گھر فون کیا لیکن ہیری کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا۔ میں تمام دن اس کے آفس اور گھر پر فون کرتی رہی ——— میں تین روز تک ہیری کو تلاش کرتی رہی۔

چوتھے روز میں اس شراب خانے گئی جہاں ہیری اکثر جاتا تھا اور وہاں دوسرے شہروں سے آئے ہوئے گاہک بھی آتے تھے۔ شراب خانے کا بارٹینڈر ہیری سے اچھی طرح واقف تھا اور وہ اسے پسند بھی کرتا تھا۔ میں سیدھی اس کے پاس گئی اور اس سے ہیری کے متعلق دریافت کیا۔

"ہیری؟ نہیں خاتون، ہیری تو یہاں کئی مہینے سے نہیں آیا۔"

بارٹینڈر نے روکھے پن سے جواب دیا۔

"وہ یہاں ابھی دو ہفتے پہلے آیا تھا میں خود اس کے ساتھ تھی"

"نہیں آپ یہاں نہیں کہیں اور گئی ہوں گی۔" بارٹینڈر نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"میں اب اتنی چھوٹی بچی نہیں ہوں کہ مجھے یہ بھی نہ یاد رہے کہ میں کہاں گئی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے خاتون آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہیری تو یہاں چار مہینے سے نہیں آیا۔"

"سنو۔ ٹھہرو اب مجھے یاد آیا۔ یہ پچھلے ہفتے کی بات ہے۔ پچھلے منگل کی۔ میں ہیری کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ ہم یہاں اس جگہ اسٹولوں پر بیٹھے تھے۔ تم نے ہیری سے کسی بیس بال ٹیم کے متعلق گفتگو بھی کی تھی۔ اب یاد آیا تمھیں؟"

"خاتون مجھے ہیری کے متعلق کچھ نہیں معلوم کسی کو یہاں ہیری کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ سنیئے میں آپ کے لئے ایک ٹیکسی منگا دیتا ہوں یہ جگہ آپ کے قابل نہیں ہے آپ گھر چلی جائیں۔"

مجھے خون اپنی رگوں میں منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ "کیا ہیری کو کچھ ہوگیا ہے؟"

بارٹینڈر نے سگریٹ فرش پر پھینک کر اسے جوتے کے تلوے سے مسلا پھر اس نے گہرے رنگ کی ایک بوتل اٹھائی اور ایک گلاس میں شراب انڈیلی۔ "آپ یہاں بیٹھ کر اتنی دیر یہ شیری پئیں میں آپ کے لئے ٹیکسی کا انتظام کرتا ہوں۔" اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

"تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گے؟" میری آواز بھرا گئی۔

وہ چند لمحے خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔ "خاتون آپ کیا جاننا چاہتی ہیں۔ ؟ کوئی بھی خطرناک بدمعاشوں کو دھوکہ دے کر اس کی سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اب آپ سمجھ گئیں؟ وہ بدمعاش بے حد خطرناک ہیں ان کا سنڈیکیٹ سے تعلق ہے۔"

"سنڈیکیٹ؟" میری آواز ڈوب گئی۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ امریکہ میں جو شخص اخبار پڑھتا ہے وہ سنڈیکیٹ کے نام سے اچھی طرح واقف ہے۔ سنڈیکیٹ کو آج تک کوئی بھی دھوکہ دے کر زندہ نہیں بچ سکا تھا۔ بارٹینڈر شیری کا گلاس میری طرف کھسکا کر ٹیکسی بلانے کے لئے باہر چلا گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئی۔

"پلیز، پلیز، مجھے ہیری کے بارے میں کچھ بتا دو۔ پلیز میں تمھارا احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔" میں نے رندھی ہوئی آواز میں اس کے کاندھے پکڑتے ہوئے کہا۔

اس نے احتیاط سے چاروں طرف دیکھ کر دھیمی آواز میں مجھ سے کہا۔ "ہیری مرچکا ہے خاتون۔ آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتیں، ہیری مرچکا ہے"

★

اس واقعہ کو کئی مہینے گزر چکے ہیں۔ میرا بھائی جان اب پہلے سے کہیں زیادہ مجھ پر مہربان ہے۔ وہ میرا حد سے زیادہ خیال رکھتا ہے۔ میرے باس کو آج تک اس واقعے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ میں آج بھی روزانہ کام پر جاتی ہوں۔ جان کی شادی ہوگئی ہے اور اس نے وہ مکان مجھے دے دیا ہے میں اب وہاں تنہا رہتی ہوں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ پہلے اس مکان میں اپنے بھائی کی موجودگی کے باوجود مجھے بے حد تنہائی کا احساس ہوتا تھا اور جبکہ میں اس مکان میں اب تنہا رہ گئی ہوں اس کے باوجود مجھے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ میں اپنی خواب گاہ میں اب تنہا نہیں سوتی میرے ساتھ ہیری ہوتا ہے لیکن روزانہ وہ اپنا روپ بدل لیتا ہے کبھی وہ دراز قد نظر آتا ہے کبھی پستہ قد کبھی موٹا، کبھی دبلا کبھی وہ مہذب ہوتا ہے کبھی وہ بالکل وحشی بن جاتا ہے۔ لیکن میں بہت خوش ہوں اب وہ ہر رات میرے پاس ہوتا ہے۔

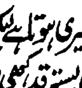

کاغذی حملہ

یہ واقعہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۹ء کا ہے۔ جنگِ عظیم ثانی کی ابتدا ہوئے صرف دو ماہ ہوئے تھے۔ تاحال جرمنی پر ایک بم بھی نہیں گرایا گیا تھا تاہم برطانوی فضائیہ نے برلن اور روہر کی وادی کو ڈیڑھ کروڑ سے زائد اشتہاروں سے نہلا دیا تھا ابھی تک صرف فوجی ٹھکانوں اور بندرگاہوں پر ہی بم گرائے گئے تھے۔ اُن کی پالیسی یہ تھی کہ بے گناہ شہریوں کو جنگ کی ہولناکیوں کا شکار نہ بنایا جائے (البتہ چند ہی مہینے بعد اس پالیسی کو یکسر بدل دیا گیا تھا) جرمنی کے شہروں پر کاغذی اشتہار گرانے کا منصوبہ بے حد سوچ بچار کے بعد بنایا گیا تھا۔ اِدھر جرمنی کی فضائیہ اتحادیوں پر بمباری کر رہی تھی اور اُدھر برطانوی فضائیہ وزیرِاعظم چیمبرلین کی ایک تاریخی تقریر پر مشتمل کاغذی اشتہار جرمن شہروں پر پھینک رہی تھی۔

اس کے ایک ماہ بعد سب سے بڑے "کاغذی حملے"........ کا آغاز کیا گیا۔ اس کے تحت ان چیدہ چیدہ نازی رہنماؤں کے نام اور غیر جانبدار ممالک کے بنکوں میں اُن کی خفیہ طور پر جمع کردہ رقوم پر مشتمل اشتہار جرمن شہروں پر پھینکنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اشتہاروں کے ذریعہ یہ معلومات جرمن عوام تک پہنچانے سے مقصد یہ تھا کہ اس طرح جرمن عوام اور نازی پارٹی کے درمیان پھوٹ پڑ جائے گی اور یوں نازی جب اپنے ملکی لوگوں کی بغاوت کچلنے میں مصروف ہو جائیں گے تو اُن کی توجّہ جنگ سے ہٹ جائے گی۔

بی۔۵۱ اسکواڈرن کے ۵ طیارے اس مقصد کے لئے لئے گئے لیکن ابتدا ہی میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ شاید یہ جہاز اپنا مقصد پورا نہیں کر سکیں گے، کیونکہ گذشتہ پچاس سال میں اتنی سردی نہیں پڑی تھی جتنی اُن دنوں پڑ رہی تھی۔ چار دن تک موسم بہتر ہونے کا انتظار کیا جاتا رہا اور پائیلٹ اپنے عملے سمیت کسی بھی لمحے فضا میں بلند ہونے کے لئے تیار بیٹھے رہے لیکن جب موسم میں بہتری کے کوئی آثار نہ رہے تو انھیں مجبوراً اس خراب موسم میں اپنا مشن پورا کرنے کا حکم دے دیا گیا۔

پانچ بجے کے قریب تین تین منٹ کے وقفے سے برطانوی فضائیہ کے پانچ "وھٹلے" جہاز فضا میں بلند ہوئے۔ ان جہازوں کو اپنی سُست رفتاری، بھدے پن اور بدشکل ساخت کی وجہ سے "بطخ" کہا جاتا تھا۔ یہ بہت لمبا چوڑا جہاز تھا، خاص طور پر اُس کے پَر تو بہت ہی چوڑے تھے۔ ایک اور مصیبت یہ تھی کہ یہ جہاز جب زمین سے اُٹھنے لگتا تو بائیں طرف کو جھک جاتا تھا۔ چنانچہ اُس کے لئے سب سے نازک مرحلہ ٹیک آف کرنے ہی کا ہوتا تھا اور کسی اناڑی پائیلٹ کی ذرا سی کوتاہی سے یہی ڈر ہوتا تھا کہ وہ جھک کر زمین سے ٹکرا نہ جائے۔ اُس قابلِ رحم موسم میں جب یہ پانچ جہاز تھرتھراتے ہوئے اوپر اُٹھے تو انھیں دیکھ کر یہی لگتا تھا کہ وہ اپنا مشن پورا نہیں کر سکیں گے۔

بالخصوص آخری جہاز تو فضا میں بلند ہونے کے بعد اپنے

نسیم سحر

جنگ عظیم دوم کی ایک دلچسپ کہانی

کیا کاغذ کسی بم سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوتا ہے

پہیئے اوپر کھینچ لینے سے پہلے ہی تکلیف میں مبتلا ہو چکا تھا۔ جہاز میں اشتہار لادنے کا طریقہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ اُن کے بنڈل دھاگوں سے باندھ کر وہاں رکھتے ہیں اور بلندی سے پھینکتے وقت دھاگہ توڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ باہر آتے ہی بکھر جائیں لیکن اُس آخری جہاز میں اشتہاروں کے بنڈل رکھتے وقت شاید کسی ہمدرد اور عقلمند ملازم نے یہ سوچا کہ پائیلٹ اور اُس کے ساتھیوں کا قیمتی وقت دھاگہ توڑنے میں ضائع نہیں ہونا چاہیئے، اُس نے لادتے وقت ہی تمام دھاگے توڑ کر علیحدہ کر دیئے تھے۔ جہاز ابھی رن وے کے آخری سرے پر فضا میں بلند ہو ہی رہا تھا کہ تیز ہوا سے اندر رکھے ہوئے بنڈلوں میں ہلچل مچ گئی اور جہاز کے اندر ہر طرف اشتہار ہی اشتہار بکھر گئے۔

معاون ہوا باز اور ریڈیو آپریٹر دیوانوں کی طرح اُڑتے کاغذوں کے پیچھے بھاگنے لگے اور اب تک یہ اشتہار کاک پٹ میں بھی پہنچ چکے تھے۔ پائیلٹ نے، جو اِن کاغذوں کی وجہ سے بمشکل کچھ دیکھ سکتا تھا، گالیاں بکتے ہوئے اپنے جہاز کو بلند کیا اور اس عالم میں سمت کے تعین میں اُسے اتنی دشواری پیش آئی کہ اُس کے جہاز کا ایک پر ایک بلند عمارت سے صرف دو انچ کے فاصلے پر سے گذرا ورنہ شاید وہ سب ہی تباہ ہو جاتے۔ اس اثنا میں باقی چاروں جہاز خاصے دور نکل گئے تھے۔

وہ لوگ برف سے بوجھل بادلوں سے بچنے کی غرض سے بیس ہزار فٹ کی بلندی پر چلے گئے اور یہیں سے اُن بے چاروں کی مشکلات کا آغاز ہو گیا کیونکہ اُن دنوں آج کل کی طرح کاک پٹ میں مصنوعی طور پر گرمی پیدا کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا اور نہ خاص قسم کے لباس ایجاد ہوئے تھے جن میں ایک مطلوبہ درجۂ حرارت قائم رہ سکتا ہے۔ بلندیوں پر پہنچ کر آکسیجن کی کمی سے نپٹنے کے لئے البتہ نظام موجود تھا لیکن آکسیجن ماسک پہننے والے کے لئے نقل و حرکت کرنا مشکل ہو جاتا تھا کیونکہ آکسیجن پیدا کرنے والی مشین بے حد بھاری بھرکم تھی۔ پانچوں جہاز جب بیس ہزار فٹ بلندی پر پہنچے تو وہ ہچکولے کھا رہے تھے اور عملے کو بار بار متلی کی شکایت ہو رہی تھی۔

ایک جہاز کے پائلٹ نے اس سارے منصوبے پر لعنت بھیجتے ہوئے کہا۔ "خوب۔ ان لوگوں نے ہمیں پرواز کرنے کا حکم اتنے مزے میں دیا تھا جیسے ہمیں پکنک پر بھیج رہے ہوں، اور موسم تو آج بہت ہی خوشگوار ہے!" اُس نے منہ بنا کر سر جھٹکا تو اُس کے سر پر جمے ہوئے برف کے گالے کاک پٹ میں اُڑنے لگے۔ اب پائلٹ سمت کا تعین کرنا چاہتا تھا لیکن ہر طرف اُسے برفانی بادلوں کے علاوہ اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اُس نے انٹرکام پر معاون ہوا باز سے رابطہ قائم کر کے کہا۔

"کچھ پتہ چل سکتا ہے کہ ہم کس جگہ پر ہیں؟"

وہ برطانیہ سے فرینکفرٹ کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ اور اب انہیں چار گھنٹے ہو چکے تھے۔

"ہم نے سرحد پار کر لی ہے جناب۔" معاون ہوا باز پرڈو نے نقشے پر بُرش پھیر کر صاف کیا اور کٹکٹاتے دانتوں سے جواب دیا۔ "میں اندازاً آپ کو بتانے کی کوشش کرتا ہوں کہ ہم کہاں ہیں۔" اُس نے اپنے یخ ہاتھوں کو دستانوں کے باوجود ناکارہ محسوس کیا تو انھیں ہلا ہلا کر حرارت پہنچانے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، اگلے توپچی نے ہوا باز سے کہا

"جناب۔ دشمن کے جہاز ہمارے نزدیک آ رہے ہیں۔" اُس کی آواز کانپ رہی تھی جس میں سردی کی شدت کے علاوہ اس بات کو بھی دخل تھا کہ وہ پہلی مرتبہ ایک حقیقی جنگ میں حصہ لے رہا تھا۔ "وہ لوگ بار بار روشنیاں جلا اور بجھا رہے ہیں۔ نہ جانے یہ کوئی خفیہ پیغام ہے یا کیا ہے؟"

"اُن میں تمہارا کوئی چچا نہیں ہو گا جو کوئی پیغام بھیجے۔ تم پیغام کا انتظار کرنے کے بجائے حملہ کرنے کی تیاری کرو۔" پائیلٹ کی بیزار کُن آواز انٹرکام پر جب اگلے توپچی کو سُنائی دی تو اُس کا جی چاہا کہ پہلے پائیلٹ ہی پر گولی چلا دے۔ بہر حال اُس نے حواس برقرار رکھتے ہوئے مشین گن کا زاویہ درست کیا اور فائرنگ شروع کر دی۔ مشین گن چلنے کے ردِ عمل میں جہاز لرز رہا تھا۔ معاون ہوا باز پرڈو نے کچھ فاصلے پر اچانک ایک شعلہ سا لپکتا ہوا دیکھا تو وقتی طور پر اپنے لرزتے ہاتھوں اور دانتوں کو بھول کر چلا اُٹھا۔ "مبارک ہو جناب۔ ہم نے اُسے مار گرایا ہے۔ واہ واہ۔ پہلی ہی بوچھاڑ میں ہم نے ایک جرمنی جہاز اُڑا ڈالا ہے۔"

پائیلٹ نے پرڈو سے کہا۔ "میرا خیال ہے ہم جہاز کی تباہی کا جشن واپس پہنچ کر منائیں گے۔ فی الحال تو میں نے تم سے یہ پوچھا تھا کہ ہم کس مقام پر ہیں؟"

پرڈو نے چند منٹ تک حساب لگانے کے بعد جواب دیا

"ہم اس وقت کابلنز پر پرواز کر رہے ہیں جو ہماری اصل منزل سے پچاس میل مغرب میں ہے۔"

پائیلٹ نے پٹرول میٹر پر سے کہر کی منجمد تہہ ہٹائی۔ شاید تیز ہواؤں نے جہاز کو اتنی دور لا پھینکا تھا۔ اب پٹرول بمشکل اتنا ہی بچا تھا کہ جلد سے جلد فارغ ہو کر واپسی اختیار کی جائے۔ لیکن انھیں اشتہار فرینکفرٹ پر گرانے تھے جو ابھی دُور تھا۔ پائیلٹ نے سوچا، فرق کیا پڑتا ہے، کابلنز کے باشندے بھی تو فرینکفرٹ والوں کی طرح لکھے پڑھے ہیں، کیوں نہ انھیں کو اشتہار بانٹ دیئے جائیں۔ اُس نے آرڈر دینے کے لئے پرڈو کو مخاطب کیا۔ لیکن جواب میں پرڈو کی آواز نہ آئی۔ صرف ایک مسلسل ٹھپ، ٹھپ، ٹھپ

کی آواز آرہی تھی۔
"ہیلو۔ ہیلو۔ سارجنٹ پرڈو۔ تم کہاں ہو۔ اور یہ کمبخت تھپ تھپ کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟"
"میں یہیں ہوں جناب" پرڈو کی آواز آئی۔ اب تھپ تھپ کی آوازیں بند ہو چکی تھیں۔ در اصل ہوا یہ تھا کہ پرڈو کو اس سردی میں بدن کا خون جمتا ہوا محسوس ہوا تھا اور اُسے ڈر تھا کہ اگر یہی حالت رہی تو کہیں وہ بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ اپنی میز پر بیٹھے بیٹھے سر کو دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہا تھا۔
"پرڈو تیار ہو جاؤ۔ اب ہم اشتہار گرانے ہی والے ہیں۔"
"جناب۔ میرا خیال ہے ہمیں کچھ کم بلندی سے اشتہار گرانے چاہئیں۔ وہاں سردی کچھ کم ہوگی۔" پرڈو نے کہا۔ اُس کے دانت اب دوبارہ بجنے لگے تھے۔ "جی ہاں۔ آپ درست فرماتے ہیں۔" پرڈو کو پائیلٹ کی طنزیہ آواز آئی۔ "ہم کیوں نہ جہاز کو اتنا نیچے لے چلیں کہ تم اُن لوگوں کے لیٹر بکسوں میں اشتہار ڈال سکو۔ وہاں تو آتشدانوں میں آگ بھی جل رہی ہوگی۔"
معاون ہوا باز نے اس طنز پر لاجواب ہو کر پائیلٹ کے حکم کی تعمیل کی اور ریڈیو آپریٹر کے پیچھے پیچھے اشتہاروں والے حصّہ کی طرف چل دیا۔ چنانچہ بنڈلوں کے دھاگے توڑ کر رات کی تاریکی میں انھوں نے ہزاروں ہی اشتہارات بکھیر دیئے۔ بیس منٹ کے بعد وہ اُس حصّے سے نکلے تو سرد ہوا کے تھپیڑے کھا کھا کر اُن کی حالت ابتر ہو چکی تھی۔ انھیں گرم گرم پانی پینے کے بعد کچھ افاقہ ہوا۔ پرڈو نے ایک ایک مرتبہ پھر نقشے دیکھنے شروع کر دیئے۔ اور پھر کچھ سوچنے کے بعد سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اُس کے منہ سے بے ربط سی آوازیں نکلنے لگیں۔ "کیا تکلیف ہو گئی ہے؟ کیا کوئی بم آلگا ہے تمہارے سر میں؟" پائیلٹ اینڈرسن کو آج سے قبل اپنے کسی ساتھی پر اتنا سخت غصّہ نہیں آیا تھا۔ سردی سے اُس کی اپنی حالت بھی بُری ہو چکی تھی۔
"جناب۔ م۔ م۔ مجھے اتنی سخت۔ س۔ سردی لگ رہی تھی۔ ک ک کہ میں صحیح طرح سوچ بھی ن۔ ن۔ نہیں سکا۔"
"سردی تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔"
"ل ل۔ لیکن۔ وہ۔۔ میں نے۔ آپ کو غلط جگہ بتا دی تھی۔ وہ۔ ک۔ ک۔ کابلنز نہیں تھا۔"
"جہنم میں جائے کابلنز۔ وہاں کوئی میرے رشتے دار تھوڑے ہی رہتے ہیں۔ یہ اشتہار ہمیں جرمنوں کے لئے دیئے گئے تھے۔ اب چاہے یہ جرمنی کا کوئی سا شہر ہو کوئی حرج نہیں۔"
"لیکن ج ج جناب۔ ہم جرمنی میں نہیں ہیں۔" "کیا مطلب؟"
"ہم۔ ہم بلجیئم میں ہیں جناب۔"
"کیا؟ بلجیئم میں؟" اینڈرسن اتنی زور سے اُچھلا کہ اُس کا سر جہاز کی چھت سے جا ٹکرایا۔ "یعنی تمہارا مطلب ہے کہ ہم نے وہ سب اشتہار بلجیئم پر پھینک دیئے ہیں؟"
"جی ہاں جناب۔ صرف اشتہار ہی نہیں۔ ہم نے بلجیئم کا ایک جہاز بھی مار گرایا ہے۔" سارجنٹ پرڈو نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ جہاز سے چھلانگ لگا دے۔ اُسے معلوم تھا اب پائیلٹ اینڈرسن بم کی طرح پھٹ پڑے گا۔
لیکن اینڈرسن اس حادثے پر غور نہیں کر سکا کیونکہ دونوں توپچیوں نے دشمن کے جہازوں کے نزدیک آنے کی اطلاع دی تھی۔ اب انھیں اپنے چاروں طرف لڑاکا جہاز نظر آرہے تھے۔ یہ سب بلجیئم کے جہاز تھے اینڈرسن نے اپنی پوری فنی مہارت کے ساتھ جہاز کو غوطہ دیا اور پوری رفتار کے ساتھ بھاگ اُٹھا۔ اب وہ اس غیر جانبدار ملک بلجیئم کی سرحدوں سے بہت دُور نکل چکے تھے ورنہ اُن جہازوں نے بدلہ لینے کے لئے اُس کا جہاز تباہ کر دیا ہوتا۔ بعد میں حکومت برطانیہ نے بلجیئم کو اس جہاز کے بدلہ میں ایک اور جہاز دے دیا۔ یہ اینڈرسن اور پرڈو کی خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے جس جہاز کو تباہ کیا تھا اُس کا عملہ پیراشوٹ کے ذریعہ کود کر بچ گیا تھا ورنہ شاید بہت پیچیدگیاں پیدا ہوتیں۔
انٹرکام پر ہوائی جہاز کے پچھلے توپچی کی آواز گونج رہی تھی۔ "دشمن کا ہوائی جہاز ہم سے پانچ سو گز کے فاصلے پر ہے اور بتدریج نزدیک آتا جا رہا ہے۔ ہیلو پائیلٹ۔ اب ذرا دیکھنا کہ میں اس کمبخت کو ایک ہی بوچھاڑ میں کس طرح مار گراتا ہوں۔"
"ٹھہرو۔ ابھی فائر مت کھولنا" پائیلٹ جاکی وہائٹ نے توپچی کو حکم دیا۔ "اس وقت ہمارا مقصد اُن سے جنگ کرنا نہیں ہے۔ ہم ایک اور ضروری کام کرنے آئے ہیں۔"
اس وقت جاکی وہائٹ کا ہوائی جہاز بیس ہزار فٹ کی بلندی پر جرمنی کے شہر اسٹٹ گارٹ کی فضا میں بُری طرح ہچکولے کھا رہا تھا۔ لیکن ہچکولوں کی وجہ دشمن کی مشین گنوں کی گولیوں کی زد میں آنا نہیں تھی بلکہ اصل میں جہاز کا ریڈیو آپریٹر اور معاون ہوا باز اپنا توازن قائم رکھنے کے لئے اُچھل کود میں مصروف تھے۔ اُس وقت اُن کے ذمّے ایک انتہائی اہم فرض تھا اور اس کام میں اُنھیں توازن برقرار رکھنے کی بہت ضرورت تھی کیونکہ وہ جہاز میں سے اشتہاروں کے بنڈل اُٹھا کر باہر پھینک رہے تھے اور ان بنڈلوں کا وزن بھاری اینٹوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔
"ہیلو۔ پائیلٹ۔ وہ ہوائی جہاز اور زیادہ نزدیک آگیا ہے۔" پچھلے توپچی نے انٹرکام پر اطلاع دی۔ "اور میں سچ کہتا ہوں کہ اِس وقت اسے بآسانی شکار کیا جا سکتا ہے۔"
"میں نے جو حکم دیا تھا اُس پر عمل کرو۔" پائیلٹ نے درشت لہجے میں کہا۔ وہ آخر اپنے غصّے پر کب تک قابو پا سکتا تھا۔ اس سخت سردی کے موسم میں پرواز کی ابتدا ہی میں مشین گنوں پر برف کی تہیں جمنے لگی

تھیں۔ اب وہ ایک گھنٹے سے محوِ پرواز تھے۔ اور برفانی موسم میں اب یہ عالم تھا کہ کاک پٹ کے اندر بھی تمام ڈائل برف اور دھند میں چھپ گئے تھے کچھ معلوم ہی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ کون سے حصے پر پرواز کر رہے ہیں اور کتنی بلندی پر۔ ایسے عالم میں پائیلٹ کو غصّہ آنا ہی تھا اور خاص طور پر اُس وقت جبکہ یہ خطرہ بھی لاحق تھا کہ نہ جانے دشمنوں کی کون سی گولی نشانے پر آلگے اور جہاز کے ساتھ اُن کے اپنے بھی پرخچے اُڑ جائیں۔ اور اب دشمن کا جہاز ایسے زاویئے پر تھا جہاں عام حالات میں مشین گنوں کی زد میں اُسے لے آنا آسان ہوتا لیکن اس جہاز پر تو بہت کم مشین گنیں تھیں کیونکہ اُس حصے میں تو اشتہاروں کے بنڈل بھر دیئے گئے تھے اور انھیں ہوا میں پھینک کر منتشر کرنے کے لئے دو آدمی بھی اس حصے میں ٹھونس دیئے گئے تھے۔ ہوا باز جاکی وہائٹ نے دشمن کو جھکائی دینے کے لئے ممکنہ حد تک پھرتی کے ساتھ جہاز کا رُخ تبدیل کر لیا۔ اب تک وہ کسی بھی لمحہ گولیوں کی بوچھاڑ آپڑنے کا منتظر تھا لیکن اُس کی خوش قسمتی تھی کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ اُس وقت تک جاکی وہائٹ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ آخر دشمن اُسے زد میں کیوں نہیں لا سکتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہی بے شمار اشتہار اُس کے جہاز کو بچانے کا سبب بن گئے تھے جو باہر پھینکے جا رہے تھے اور جنھیں جاکی وہائٹ جھلّا جھلّا کر .... گالیاں نکال رہا تھا۔

ہوا یہ تھا کہ جرمن ہوائی جہاز نے جاکی وہائٹ کے جہاز کے عین نیچے اُتر کر اُس پر حملہ کرنا چاہا تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے صرف ایک سو فٹ تک نیچے آپہونچا تھا اور اب شاید وہ حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا تھا لیکن جلد ہی ایک "کاغذی طوفان" نے خود اُس جرمن جہاز پر حملہ کر دیا تھا۔ چھوٹے سائز کے لاکھوں اشتہارات بکھر کر اس جہاز کو گھیرے میں لے آئے تھے اور یہ اشتہار اُس کے پروں کی مرطوب سطح پر چمٹ گئے۔ انجن میں اور پنکھوں میں بھی آپھنسے اور کاک پٹ کے شیشوں پر بھی چمٹ کر جہاز کے پائیلٹ کے لئے اندھے پن کا باعث بن گئے۔ وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکتا تھا اور اس اچانک یلغار سے وہ اس قدر گھبرایا کہ حملہ کرنا ہی بھول گیا اور اس کاغذی ٹڈی دل سے بچنے کے لئے جرمن جہاز واپس ہوائی اڈے کی طرف بھاگ گیا۔

جاکی وہائٹ کا ہوائی جہاز اب واپس جا رہا تھا لیکن نہ جانے کس وجہ سے وہ حصہ جہاں سے اشتہارات پھینکنے کے لئے دروازہ کھولا جاتا ہے اب جام ہو چکا تھا اور پوری کوشش کے باوجود بند نہ ہو رہا تھا اُس جگہ کے کھلنے سے جہاز کی رفتار میں بھی بہت فرق پڑ گیا تھا اور بار بار اسے بند کرنے کی جسمانی مشقت کرنے سے معاون ہوا باز اور ریڈیو آپریٹر تھک کر چُور ہو چکے تھے۔ اُن کے بدن نہ صرف آکسیجن کی کمی کا شکار تھے بلکہ اُن کے معدے بھی خالی تھے کیونکہ جلدی میں وہ دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھا سکے تھے اور زمینی عملے کی غلطی سے جہاز میں سینڈوچ بھی نہیں رکھے جا سکے تھے۔ اب رات کے دس بج چکے تھے اور بھوک کی حالت میں اتنی محنت کرنے سے وہ دونوں بیہوش ہو چکے تھے۔ پائیلٹ جاکی وہائٹ کو بلندی پر پرواز کرنے میں دقّت یہ تھی کہ کچھ پتہ ہی نہ چلتا تھا کہ وہ کہاں پر ہیں۔ لیکن اگر وہ ذرا کم بلندی پر آتا تو زمین سے طیارہ شکن توپیں آگ اُگلنے لگتی تھیں۔ اب سردی کی شدّت سے اُسے بھی خود پر بے ہوشی طاری ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھی۔

جہاز کی لگاتار گونج میں اچانک ایک زور کا دھماکا ہوا۔ اور ساتھ ہی ایک شدید جھٹکا بھی لگا تو پائیلٹ جاکی وہائٹ کو ہوش آیا۔ اُس نے شیشے میں سے باہر جھانکا تو اُسے بائیں طرف کے انجن سے شعلے بلند ہوتے دکھائی دیئے۔ اُس نے جلدی سے وہ انجن بند کر دیا تاکہ آگ پر قابو پایا جا سکے اور پھر اُس نے اپنے دونوں توپچیوں کو اس حادثے کی اطلاع دیتے ہوئے بتایا کہ وہ اب صرف ایک کارآمد انجن کے ذریعہ جہاز کو ہنگامی طور پر فرانس میں اُتارنا چاہتا ہے۔

اس کی اطلاع کے جواب میں ایک توپچی کی آواز تو آگئی۔ لیکن دوسرا توپچی اب بھی اُس جام ہو جانے والے دروازے کو بند کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ اُس نے جب ہاتھوں اور پاؤں کا پُورا زور لگا کر بھی اُسے بند کرنے میں کامیابی حاصل نہ کی تو تنگ آکر پُورے زور سے سر کی ٹکّر لگائی۔ دروازہ تو بند نہ ہوا لیکن وہ خود ضرور بیہوش ہو کر گر پڑا۔

اب جاکی وہائٹ کو دائیں انجن میں سے آگ کے شعلے زیادہ تیزی سے بھڑکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ ایک ڈائیو دینے کے بعد جہاز کو اُن خطرناک بادلوں سے اوپر لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔ اُسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کس مقام پر ہیں۔ بس وہ ایک ہی دُعا مانگ رہا تھا کہ ہم فرانس کی سرحد میں داخل ہو گئے ہوں لیکن اچانک زمین سے تیز سرچ لائٹ کی روشنی اُس کے چاروں طرف پڑنے لگی اور ساتھ ہی طیارہ شکن توپوں کے گولے بھی نظر آنے لگے۔ مایوسی کے عالم میں وہ دعائیں بھی بھول گیا۔ زمینی فائر اس قدر شدید اور گھنا تھا کہ اُسے بچنے کی قطعاً کوئی اُمید نہ رہی۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ رات کی تاریکی میں جہاز کا جلتا ہوا انجن نشانے بازوں کے لئے بہترین اور آسان نشانہ ہے اس لئے بچنے کی کوئی اُمید کیسے ہو سکتی تھی۔ اور پھر اسے معاون پائیلٹ سے پیغام ملا کہ وہ فرانس سے صرف بیس میل دُور رہ گئے ہیں۔ اُس نے اُمید کا دامن تھاما اور طیارے کی سمت درست کر کے پوری تیزی سے فرانس کی طرف پرواز کرنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے اُسے طیارے پر گولیوں کی ایک بوچھاڑ پڑتی محسوس ہوئی جس سے طیارے کا ڈھانچہ لرز گیا۔ بہر حال اب وہ کسی طرح بیس میل کا سفر طے کر ہی چکا تھا۔ اور وہ فرانس کی حدود میں داخل ہو چکے تھے۔ انجن کی

آگ اب بہت تیز ہو چکی تھی لیکن جاکی وہائٹ نے نہ تو خود پیراشوٹ کے ذریعہ چھلانگ لگائی اور نہ اپنے عملے کو ایسا کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اُن کے بیخ بستہ ہاتھ پاؤں پیراشوٹ کے ذریعہ اُترنے کے قابل نہیں ہیں اس کے بجائے اُس نے اپنے عملے کو محتاط رہنے کا حکم دیا اور نہایت تیزی کے ساتھ طیارے کو زمین سے قریب لے آیا۔ اسے اپنے نیچے ہموار میدان چمکتا ہوا نظر آرہا تھا لیکن عین اس وقت جب طیارے کے پہیئے سطح سے ٹکرانے لگے جاکی وہائٹ کو پتہ چل گیا کہ وہ تو دریا ہے۔ اُس نے پھرتی کے ساتھ طیارے کو اوپر اُٹھایا لیکن اس کوشش میں وہ دو کشتیوں کے بادبان بھی توڑ گیا۔ اُس نے اب قریب کی ایک ہموار جگہ پر جہاز اُتار دیا۔ ہچکولے کھاتا ہوا جہاز جب رُکا تو اُس نے بڑی پھرتی سے سب لوگوں کو باہر نکالا۔ اور جلتے ہوئے انجن پر آگ بجھانے والی گیس پھینکی۔ جب تک آگ بجھی وہ انجن جہاز سے بالکل علیحدہ ہو کر زمین پر گر چکا تھا۔

عملے کو معمولی چوٹیں آئی تھیں۔ پائیلٹ نے مسکرا کر اپنے ساتھیوں سے کہا "ہم واپس گھر تک تو نہیں پہنچ سکے لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ کم از کم اب ہم دوستانہ فضا میں تو آچکے ہیں۔" پھر وہ سب کو لے کر دُور نظر آنے والے ایک مکان کی طرف چل دیا۔

آدھ گھنٹے بعد وہ سب منہ لٹکائے ہوئے واپس آرہے تھے۔ پائیلٹ اپنے ناراض ساتھیوں سے معذرت طلب لہجے میں کہہ رہا تھا "میں نے یہی کہا تھا کہ یہاں کی فضا دوستانہ ہے۔ اگر اُس فرانسیسی عورت نے ہمیں چند گھنٹوں کے لئے پناہ دینے سے انکار کر دیا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔"

سب سے زیادہ ناخوش گوار سفر ونگ کمانڈر بارنز کے مقدر میں تھا۔ انگلستان سے اُسے میونخ تک جانا اور واپس آنا تھا۔ یہ کُل سترہ سو میل کا سفر تھا۔ جب وہ جرمنی کی فضاؤں میں اکیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کر رہا تھا تو جہاز کے پروں پر چھ انچ موٹی برف کی تہہ جم چکی تھی اور کاک پٹ میں درجۂ حرارت صفر سے بھی بیس درجے کم تھا۔ اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ بارنز اصل میں اس قسم کا جہاز چلانے کا ماہر نہ تھا اور اُس کے کل پُرزوں سے اُسے برائے نام ہی واقفیت تھی۔ پھر یہ کہ جہاز کا اگلا توپچی آکسیجن کا نظام خراب ہونے کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔ کیونکہ اتنی بلندی پر ہوا میں آکسیجن کی مقدار بہت کم تھی۔ بے ہوش ہونے سے پہلے اُس نے البتہ یہ خبر دی تھی کہ پچھلا توپچی پہلے ہی سردی سے منجمد ہو چکا ہے۔

عین اس وقت ریڈیو آپریٹر نے بھی دونوں توپچیوں کی تقلید کرنا چاہی۔ معاون ہوا باز نے اُسے گرمی پہنچانے کے لئے چہرے پر تھپکیاں دینا شروع کر دیں۔ اس جہاز میں ایک ٹن کے قریب اشتہارات جرمنی کے عوام تک پہنچانے کے لئے موجود تھے لیکن یہ ایک المیہ ہی تو تھا کہ اُس وقت اُن اشتہاروں کو پھینکنے کے لئے کوئی آدمی نہ تھا۔ پائیلٹ کو انٹرکام پر اُن چانٹوں کی مسلسل آواز آرہی تھی جو معاون ہوا باز ریڈیو آپریٹر کو لگا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اس کام کو چھوڑ دو اور اشتہار گرانے کی کوشش کرو۔" پائیلٹ نے کچھ دیر بعد اُسے مشورہ دیا۔ کسی طرح سے معاون ہوا باز دروازہ کھول کر اشتہاروں والے حصّہ میں چلا ہی گیا اور جب اُس نے چند بنڈلوں کے دھاگے توڑ کر اشتہار باہر پھینکے تو اتنی تیز ہوا چلنے لگی کہ اُس کے لئے توازن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ بڑی مشکل سے وہ خود بھی اشتہاروں کے ساتھ جرمنی میں گرنے سے بچ سکا لیکن انتقامی کارروائی کے طور پر اُس نے ذہنی فوری طور پر ایک فیصلہ کر لیا۔ آخر دشمن کے لئے بھی تو کوئی کام باقی چھوڑ دینا چاہیئے، چنانچہ.......... اُس نے بنڈلوں کے دھاگے توڑنے کے بجائے اسی طرح بندھے ہوئے بنڈل پھینکنے شروع کر دیئے۔

یہ دوسری جنگ عظیم کی ابتدا میں عجیب اتفاق تھا کہ میونخ میں اُس رات لوگ بمباری سے ہلاک نہیں ہوئے۔ کئی آوارگانِ شب کے لئے اکیس ہزار فٹ کی بلندی سے تیزی سے زمین کی طرف آنے والے یہ کاغذی بنڈل ہی موت کا باعث بن گئے۔

اشتہاروں کو اس طریقے سے پھینکنا خاصا محنت طلب کام تھا۔ اس لئے اب معاون ہوا باز بھی بے ہوشی کی تیاریاں کرنے لگا۔ پائیلٹ کے لئے یہ ایک اور مشکل مرحلہ تھا۔ مسلسل سردی کی وجہ سے جہاز کا اسٹیئرنگ اس قدر سخت ہو چکا تھا کہ ایک شخص کے لئے اُسے حرکت میں لانا انتہائی دشوار تھا۔ پائیلٹ نے اپنے آپ پر اور اس جہاز پر لعنت بھیجتے ہوئے ایک غوطہ لگایا اور نو ہزار فٹ کی بلندی پر آ گیا۔

لیکن اتنی کم بلندی پر دشمن کی گولیوں نے اُن کا استقبال کیا۔ جہاز اِن گولیوں کی بوچھاڑ سے لرزنے لگا۔ تاہم یہاں کا درجۂ حرارت ایسا تھا کہ جہاز کو آسانی سے چلایا جا سکتا تھا اور معاون ہوا باز اور پچھلا توپچی دونوں ہوش میں بھی آ چکے تھے۔ وہ دونوں اشتہاروں والے کیبن سے نکل کر جہاز میں واپس آئے ہی تھے کہ ایک گولہ لگنے سے وہ کیبن جہاز سے علیحدہ ہو گیا۔

اب پائیلٹ نے جہاز کا رُخ موڑا اور واپس چل دیا۔ طیارہ شکن توپوں کی مسلسل فائرنگ سے تنگ آ کر ایک مرتبہ پھر اُسے طیارے کو بلندی پر لے جانا پڑا۔ ریڈیو آپریٹر تو ابھی تک ہوش میں آیا ہی نہ تھا۔ اُس کے منہ میں گرم گرم کافی ڈال کر بڑی مشکل سے ہوش میں لایا گیا۔ اب جہاز دوبارہ پہلے کی طرح بلندی پر تھا اور اُس کی باڈی پر گولیاں

لگ لگ کر درجنوں سوراخ ہو گئے تھے جن میں سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا بہت تیزی سے آرہی تھی۔ اس کے علاوہ میونخ پر زیادہ وقت پرواز کرنے کی وجہ سے اب جہاز میں پٹرول بھی بہت کم رہ گیا تھا۔ اس پٹرول سے وہ واپس لندن تک نہ پہنچ سکتے تھے۔

معاون ہواباز نے انٹرکام پر اطلاع دی کہ وہ فرانس کی فضا میں پہنچ چکے ہیں تو پائیلٹ نے جہاز کو وہیں اُتارنے کا فیصلہ کر لیا۔ انتہائی تاریک رات میں بڑی مشکل سے انھوں نے ایک کھیت میں جہاز اتار لیا۔ لیکن مناسب یہی سمجھا کہ صبح ہونے تک جہاز کے اندر ہی رہا جائے۔ صبح انھیں دُور سے چند نوجوان لڑکے اپنی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ اُن کے تیور اچھے نہ معلوم ہوتے تھے۔ پائیلٹ نے عملے سمیت باہر نکل کر زور زور سے "فرانس زندہ باد" کے نعرے لگائے تاکہ وہ لڑکے انھیں اپنا دوست اور حمایتی سمجھ کر نقصان نہ پہنچائیں لیکن جواب میں وہ لڑکے اُن سے کچھ فاصلے پر رُک کر مشکوک انداز میں کسی اور زبان میں بات چیت کرنے لگے۔ پھر پائیلٹ کو بہت دُور سے چند سائیکل سوار بھی اپنی طرف آتے نظر آئے جنھوں نے کاندھوں سے رائفلیں بھی لٹکا رکھی تھیں۔ یقیناً وہ لوگ انھیں گرفتار کرنے آئے تھے ایک سائیکل سوار نے جوش میں آکر کہا:

"گدھے کے بچو۔ فرانس یہاں سے بیس میل دُور ہے۔"

ابھی سائیکلوں والے سائیکلوں سے اُتر کر رائفلیں سنبھالنے ہی میں لگے ہوئے تھے کہ پائیلٹ اپنے ساتھیوں سمیت جہاز کے اندر پہنچ چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جہاز خود بھی خطرہ بھانپ کر فضا میں بلند ہونے میں تیزی دکھا رہا ہو۔ رائفلوں والوں نے اندھا دھند فائر کئے لیکن وہ جہاز تو اب بہت دُور نکل چکا تھا۔ پندرہ منٹ دوبارہ وہ زمین پر اُترے۔ فرانس آچکا تھا۔ جہاز کے ڈھانچے میں تین سو ستر گولیوں کے نشان تھے۔ دونوں پَروں کی حالت بے حد شکستہ تھی۔

پانچویں جہاز کو نورمبرگ پر اشتہار گرانے تھے۔ یہ شہر خصوصی اہمیت کا حامل تھا کیونکہ یہ نازی پارٹی کا گڑھ تھا۔ اس جہاز کو میکلاڈ چلا رہا تھا۔ سردی کی شدت سے پائیلٹ کو محسوس ہوا کہ نہ صرف وہ خود بلکہ جہاز بھی جام ہو رہا تھا۔ اُس نے جہاز اور اپنے عملے سب کو متحرک رکھنے کے لئے ایک انوکھی ترکیب اختیار کی۔ اور جہاز کو سیدھا چلانے کے بجائے دھچکے دینے لگا۔ جس سے وہ کسی شرابی کی طرح لڑکھڑانے لگا۔ لیکن نورمبرگ پہنچتے پہنچتے سب لوگ سردی کا شکار ہو چکے تھے۔ مقررہ مقام پر پہنچ کر اشتہار گرانے کے لئے دروازہ کھولا گیا لیکن وہ آدھا کھُل کر جام ہو گیا۔ اُسے کھولنے کے لئے عملے کے ارکان نے زور لگایا تو اُن کا سانس پھُول گیا کیونکہ آکسیجن کی کمی کی وجہ سے پہلے ہی اُن کی حالت ابتر تھی۔ وہ سب آکسیجن کے سلنڈروں کی طرف بھاگے لیکن وہاں صرف ایک ہی سلنڈر موجود تھا، باقی جلدی میں جہاز پر لادے نہیں جا سکے تھے۔

آخر پائیلٹ مکلاڈ کے حکم پر کسی نہ کسی طرح اُس نیم وا دروازے ہی سے اشتہار گرا دیئے گئے۔ جس وقت عملہ اشتہار پھینک رہا تھا، زمین سے سرچ لائٹوں اور گولوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی جن سے بچنے کے لئے پائیلٹ نے جہاز کو بار بار دائیں بائیں اس قدر غوطے دیئے کہ عملے کے لئے ایک آفت سی آگئی۔ آخر کام ختم ہوا اور انھوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب ایک اور مسئلہ پیدا ہو گیا۔ ریڈیو آپریٹر نے اپنی ابتر حالت کے پیشِ نظر آکسیجن کے سلنڈر کو دستانہ اُتار کر پکڑا تھا لیکن اب سردی سے اُس کا ہاتھ وہیں اکڑ چکا تھا۔ اور پُوری کوشش کے باوجود وہ ہاتھ کو سلنڈر سے جُدا نہ کر سکا تھا۔ اُس کی صورت ایسی مضحکہ خیز بنی ہوئی تھی کہ اس عالم میں بھی سب لوگ ہنس رہے تھے

اُن کا جہاز فرانس کی حدود میں داخل ہو چکا تھا کہ پائیلٹ کو جہاز ایک طرف جھکتا محسوس ہوا۔ اُس نے دائیں طرف نگاہ ڈالی تو اُسے پتہ چلا کہ دایاں انجن نہ جانے کیوں الگ ہو کر گرنے والا ہے۔ اُس نے فوراً توازن برقرار رکھنے کی کوشش کی اور انٹرکام پر باقی لوگوں کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ پچھلے توپچی نے جواب دیا۔

"جناب۔ آپ جس طریقے سے جہاز کو پتنگ کی طرح اُڑا رہے تھے اُس سے تو بایاں انجن بھی شاید جُدا ہو جائے گا۔"

اگر پائیلٹ مکلاڈ یہ سُن لیتا تو شاید برہم ہو جاتا لیکن انٹرکام میں کوئی نقص پیدا ہو چکا تھا اس لئے وہ سُن نہ سکا۔ مکلاڈ نے اب اچانک محسوس کیا کہ بایاں انجن بھی ٹھیک طرح کام نہیں دے رہا تھا۔ اس حالت میں جہاز میں رہنا خطرناک بھی ہو سکتا تھا اس لئے اُس نے فوری طور پر انٹرکام کے ذریعہ سب لوگوں کو حکم دیا کہ وہ پیراشوٹ کے ذریعہ چھلانگ لگا دیں۔ جہاز اب ہچکولے کھا رہا تھا اور سامنے ہی پہاڑیوں کا سلسلہ تھا۔ اس لئے پائیلٹ نے پُوری توجہ اس بات پر مرکوز کر دی کہ جہاز اس بلندی پر ہی رہے پھر اُس نے عملے کو دوبارہ ہدایت کی کہ جلد از جلد باہر کود جائیں۔

"تم لوگ اب تک یہیں ہو؟ جلدی کرو۔ اگر جہاز نیچے چلا گیا تو پیراشوٹ کھُل نہیں سکیں گے۔"

معاون ہواباز کی آواز آئی "جناب ہمیں کچھ وقت درکار ہے۔ اگلے توپچی کا خون بہہ رہا ہے۔"

"لیکن پھر بھی بہت جلدی کرو۔ ورنہ خون کی گردش ہی رُک جائے گی۔" پائیلٹ نے چلّا کر کہا۔

اصل میں اگلے توپچی کی نکسیر پھوٹ پڑی تھی۔ بہرحال اُسے کسی طرح پیراشوٹ دے کر دروازے کی طرف لے جایا گیا اور اب وہ دروازے میں پھنس چکا تھا کیونکہ وہ بہت فربہ تھا۔ آخر ریڈیو آپریٹر اور معاون ہوا باز نے دھکا دے کر اُسے باہر پھینکا۔ اس کے بعد ریڈیو آپریٹر نے بھی چھلانگ لگادی لیکن جلدی میں اُس کا پاؤں ایک تار میں اُلجھ گیا اور وہ جہاز کے نیچے اُلٹا لٹکنے لگا۔ معاون ہوا باز نے جلدی سے اُس تار کو کاٹ کر اُسے آزاد کیا تو وہ زمین کی طرف آنے لگا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اُس کا ایک ہاتھ اب بھی اُس آکسیجن سلنڈر کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ اس افراتفری میں جان بچانے کے لئے وہ باقی سب کچھ بھول چکا تھا۔

اب معاون ہوا باز نے بھی چھلانگ لگادی۔ برفانی بادلوں میں سے تیزی سے نیچے گرتے ہوئے اسے جھٹکا لگا۔ پیراشوٹ کھل چکا تھا۔ اور اب اُسے اچانک ایک بات یاد آئی تو اُس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ اُسے یاد آیا کہ پچھلے توپچی نے اب تک چھلانگ نہیں لگائی تھی۔ معاون ہوا باز کی حیثیت سے یہ اُس کا فرض تھا کہ جہاز سے کودنے سے پہلے اس بات کی تصدیق کر لیتا لیکن شدید گھبراہٹ میں اُسے یاد ہی نہ رہا تھا۔ لیکن پھر اُس نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسلّی دے لی کہ آخر پچھلا توپچی بہرا تو نہیں تھا اُس نے بھی انٹرکام پر پائیلٹ کا حکم سُن ہی لیا ہوگا (اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ انٹرکام کا وہ حصّہ جو پچھلے توپچی سے مربوط تھا خراب ہو چکا تھا) اُس نے خود کو زمین کے قریب آتے دیکھا۔ نیچے غور سے دیکھنے پر پتہ چلا کہ تالاب کا پانی چمک رہا ہے۔ اُسے اپنی تربیت کے دوران میں دی جانے والی ہدایت یاد آئی کہ اگر آپ پیراشوٹ کے ذریعہ پانی میں کودنے والے ہوں تو اپنے بھاری جوتے اُتار دیں ورنہ پانی میں کودتے ہی ان بھاری جوتوں کی وجہ سے تیر کر خشکی پر پہنچنا ناممکن ہو جائے گا۔ اُس نے بڑی تیزی سے جوتے اُتار دیئے جو اُس سے پہلے ہی پانی میں جاگرے۔

پھر وہ ایک زوردار آواز کے ساتھ خشک اور سخت زمین پر آگرا۔ اُس نے پانی کا تالاب تو واقعی دیکھا تھا لیکن اُس کا اندازہ غلط ثابت ہوا تھا اور وہ تالاب سے پچاس فٹ کے فاصلے پر آکر گرا تھا۔ اُس کا دایاں ٹخنہ ٹوٹ چکا تھا۔

ریڈیو آپریٹر کا ایک ہاتھ آکسیجن سلنڈر کے ساتھ ہی لپٹا ہوا تھا۔ بڑی مشکل سے اُس نے ایک ہاتھ سے پیراشوٹ کھولا۔ جب وہ زمین پر اُترا تو اپنے اردگرد اُسے بہت سی گائیں بھینسیں چرتی ہوئی نظر آئیں۔ اپنی پُرسکون خاموشی میں اس مداخلت پر کئی مویشی بدک کر اُس کی طرف دوڑے تو ریڈیو آپریٹر ڈر کے مارے بھاگ اُٹھا اور سامنے کی دیوار پھاند کر باہر جاگرا۔ اُسے کئی جگہ خراشیں آئیں لیکن ایک فائدہ ضرور ہوا۔ اس جھٹکے سے آکسیجن سلنڈر سے اُس کا ہاتھ آزاد ہو چکا تھا۔

وہ موٹا توپچی جسے دھکا دے کر جہاز کے دروازے میں سے نکالا گیا تھا جب ایک درخت پر گرا تو اُس کی کئی ٹہنیاں توڑ کر اپنے ساتھ لیتا ہوا گرا۔ راستے میں اُس کی نکسیر بند ہو چکی تھی۔

اُدھر پائلٹ مکلاڈ کو یہ علم نہ ہو سکا تھا کہ پچھلا توپچی انٹرکام کی خرابی کی وجہ سے کودنے کا حکم نہ سُن سکا ہوگا۔ اُسے جب کوئی آواز نہ آئی تو وہ یہی سمجھا کہ سب لوگ چھلانگیں لگا چکے ہیں۔ اُس نے بھی جہاز کا منہ اوپر کی طرف اُٹھایا اور پھر کاک پٹ میں سے کود گیا۔ اب جہاز کسی پائلٹ کے بغیر ہی کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ڈول رہا تھا۔ بائیں انجن میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ پچھلا توپچی ابھی تک اس بات سے بالکل بے خبر تھا کہ اُس کا کہنا سچ ثابت ہوا ہے اور بایاں انجن بھی خراب ہے اور یہ کہ باقی سب لوگ پیراشوٹ کے ذریعہ چھلانگ لگا چکے ہیں، وہ جہاز میں بالکل اکیلا تھا لیکن اُسے خطرے کا احساس نہ تھا۔ وہ تو سردی اور بے ہوشی سے بچنے کے لئے مشین گن سے سر ٹکرا رہا تھا۔ حالانکہ کسی بھی لمحے جہاز خطرناک پہاڑیوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہو سکتا تھا لیکن یقیناً اُس توپچی کی قسمت اُس کا ساتھ دے رہی تھی۔ جہاز ان بے ہنگم پہاڑیوں سے ٹکرائے بغیر آگے نکل گیا۔ اب وہ ایک وسیع میدان پر پرواز کر رہا تھا۔ اور آہستہ آہستہ زمین کی طرف آرہا تھا۔ پھر اُس کے پہیئے زمین سے ٹکرائے اور کئی مرتبہ ہچکولے کھانے کے بعد آخر جہاز رُک ہی گیا۔ توپچی نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ایک انجن علیحدہ ہونے کے باوجود مکلاڈ جہاز کو زمین تک لے ہی آیا ہے۔ یہ کام بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے وہ پائیلٹ کی مہارت کی داد دیتے ہوئے باہر نکلا تو اُسے بائیں انجن میں سے بھی آگ کے شعلے اُٹھتے ہوئے نظر آئے۔ اُس نے زور سے کہا "آپ گھبرائیے نہیں۔ میں ابھی آگ بجھانے کا سامان نکالتا ہوں" وہ اپنے زعم میں پائیلٹ کو اطمینان دلاتا ہوا تیزی سے دوبارہ جہاز کے اندر چلا گیا۔

جب وہ آگ بجھا رہا تھا تو اچانک اُس کی نظر کاک پٹ کے اندر پڑی۔ وہ تو مفلس کی جیب کی طرح خالی تھا! اُس نے جہاز کے اِدھر اُدھر دیکھا۔ آخر یہ لوگ کدھر چلے گئے؟ اگر وہ جہاز سے اُترے ہیں تو انہیں یہیں کہیں ہونا چاہیئے تھا۔ جب اُس کی عقل میں یہ بات سمائی کہ جہاز خراب ہوتے ہی سب لوگ کود گئے تھے اور اب وہ جلتے ہوئے جہاز کے قریب خطرے سے بھی دوچار ہو سکتا ہے تو اُس نے وہاں سے بھاگنے میں تیز رفتاری کا ایک نیا ریکارڈ قائم کر دیا۔

جرم اسی کا تھا

دس لاکھ ڈالرس کو دیئے گئے،
وہ انعام تھا یا معاوضہ
وہ نہیں سمجھ سکا

ایڈورڈ ویلن
ادریس ناصر

تھامس اور تھ چمکدار ربنوں سے کرسمس کے درخت کی زیبائش کر رہا تھا کہ اچانک اطلاعی گھنٹی بجنے لگی۔ خوف کی ایک سرد لہر اس کے پورے جسم میں اترتی چلی گئی۔ اس وقت بھلا کون آسکتا ہے اس نے سوچا۔ اور پھر جلدی سے بتی کی ایک پٹی کو ہاتھ سے رکھتے ہوئے دروازے کی طرف چلا تاکہ گھنٹی دوبارہ بج کر لوسی کی نیند نہ خراب کردے۔ اس نے دروازہ کھولا اور اپنے سامنے کینتھ میتھوک کو کھڑا دیکھ کر حیران رہ گیا۔

”مجھے اندر آنے دو۔“ میتھوک جلدی سے تھامس کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے اندر آگیا۔ اور خود ہی دروازہ بھی بند کردیا تھامس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس دبا ہوا ہے۔

میتھوک نے دروازہ بند کرنے کے بعد کمرے میں ادھر اُدھر دیکھا

”تمھاری بیوی؟“ اس نے سوالیہ انداز میں سرگوشی کی

”لوسی؟“ تھامس کو فوراً ہی اپنی حماقت کا احساس ہوگیا۔ آخر اس کی ایک ہی تو بیوی تھی اور اس کا نام لوسی تھا۔ ”ہاں وہ اوپر بیڈ روم میں سو رہی ہے۔“

”یہاں کوئی اور تو نہیں ہے؟“

”نہیں“ تھامس نے مشینی انداز میں جواب دیا۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔

”اوہ“ میتھوک کے منہ سے نکلا۔ وہ اپنے بریف کیس پر انگلیاں بجا رہا تھا چند لمحے رک کر اس نے کھنکار کر اپنا گلا صاف کیا اور تھامس کی طرف غور سے دیکھا۔

”تم جیوڈتھ ہیرن کو جانتے ہو؟“ اس نے پوچھا

بیشک۔ تھامس کے ذہن نے سوچا۔ وہ ایک ٹائپسٹ تھی جسے اپنی خوبصورتی کا شدید احساس تھا اور شاید اسی لئے اس کے چہرے پر ہمیشہ کچھ ایسا تاثر نظر آتا تھا جیسے کہہ رہی ہو۔ تم نے اگر مجھے چھیڑا تو تھپڑ مار دوں گی۔ میتھوک اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ اب تھامس کی باری تھی کہ کھنکار کر اپنا گلا صاف کرے۔

"وہ ٹائپسٹ ہے نا؟" اس نے کہا۔ "مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

میتھوک کی نظریں نہ معلوم کیوں کرسمس کے درخت کی سب سے اوپری شاخ میں لگے ہوئے ستارے پر جمی ہوئی تھیں۔ تھامس کی بات سن کر وہ خاموش رہا۔ اور جب بولا تب بھی اس کی نگاہیں اسی ستارے پر مرکوز تھیں۔

"تم آج شام دفتر کی کرسمس پارٹی میں موجود تھے؟" اس نے پوچھا۔

تھامس کا منہ لٹک گیا۔ وہ ایک ادنیٰ درجہ کا ملازم تھا اور میتھوک بہرحال میتھوک تھا۔ اس کا باس۔ لیکن کیا پارٹی میں اس کی موجودگی کو اتنا کم محسوس کیا گیا تھا۔ خود میتھوک نے اسے کئی مرتبہ سرسری نظروں سے دیکھا تھا اور ایک بار وہ اسے دیکھ کر شراب کا گلاس اٹھاتے ہوئے مسکرایا بھی تھا لیکن اس کے سوال سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس سالانہ پارٹی میں موجود بے شمار لوگوں کے ہجوم میں تھامس کی شرکت میتھوک کے ذہن سے محو ہو چکی ہے۔

"میں پارٹی میں گیا تھا۔" تھامس نے جواب دیا۔ "لیکن زیادہ دیر نہیں ٹھہرا حالانکہ چاہتا تھا مگر لوسی کے خیال سے جلدی واپس آنا پڑا۔"

"ہاں میں جانتا ہوں کہ تمہارے احساسات۔ خاص طور پر آج کی رات۔ کیا ہوں گے۔" میتھوک نے نرمی سے کہا مگر یہ نرمی صرف لہجہ تک محدود تھی۔ اس کی آنکھیں کسی اندرونی جوش سے چمک رہی تھیں۔ "اب تمہاری بیوی کی طبیعت کیسی ہے؟ مجھے معلوم ہوا تھا کہ وہ کافی دن سے بیمار چلی آ رہی ہے۔"

"ڈاکٹر اس کے اندر کوئی جسمانی بیماری نہیں بتاتے۔" تھامس نے کہا۔ "ان کے خیال میں وہ ذہنی اور اعصابی طور پر علیل ہے اور اسی کا علاج ہو رہا ہے۔"

"بڑے افسوس کی بات ہے، تم دونوں ہی اس سلسلے میں کافی پریشان ہو گے" میتھوک نے کہا۔ "مجھے بھی کچھ ایسی ہی اطلاع ملی تھی۔ وہ بیشتر وقت دواؤں کے اثر میں رہتی ہے۔" اس نے رک کر تھامس کی طرف غور سے دیکھا۔ "گویا تمہاری بیوی گواہی دینے کے قابل نہیں۔" وہ بولا۔ "میرا مطلب ہے کہ وہ پورے وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ تم پارٹی سے جلدی رخصت ہو کر سیدھے گھر آ گئے تھے۔"

تھامس نے پلکیں جھپکائیں۔ کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ اگرچہ خود اسے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے مگر بہرحال میتھوک نے اسے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

"نہیں۔ پہلے میری بات سن لو۔" اس نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ تم آفس پارٹی میں اس کے ختم ہونے کے ایک گھنٹہ بعد تک ٹھہرے رہے تھے اور لوگ تمہارے بیان پر یقین کر لیں گے۔"

"ہاں۔ اگر میں کہوں تو شاید لوگ یقین کر لیں۔" تھامس نے جواب دیا۔ "مگر مجھے یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیونکہ تمہارے آنے کے بعد وہاں ایک حادثہ ہو گیا ہے۔" میتھوک نے کہا۔ "مجھے یاد ہے۔ اور یقیناً دوسروں کو بھی یاد ہو گا کہ جیوڈتھ پارٹی ختم ہونے سے کچھ پہلے تک زندگی سے بھرپور نظر آ رہی تھی۔ پھر وہ کہیں نظر نہیں آئی۔ میں نے سمجھا کہ شاید وہ اپنے گھر یا کہیں اور چلی گئی ہے۔ جب پارٹی ختم ہوئی تو میں اور میرا لڑکا وہاں اکیلے تھے اور میرا یا اس کے علاوہ۔ یا پھر اب تمہیں معلوم ہے۔ کوئی اس بات کو نہیں جانتا۔"

"کیا بات نہیں جانتا؟" تھامس نے پوچھا

"میرے بیٹے کا کہنا ہے کہ اس نے بہت زیادہ شراب پی لی تھی اس لئے اسے کچھ ٹھیک سے یاد نہیں۔" میتھوک نے کچھ منہ بگاڑتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ بس اتنا جانتا ہے کہ جب اسے کچھ ہوش آیا تو وہ اپنے پرائیوٹ آفس میں جیوڈتھ کے ساتھ تنہا تھا اور وہ مر چکی تھی میرے بیٹے کا خط کھولنے والا چاقو اس کے سینے میں گھسا ہوا تھا۔ مجھے اس وقت تک اس بات پر یقین نہیں آیا جب تک میں نے خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیا۔ لیکن اس کے باوجود میرا ذہن اسے تسلیم نہیں کر رہا ہے۔" میتھوک کانپ سا گیا "تمام قالین خون کے چھینٹوں سے سرخ ہو رہا تھا۔"

تھامس کو میتھوک کے بیٹے میتھوک جونیئر سے اسی وقت سے نفرت ہو گئی تھی جب وہ پہلی مرتبہ دفتر میں کام کرنے آیا تھا اور اسے تھامس سے اوپر کا عہدہ دیا گیا تھا اب جونیئر اس عہدے سے ترقی کرتے کرتے بہت اوپر پہنچ گیا تھا جبکہ تھامس وہیں کا وہیں تھا۔ میتھوک کے منہ سے یہ بات سن کر اسے کچھ خوشی سی محسوس ہوئی۔ اس نے غور سے میتھوک کی طرف دیکھا۔

"لیکن تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟" اس نے کہا۔ "اور مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو۔ جبکہ تمہیں میرے بجائے پولیس سے رجوع کرنا چاہیئے تھا۔"

"اس لئے کہ میں جونیئر کو جیل نہیں بھیجنا چاہتا۔" میتھوک نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ بات میری تمام تگ و دو پر پانی پھیر دے گی۔ ابھی جونیئر کو زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ میں اس کی ایک وقتی حماقت سے اس کا پورا مستقبل تباہ نہیں ہونے دوں گا۔ میں نے یہ فرم ایسی مضبوط بنیادوں پر رکھی ہے کہ میرے بعد اس سے میرا بیٹا بھی فائدہ حاصل کر تا رہے۔"

وہ ایک مرتبہ پھر کرسمس کے درخت پر لگے ہوئے ستارے کو دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ ہر شخص مجھے سخت مزاج اور سرد مہر خیال کرتا ہے۔ ممکن ہے یہ سچ ہو اور اگر یہ سچ ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں خود غرض ہوں۔ میں نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے جونیئر اور اس کے مستقبل کے لئے کیا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر اس کی جگہ تم یہ الزام کیوں نہیں اٹھا لیتے؟" تھامس کہے بغیر نہ رہ سکا۔

"اس لئے کہ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ میں جیوڈتھ کو قتل نہیں کر سکتا تھا۔" میتھوک نے جواب دیا۔ "پہلی بات تو یہ کہ مجھے اس کا موقع حاصل نہیں تھا۔ جب تک پارٹی ختم نہیں ہو گئی بہت سے لوگ مجھ سے ملتے اور باتیں کرتے رہے۔"

اس نے ستارے سے نظریں ہٹا کر تھامس کی طرف دیکھا۔ "اس لئے مجھے کسی اور شخص کی ضرورت ہے۔ کوئی ایسا شخص کہ جو اگر پارٹی سے اٹھ کر جیوڈتھ کو ساتھ لے کر اندرونی آفس میں چلا جاتا تو اس کی عدم موجودگی کسی طرح بھی محسوس نہ کی جاتی۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"میری ضرورت ہے؟" تھامس نے چونکتے ہوئے کہا۔

"قتل وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر کیا گیا ہے۔ شراب کے نشے میں اور

جبکہ تم زیادہ شراب پینے کے عادی بھی نہیں تھے دو چار گلاس ہی تمہیں مدہوش کرنے کے لئے کافی تھے۔ پھر تم اپنی بیوی کی بیماری کی وجہ سے ازدواجی زندگی کے لطف سے بھی محروم تھے۔ یہ بات سب کی سمجھ میں بڑی آسانی سے آجائے گی کہ تم نے شراب کے نشے میں ایک وقتی جذبے سے مغلوب ہوکر جیوڈتھ سے اپنی پیاس بجھانا چاہی اس نے مزاحمت کی اور تم نے اسے اسی مدہوشی کے عالم میں قتل کر دیا۔ دفتر میں ہر کوئی جانتا ہے کہ تم بڑے خاموش طبع اور فرض شناس ملازم ہو۔ ایک شریف شہری ہو۔ سب یہ بات محسوس کریں گے کہ تم نے جو کچھ کیا اس میں تمہارے ارادے کو دخل نہیں تھا۔ اس کے لئے تمہیں زیادہ موردالزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ عدالت بھی تمہارے ساتھ نرمی برتتے ہوئے کم سے کم سزا دے گی۔ خاص طور سے ایسی صورت میں جبکہ تم خود اپنے آپ کو قانون کے سپرد کر دو۔ تمہارے کوئی اولاد بھی نہیں ہے اور تمہیں اپنی بیمار بیوی کا علاج بھی کرانا ہے۔ میری بات مان کر تمہیں اتنا نقصان نہیں پہنچے گا جتنا فائدہ ہوگا۔ میں تمہیں.....“

”معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔“ تھامس نے بات کاٹی۔ یہ جانتے ہوئے کہ اگر اس نے کوئی سخت جواب دیا تو اس کی ملازمت بھی ختم ہوسکتی ہے لیکن اسے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے میتھوک کو غصے سے گھورا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا یہ آدمی سچ مچ یہ سمجھتا ہے کہ وہ جونیئر کے لئے ۔ کسی اور کے لئے بھی نہیں ۔۔ اپنی قربانی پیش کردے گا۔

”مجھے قربانی کا بکرا بننے کی کیا ضرورت ہے؟“ اس نے کہا

”ضرورت ہے اور بہت معقول ضرورت ہے۔“ میتھوک نے کہا اس نے اپنا بریف کیس کھولا اور اس میں سے بانڈوں کی ایک موٹی سی گڈی نکالی ”۔ یہ میرے آفس کے سیف میں رکھے تھے۔“ اس نے بتایا ”ان کی مجموعی مالیت دس لاکھ ڈالر کے قریب ہے۔ اور یہ بیرر بانڈ ہیں جنہیں کوئی بھی آسانی سے کیش کرا سکتا ہے۔ لو تم خود دیکھ لو۔“

اس نے گڈی تھامس کے ہاتھ پر رکھ دی۔ تھامس نے بانڈوں کو غور سے دیکھا وہ ہر اعتبار سے درست اور اصلی معلوم ہو رہے تھے اور اگر مارکیٹ اونچا جا رہا ہو تو ان کی مجموعی قیمت دس لاکھ سے بھی زیادہ وصول ہوسکتی تھی۔

میتھوک نے اپنے بریف کیس سے ایک رومال نکالا جو لپٹا ہوا تھا۔ اس نے اسے کھولا اور تھامس نے دیکھا کہ رومال کے اندر خط کھولنے والا چاقو رکھا ہے۔ اس کے پھل پر خون کے دھبے بھی موجود تھے۔

”بتاؤ کیا کہتے ہو؟“ میتھوک نے پوچھا ”دس لاکھ ڈالر کے بدلے اس چاقو کے دستے پر اپنی انگلیوں کے نشانات بنانے کے لئے تیار ہو؟“

کمرے میں ایک طویل سکوت چھا گیا۔ تب پھر آہستہ آہستہ تھامس نے اپنا ایک ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ میتھوک نے یہ دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔

”دوسرا ہاتھ آگے بڑھاؤ۔“ اس نے کہا ”تم سیدھے ہاتھ سے کام کرنے کے عادی ہونا۔“

تھامس نے اثبات میں سر ہلایا اور بانڈوں کی گڈی اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کرتے ہوئے سیدھا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ میتھوک نے اپنے دستانہ پہنے ہوئے ہاتھ سے چاقو اٹھا کر تھامس کی ہتھیلی پر رکھ دیا۔ تھامس نے ایک ہاتھ میں چاقو اور دوسرے ہاتھ میں بانڈ اسی طرح اٹھا رکھے تھے جیسے ان دونوں کا وزن کر رہا ہو۔ پھر اس نے چاقو کے دستے کو اپنی مٹھی میں لے لیا۔ میتھوک نے اپنے ہاتھ سے اس کی مٹھی زور سے پکڑ کر دبائی اور جب اسے یقین ہوگیا کہ اب تھامس کی انگلیوں کے نشانات واضح طور پر چاقو کے دستے پر آچکے ہوں گے۔ تب اس نے تھامس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ تھامس نے اپنی مٹھی کھولی اور میتھوک نے چاقو اٹھا کر دوبارہ رومال میں بڑی احتیاط سے لپیٹتے ہوئے بریف کیس میں رکھ دیا۔

”میں تمہارا بہت ممنون ہوں تھامس۔“ اس نے کہا ”اور میں تمہارے لئے بہترین وکیل صفائی کو مقرر کروں گا۔ اب تمہیں صرف اتنا کرنا ہے کہ میرے یہاں سے جانے کے بعد مجھے ایک گھنٹہ کا وقت دو تاکہ میں آفس واپس جا کر یہ خط کھولنے والا چاقو وہاں چھوڑ سکوں اور پھر تم اپنے کو قانون کے حوالے کر دینا۔“

میتھوک نے کھڑکی کے پاس جا کر اس کا پردہ اٹھا کر باہر جھانکا۔

”میں نے اپنی کار سڑک کے موڑ پر کھڑی کی ہے تاکہ اسے کوئی تمہارے گھر کے سامنے نہ دیکھ لے۔“ اس نے کہا ”اور میں نے یہاں آتے ہوئے یہ احتیاط بھی کی ہے کہ کوئی مجھے نہ دیکھ لے میں اسی احتیاط کے ساتھ واپس بھی جاؤں گا۔“

اس نے رخصت ہونے کے انداز میں سر ہلاتے ہوئے دروازہ کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اچانک تھامس کے ذہن میں ایک شبہ نے سر ابھارا۔

”ذرا ٹھہرو میتھوک۔“ اس نے تیزی سے کہا

”کیا بات ہے؟“ میتھوک نے رک کر سر گھماتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے یقین کیسے ہو کہ تم مجھے پھانسنے کی کوشش نہیں کر رہے ہو؟“

”پھانسنے کی کوشش؟“ میتھوک نے حیرانی سے کہا ”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے کہ اب جبکہ تم اس چاقو پر میری انگلیوں کے نشانات لے چکے ہو کون سی چیز ایسی ہے جو تمہیں اس بات سے باز رکھ سکے کہ تم مجھ پر قتل کا الزام عائد کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی رقم واپس لینے کی کوشش نہ کرو۔ کون جانے کہ تم اس چاقو کو موقع واردات پر چھوڑنے کے بعد۔ جب بات پولیس تک پہنچے تو تم یہ دعویٰ بھی نہ کر بیٹھو کہ تمہارے سیف سے یہ بانڈ بھی نکال لئے گئے ہیں۔ میں یہ بات کبھی ثابت نہیں کرسکوں گا کہ تم میرے پاس آئے تھے اور خود یہ بانڈ دے گئے تھے۔ مجھے کیسے یقین ہو کہ تم پولیس کو یہ باور کرانے کی کوشش نہیں کرو گے کہ میں نے جیوڈتھ کو جذبات کے اندھے جوش میں نہیں بلکہ اس لئے قتل کیا کہ اس نے مجھے سیف سے بانڈ چوری کرتے دیکھ لیا تھا۔“

”یقین کرو کہ یہ خیال تک میرے ذہن میں نہیں آیا تھا۔“ میتھوک نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ”بہرحال میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔“ اور یہ کہتے ہوئے اس نے پھر دروازہ کھولنا چاہا۔

”جانے میں اتنی جلدی مت کرو میتھوک“ تھامس نے تیزی سے کہا ”تمہارے

ذہن میں پہلے یہ خیال تھا یا نہیں یا یہاں سے دفتر جاتے ہوئے راستہ میں آسکتا تھا یا نہیں یہ میں نہیں جانتا لیکن اب بہرحال تمہارے ذہن میں آچکا ہے چنانچہ اسے طے کیے بغیر تم نہیں جاسکتے۔"

"میرے پاس تم سے بحث کرنے کے لیے وقت نہیں ہے۔" میتھوک نے بیتابی سے کہا۔ "مجھے اس سے پہلے کہ کوئی وہاں لاش کو دیکھ لے واپس پہنچنا ہے۔ اس لیے میں صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تمہیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیئے۔" اس نے ایک بار پھر قدم بڑھانے کی کوشش کی۔

"میں کہتا ہوں رک جاؤ میتھوک۔" تھامس سخت لہجہ میں بولا اور اسے خود اپنی ہمت پر حیرت ہوئی۔ اس کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی جس نے میتھوک کے قدم بھی روک دیئے۔

"میں ابھی پولیس کو فون کرسکتا ہوں۔" اس نے یہ کہا۔ "اور پولیس تمہارے جاقو چھوڑنے سے پہلے وہاں پہنچ سکتی ہے۔ اس طرح تمہارا پورا منصوبہ ناکام ہوسکتا ہے۔"

میتھوک نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اس کی نظروں میں پہلی مرتبہ تھامس کے لیے تعریف اور احترام کے تاثرات ابھرے۔

"پھر تم کیا تجویز پیش کرتے ہو؟" اس نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا مگر یہ بل ناراضگی کے نہیں تھے۔ "میں کس طرح تمہیں یہ اطمینان دلاسکتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ کوئی فریب نہیں کروں گا؟"

تھامس کے پاس اس سوال کا جواب تیار تھا۔

"مجھے اپنے ہاتھ سے ایک تحریر لکھ کر دو۔" اس نے کہا۔ "جس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو کہ تم نے میری کچھ خدمات کے عوض یہ بانڈ خود اپنی مرضی سے مجھے دیئے ہیں۔ اگر تم میرے ساتھ کوئی چالبازی نہیں کروگے تو مجھے پولیس کو یہ تحریر دکھانے کی کبھی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

میتھوک کی پیشانی کے بل کچھ اور گہرے ہوگئے۔ مگر پھر وہ ایک گہری سانس لیتے ہوئے تھامس کے کہنے کے مطابق اپنی تحریر دینے کے لیے آمادہ ہوگیا۔ وہ دفعتاً اپنی عمر سے زیادہ بوڑھا نظر آنے لگا تھا۔ بہرحال اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے تھامس کو اس کی حسب منشا تحریر لکھ کر دے دی۔ تحریر لکھتے ہوئے اس کے ہاتھوں میں کوئی کپکپاہٹ بھی نہیں تھی اور چونکہ اس کے بعد مزید کچھ کہنے سننے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس لیے وہ بڑی خاموشی سے رخصت ہوگیا۔

باہر ہوا کافی تیز چل رہی تھی۔ تھامس کو میتھوک کے جانے کے بعد بیرونی دروازہ بند کرنے میں کافی دشواری پیش آئی۔ وہ دروازہ بند کرکے واپس آیا تو اسے اوپر بیڈ روم میں نقل و حرکت کا احساس ہوا۔ پھر اس نے لوسی کے قدموں کی آہٹ سنی۔ وہ نیچے آرہی تھی۔

"تم ابھی کسی سے باتیں کررہے تھے؟" اس نے پوچھا

"سانٹا کلاز سے۔" تھامس نے جواب دیا۔

لوسی میں حس مزاح بالکل موجود نہیں تھی۔ تھامس کو یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس کا جواب سن کر ہنسنے لگے گی۔ اور وہ ہنسی بھی نہیں۔ اسے یہی اندیشہ تھا کہ وہ برابر باتیں کیے جائے گی۔ اور اس کا یہ اندیشہ بھی درست نکلا۔ لوسی بڑے بگڑے بگڑے انداز میں سوالات کیے چلی جارہی تھی مگر تھامس اس کی کوئی بات بھی توجہ سے نہیں سن رہا تھا۔

اس کا ہاتھ ابھی تک اس چاقو کے دستے کا لمس محسوس کررہا تھا۔ اس نے اپنی ہتھیلی اس طرح اپنی ران پر رگڑی جیسے اس لمس کے احساس کو صاف کرنا چاہتا ہے اس کا ذہن برابر سوچنے میں مصروف تھا وہ سوچ رہا تھا کہ اسے پولیس کی آمد۔ یا خود کو پولیس کے سپرد کرنے سے پہلے۔ ان بانڈوں اور میتھوک کی تحریر کو کسی محفوظ مقام پر پوشیدہ کردینا چاہیئے۔ بانڈوں کی گڈی کا وزن بڑھتا جارہا تھا۔ مگر یہ وزن خود اس کے ذہن پر طاری ایک بوجھ کو ہلکا کررہا تھا۔

دس لاکھ ڈالر۔ لوسی کا بہتر سے بہتر علاج کراسکتے ہیں۔ اور جب وہ اپنی سزا کی مدت پوری کرکے جیل سے باہر آئے گا تو یہی دس لاکھ ڈالر اس کے لیے ایک نئی زندگی کی، ایک نئے مستقبل کی تعمیر کے کام بھی آئیں گے۔

تھامس نے کرسمس کے درخت پر لگے ہوئے ستارے کو خالی خالی نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے تصور میں دفتر میں ہونے والی کرسمس پارٹی کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جیوڈتھ اپنے تمام تر حسن و رعنائی کے ساتھ پارٹی میں موجود ہے۔ ویسی ہی مغرور اور ناک چڑھی۔ اپنی آنکھوں میں اس تاثر کے ساتھ کہ اگر تم نے مجھے چھیڑا تو میں تھپڑ مار دوں گی۔ مگر اس کی یہ سرد مہری و بیگانگی میتھوک کے بیٹے کے لیے نہیں تھی۔ وہ اسے اشارہ کرکے پارٹی والے کمرے سے نکل کر جونیئر کے پرائیویٹ آفس کی طرف چل دی۔ جونیئر نے یہ اشارہ دیکھا یا نہیں مگر تھامس نے ضرور دیکھ لیا۔ اس نے اپنے تصور میں خود کو جیوڈتھ کے پیچھے جاتے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ وہ جونیئر کے آفس میں داخل ہوکر جیوڈتھ کو اپنی آغوش میں لینے کی کوشش کررہا ہے اور جیوڈتھ اس کا مذاق اڑا رہی ہے۔ وہ اسے پیار کرنا چاہتا ہے اور وہ اسے ملازمت سے نکلوانے کی دھمکیاں دے رہی ہے۔ پھر نہ جانے کہاں سے اس کے ہاتھ میں خط کھولنے والا چاقو آگیا۔ پھر اس نے دیکھا کہ جیوڈتھ کے سینے سے خون ابل رہا ہے اور وہ خود اس چاقو کو اس کے جسم میں چھوڑ کر دور ہٹتا چلا جارہا ہے۔ وہ اپنے گھر کے لیے چل پڑا ہے... پھر جونیئر نشے میں مدہوش کمرے میں داخل ہوکر لاش کو دیکھتا ہے... اور بے اختیار چاقو اٹھا لیتا ہے۔

بے شک جرم اسی کا تھا اور سزا بھی اسی کو بھگتنا تھی... لیکن یہ دس لاکھ ڈالر کس بات کا انعام تھا وہ نہ سمجھ سکا۔

اور اب سسپنس ڈائجسٹ

ماہ فروری میں پیش کر رہا ہے

منتخب کہانی نمبر ۲

* منتخب کہانی نمبر میں جرم و سزا، رومانی، ایڈونچر، تاریخ، پُر اسرار خوفناک طنز و مزاح، ادب وغیرہ سے خصوصی طور پر منتخب کی ہوئی کہانیاں شامل ہوں گی۔

* اس خصوصی شمارے میں ۲ دو عظیم شخصیات کی سحر طراز تحریریں بھی شامل ہوں گی۔

الیاس سیتاپوری ۔ ضیا تسنیم بلگرامی

جن کی مسحور کر دینے والی نئی تاریخی کہانی اور اللہ کے برگزیدہ بندوں پر روح پرور مضمون۔ بے شمار دلچسپیاں، زائد صفحات ● اور بہت کچھ

منتخب کہانی نمبر ۲۲ جنوری کو شائع ہوگا

سسپنس ڈائجسٹ

پوسٹ بکس نمبر ۲۱۵ ۔ کراچی ۱

مانوس لاش

روزینی میکارٹنی

برآمدے میں آرام کرسی پر بیٹھی اپنے اکلوتے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی جو ایک طویل عرصے کے بعد گھر واپس آ رہا تھا۔ کرافٹ پیپر پر لکھا ہوا اُس کا مختصر سا خط تپائی پر کھلا پڑا تھا۔ جس پر پنسل سے شکستہ اور لمبے لمبے حروف میں لکھا تھا۔

پیاری امی۔ گھر واپس آ رہا ہوں۔ میرے لئے ایک موٹی سی مرغی بھون کر تیار رکھیں۔ بہت عرصے سے گھر کا پکا ہوا کھانا نصیب نہیں ہوا۔
آپ کا بیٹا۔ کرائس

اُس نے اپنے بیٹے کا نام کرسٹوفر رکھا تھا لیکن وہ صرف کرائس کہلانا پسند کرتا تھا۔ وہ پورے پندرہ سال کے بعد گھر واپس آ رہا تھا۔ روزینی سوچ رہی تھی کہ اب وہ پورا مرد بن چکا ہوگا۔ نمعلوم وہ اُسے پہچان بھی سکے گا یا نہیں۔!

بیٹے کی بہتری اور ترقی کے لئے اُس نے بہت محنت کی تھی، لیکن اس کا شوہر لاپرواہ اور آزاد طبع انسان تھا۔ کرائس کی پیدائش کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ اُسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا تھا، لیکن شوہر کی جدائی کا غم کرنے کی بجائے وہ اپنے بیٹے کے مستقبل کی فکر میں لگ گئی تھی۔ آج اُسے فخر تھا کہ اس کا بیٹا جوان ہو چکا ہے اور نہ صرف اپنا بلکہ اُس کا بھی بوجھ اُٹھا سکتا ہے اور دُنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتا ہے۔ جوان بیٹا ایک۔ ایسا سہارا ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہو سکتا۔

وہ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچنے والا تھا۔ پورے پندرہ سال کے بعد۔ وہ سوچنے لگی نمعلوم اتنے عرصے کے بعد بیٹے کو دیکھ کر وہ اپنے جذبات پر قابو بھی رکھ سکے گی یا نہیں۔ بچپن میں وہ خاصا شریر تھا۔ دس سال کی عمر میں اُسے چھوٹی موٹی چیزیں چرانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ پندرہ سال کی عمر میں وہ گھر سے بھاگ گیا پھر کچھ دنوں کے بعد واپس آ گیا۔ لیکن اُمید ہے اب وہ ایک ذمہ دار اور سنجیدہ انسان بن چکا ہوگا۔ اُس میں کچھ خامیاں ضرور تھیں پر دل کا بُرا نہیں تھا۔ اُس نے سوچا، نمعلوم اُس کے بال اب بھی ہلکے بھورے اور چمکدار ہوں گے یا ممکن ہے کہ اُسکے بال سفید ہونے شروع ہو گئے ہوں۔ اگلی سالگرہ پر اُس کی عمر پورے بتیس سال کی ہو جائے گی۔

دفعتاً اطلاعی گھنٹی کی آواز سُنائی دی۔ اُس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ایک لمحے کے لئے وہ کرسی پر ساکت ہو کر رہ گئی۔ پھر بڑی مشکل سے اپنے جذبات اور تاثرات کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے دروازے کی طرف لپکی۔ دروازے کے قریب رُک کر اُس نے ہاتھ کی اُنگلیوں سے بالوں کو سنوارا، لباس کو درست کیا اور ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے دروازے کھول دیا۔ باہر ایک مرد اور ایک عورت نظر پڑے۔ روزینی ایک لمحے تک سانس روکے ہوئے دونوں کو دیکھتی رہی۔ کیا یہ میرا بیٹا ہے ؟۔ اُس نے سوچا۔ کیا یہ لڑکی اس کی بیوی ہے؟ لیکن یہ دونوں خاموش کیوں کھڑے ہیں۔ ؟

"کیا آپ مسز روزینی میکارٹنی ہیں؟" مرد نے اجنبی لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔" روزینی نے تحیّر آمیز نظروں سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیا ہم اندر آ سکتے ہیں؟"

"دیکھئے اس وقت میں بہت مصروف ہوں۔" روزینی نے استفہامیہ نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے ہاں کچھ مہمان متوقع ہیں۔"

مرد اور عورت نے کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ پھر دونوں نے اپنا اپنا شناختی کارڈ کھول کر روزینی کے سامنے کر دیا، لیکن وہ اپنے خیالات میں اس حد تک اُلجھی ہوئی تھی کہ شناختی کارڈوں پر غور نہ کر سکی۔ عورت نے ملائمت سے کہا۔ "مسز میکارٹنی، ہمیں افسوس ہے کہ بے وقت آپ کو پریشان کیا لیکن ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے، دراصل ایک نوجوان۔" اُس نے کچھ تامّل کیا۔ پھر ہولے سے کھنکارتے ہوئے کہا۔ "ایک نوجوان گزشتہ رات گولی لگنے سے ہلاک ہو گیا ہے۔ ہم تاحال اُس کی شناخت نہیں کر سکے۔ اُس کی جیب سے صرف ایک کاغذ کا ٹکڑا برآمد ہوا ہے جس پر آپ کا نام اور ایڈریس لکھا ہوا ہے۔"

روزینی نے اُس کی بات پر قطعاً کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ اُس مرد کو گھورتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ اُس کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ اُس نے کُھلے ہوئے دروازے سے باہر گلی میں نظر دوڑائی۔ اس کا بیٹا کسی بھی لمحے وہاں پہنچ سکتا تھا۔ پتہ نہیں وہ کار میں آئے گا یا بس کے ذریعے۔ اچانک اُسے عورت کی بات کا خیال آیا۔

"کیا کہا۔" اُس نے عورت کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "میرا نام اور ایڈریس؟"

"جی ہاں۔" عورت نے جواب دیا۔ "اِس سے زیادہ کچھ نہیں تھا، ایک چھوٹے سے کاغذ پر آپ کا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس کے ذریعے شناخت ہو سکتی۔"

کمرے میں لگی ہوئی دیوار گیر گھڑی نے چار بجنے کا اعلان کیا۔ روزینی نے لاشعوری طور پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پھر چشمہ درست کرتے ہوئے سوچنے لگی۔ کرائس نے خط میں وقت کے بارے میں کچھ نہیں لکھا تھا۔ ممکن ہے وہ ابھی آ جائے یا شام کو آئے۔ پھر وہ عورت کی طرف مڑی۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔" اُس نے قدرے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ "آخر میرا ہی نام اور ایڈریس کیوں؟"

"دراصل۔" مرد نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو کارونر کے دفتر

پالین اسمتھ

ابوالمنصور

ایک مختصر تاثر انگیز کہانی

تک چلنے کی زحمت کرنی پڑے گی۔"

"اوہ۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" روزینی نے پُرخیال انداز میں مُسکراتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میرے ہاں مہمان آ رہے ہیں۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میرا اکلوتا بیٹا..." دفعتاً اُس کی آواز حلق میں اٹک گئی اور وہ عجیب نظروں سے دروازے سے پرے نظر آتی ہوئی سنسان گلی کو گھورنے لگی۔

"مسز میکارینی، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" مرد نے کہا اور یہ کہتے ہوئے معذرت خواہ ہوں کہ آپ کو بہرحال ہمارے ساتھ جانا پڑے گا۔"

"لیکن میرا بیٹا۔!" روزینی نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔

"آپ چابی یہیں کہیں چھوڑ جائیں۔" مرد نے مشورہ دیا۔ "چند منٹ کی بات ہے۔ توقع ہے کہ آپ اُس کے آنے سے پہلے ہی واپس پہنچ جائیں گی۔"

روزینی کو یاد آیا کہ جب وہ اسکول میں ٹیچر تھی تو پائدان کے نیچے چابی رکھ جایا کرتی تھی تاکہ جب کرائس اسکول سے واپس آئے تو اُسے باہر انتظار نہ کرنا پڑے۔ لیکن وہ اکثر بھول جاتا تھا کہ چابی پائدان کے نیچے رکھی ہے، اور گھنٹوں برآمدے میں بیٹھا رہتا تھا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ زیادہ وقت نہیں لگے گا؟"

"ہماری بات پر یقین کیجئے خاتون۔"

"اچھی بات ہے۔" اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ قفل میں چابی گھمائی اور ہینڈل کو گھما کر تسلی کی کہ دروازہ مقفل ہو چکا ہے، پھر چابی کو پائدان کے نیچے رکھنے کے بعد اُس نے کہا۔ "چلیئے۔"

دروازے سے ذرا ہٹ کر ایک سیاہ رنگ کی کار کھڑی تھی۔ مرد نے گاڑی کا دروازہ کھول کر روزینی کو اندر بیٹھنے میں مدد دی۔ پھر وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور عورت پچھلی سیٹ پر روزینی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ جب کار چل پڑی تو روزینی سیٹ پر ٹیک لگا کر صورتحال پر غور کرنے لگی، اب اُس کا ذہن زیادہ واضح انداز میں سوچنے لگا تھا۔ اُس نے اندازہ لگا لیا کہ مرد اور عورت گو سادہ کپڑوں میں ملبوس ہیں لیکن وہ پولیس سے تعلق رکھتے ہیں اور کار بھی پولیس کی ہے پھر اُس کے ذہن میں اُن کے شناختی کارڈوں کی تصویر اُبھرنے لگی، جو انھوں نے گفتگو کے دوران اُسے دکھائے تھے۔ بلکہ اُسے کارڈوں پر لکھے ہوئے نام بھی یاد آگئے۔ عورت کا نام لفٹننٹ نوٹل اور مرد کا نام لفٹننٹ بیکر تھا۔ اُس نے داہنی طرف منہ کر کے لفٹننٹ نوٹل کی طرف دیکھا، اُس کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی اور وہ بالکل سامنے کی جانب گھور رہی تھی۔

"تم چاہتی ہو کہ میں اُس شخص کی شناخت کروں؟" اُس نے کہا۔ "اُس مردہ شخص کی۔؟"

"اگر آپ کر سکیں تو۔" نوٹل نے کہا۔ "کیونکہ اُس کی جیب سے آپ کا نام اور ایڈریس نکلا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ شاید آپ اُسے جانتی ہوں گی۔"

اُس وقت اُن کی کار بس اسٹیشن کے قریب سے گزر رہی تھی۔ روزینی اس اُمید پر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی کہ شاید اُس کا بیٹا کہیں نظر آجائے۔ لیکن اُسے مایوسی ہوئی۔ اُس نے سوچا شاید کرائس ابھی شہر نہیں پہنچا۔ یا ممکن ہے وہ گھر پہنچ چکا ہو۔ وہ تصوّر میں اُسے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے اور اُلٹے ہاتھ سے دروازے پر دستک دیتے ہوئے دیکھنے لگی۔ اُس کے ہونٹوں پر لاشعوری طور پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ سڑک پر ٹریفک کا بہت ہجوم تھا۔ ہمہ اقسام کی گاڑیاں تیز رفتاری کے ساتھ اِدھر اُدھر دوڑ رہی تھیں۔ فضا میں عجیب سا شور بسا ہوا تھا۔ وہ ایک طویل عرصے کے بعد شہر کے پُر ہجوم علاقے میں داخل ہوئی تھی۔ یہ شور اُسے بالکل پسند نہیں آیا۔ دفعتاً اُس نے لفٹننٹ نوٹل کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"تم نے کہا تھا کہ نوجوان شخص مر چکا ہے۔ گولی لگنے سے؟"

"ہاں۔"

"اُسے گولی کس طرح لگی تھی؟"

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔!"

روزینی کا خیال ایک بار پھر اپنے بیٹے کی طرف چلا گیا۔ اُس نے سوچا ممکن ہے وہ اِس وقت دروازے پر دستک دے رہا ہو۔ اُسے کبھی اس بات کا خیال نہیں آئے گا کہ چابی پائیدان کے نیچے رکھی ہے۔

"دیکھئے۔" اُس نے نوٹل کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔ "مجھے گھر میں موجود رہنا چاہیئے تھا۔ میرا خیال ہے کہ میرا بیٹا گھر پہنچ چکا ہوگا۔ وہ بہت جلد باز لڑکا ہے۔ ممکن ہے کہ دروازہ مقفل دیکھ کر واپس چلا جائے۔"

"بس ہماری منزل آگئی مسز میکارٹنی۔" لفٹننٹ بیکر نے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ لیفٹننٹ نوٹل نے اُسے باہر نکلنے میں مدد دی اور سہارا دے کر عمارت کے اندر لے گئی۔ وہ عجیب نظروں سے دیواروں اور چھتوں کو گھورنے لگی۔ اُس کے دماغ کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ دیکھنے کے باوجود اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ڈیسک پر بیٹھے ہوئے شخص نے اُس سے کچھ کہا لیکن وہ خالی نظروں سے اُسے تکتی رہی۔ پھر اسے ایک دوسرے کمرے میں لیجایا گیا۔

کمرے کے اندر داہنی جانب ایک بڑی سی میز کے اوپر سفید چادر سے ڈھکی ہوئی ایک لاش پڑی تھی۔ لیفٹننٹ نوٹل نے لاش کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا تاکہ روزینی اُسے دیکھ سکے۔ کمرے میں مکمل سناٹا تھا۔ روزینی نے ایک لمبا سانس لیا اور قدرے جھک کر نوجوان کے چہرے کو گھورنے لگی۔ بالوں کا رنگ ہلکا بھورا نہیں تھا۔ اُن میں چمک بھی نہیں تھی۔ اُس نے صاف اور واضح آواز میں چادر کو اور زیادہ ہٹانے کے لئے کہا۔

"یہ نوجوان۔" اُس نے مزید کہا۔ "گولی لگنے سے ہلاک ہوا تھا۔ یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔ اسے ہلاک کیوں کیا گیا۔؟"

"یہ ایک جوہری کی دوکان سے سامان چوری کر کے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔" لیفٹننٹ بیکر نے کہا "اور پولیس کی گولی لگنے سے ہلاک ہو گیا۔ کیا تم اسے پہچانتی ہو مسز میکارٹنی۔؟"

"نہیں۔" روزینی نے واضح آواز میں کہا اور ایک بار پھر اُس کے بالوں کو دیکھنے لگی جو نیم تاریکی کے باعث گہرے رنگ کے نظر آ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر کئی دنوں کی بڑھی ہوئی داڑھی بھی نظر آ رہی تھی۔

"کیا آپ کو پورا یقین ہے کہ آپ نے اسے نہیں پہچانا۔؟" لیفٹیننٹ بیکر نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" روزینی نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس سے پہلے کبھی اس شخص کو نہیں دیکھا۔ آپ خود سوچئے بھلا ایک چور سے میرا کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔"

دوسرے کمرے میں آنے کے بعد انہوں نے روزینی کو کرافٹ پیپر کا وہ ٹکڑا دکھایا جو نوجوان کی جیب سے برآمد ہوا تھا اور جس پر شکستہ اور لمبے لمبے حروف میں اس کا نام اور پتہ لکھا ہوا تھا۔

"پتہ نہیں اس نے میرا نام اور ایڈریس کہاں سے اور کس مقصد کے لئے لیا؟" اُس نے رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے یہ کاغذ اُسے کہیں پڑا ہوا ملا ہو یا اس نے میرے بیٹے کی جیب کاٹ لی ہو۔" اُس نے مزید وثوق کے ساتھ کہا۔ "غالباً یہی بات ہے۔ میرے بیٹے کے سوا کسی کے پاس میرا نام اور ایڈریس نہیں ہو سکتا یقیناً اس شخص نے میرے بیٹے کی جیب کاٹی ہوگی۔"

"لیکن مسز میکارٹنی۔"

مزید سوالات کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔ چند قدم چلنے کے بعد اُس نے واپس مڑتے ہوئے کہا۔ "اب لاش کا کیا بنے گا۔ میرا مطلب ہے کہ اس کے کفن دفن کا کیا انتظام ہوگا؟"

"اگر اس کے ورثا کا پتہ نہ چل سکا تو پھر لاش کو سرکاری مردہ خانے میں بھجوا دیا جائے گا۔"

"اوہ نہیں۔" روزینی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اوہ نہیں۔"

اس نے جلدی سے اپنا پرس کھولا اور ڈالروں کی ایک گڈی نکال کر میز پر رکھ دی۔ پھر اس نے ریزگاری والا چھوٹا سا بٹوہ کھول کر تمام ریزگاری بھی میز پر الٹ دی۔ "یہ رقم اس نوجوان کی تجہیز و تکفین کیلئے ہے۔" اُس نے اُن کے احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "براہ کرم لاش سرکاری مردہ خانے میں نہ بھجوائیں۔ مجھے بہت جلدی ہے۔" اُس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میرا بیٹا وہاں انتظار کر رہا ہوگا۔"

سراغرسانی کی ایک جدید انداز کی کہانی

لہو کے دھبے

چارلس یڈ مین
انجم نوید

مارڈی گراس نامی تہوار کا جوش و خروش جورات کے پچھلے پہر میں کچھ سرد پڑ گیا تھا اب دوبارہ شروع ہونے لگا تھا۔ لوگ پھر جلوس کی شکل میں سڑکوں اور گلیوں میں جمع ہو رہے تھے۔ تقریباً سارا شہری رات کے خمار کو دُور کرنے کے لئے ٹماٹر کا عرق اور جن ملا کر پی رہا تھا اور نیو آرلینز کے گلی کوچے ایک بار پھر ہنگامہ آرائیوں کا مرکز بننے والے تھے۔

”لیفٹننٹ میں نے اپنی پوری زندگی ایک کمرے میں اتنا خون پھیلے نہیں دیکھا“ کانسٹبل نے جو کورٹ یارڈ کے زینے کے پاس نگرانی کے لئے کھڑا تھا، بولا۔

شعبۂ قتل کے جاسوس لیفٹننٹ ہومر باسوس نے سرسری طور سے جائزہ لیتے ہوئے کورٹ یارڈ میں چاروں طرف دیکھا۔ دریا کی جانب سے ایک گہری دھند نے اٹھ کر جیکسن اسکوائر اور فرنچ کوارٹر کے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ شہر کی آب و ہوا بھی عجیب تھی۔ یا تو وہ سرد اور مرطوب رہتی یا گرم و مرطوب۔ کبھی کبھی وہ سوچتا... کہ اٹھارویں صدی کے فرانسیسی آبادکاروں کو کیا سوجھی ہے کہ انھوں نے اس نشیبی علاقے میں جس کی سطح سمندر کی سطح سے بھی نیچی تھی، شہر بسا دیا۔

باسوس نے خون کے ان دھبوں کو بھی دیکھا جو کورٹ یارڈ میں مغربی دیوار کے گیٹ تک چلے گئے تھے۔ وہ فرد یا افراد جن کا خون اوپری کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ اتنے صحت مند تھے کہ کمرے سے زینے کی سیڑھیوں اور پھر گیٹ تک خون بہتا چلا گیا تھا۔ کورٹ یارڈ میں کچھ لوگ بھی شب خوابی کا لباس پہنے ایک ہجوم کی شکل میں کھڑے ہوئے تھے۔ باسوس کا اندازہ تھا کہ وہ ضرور گرد و نواح میں رہتے ہونگے اُس نے یہ سوال ان لوگوں سے پوچھ بھی لیا جس کا جواب مجموعی طور پر اثبات میں دیا گیا۔

”کیا کسی نے یہاں کوئی گڑبڑ ہوتے سُنی تھی۔“ باسوس نے پھر پوچھا۔ اِس بار کوئی جواب نہیں ملا۔ ”تب پھر پولیس کو کس نے اطلاع دی تھی؟“

ایک موٹی ادھیڑ عمر عورت مجمع سے نکل کر آگے بڑھی۔

”میں نے فون کیا تھا۔“ وہ بولی۔ ”میرا نام مسز لیمونیر ہے۔ میں اس

بلڈنگ کی مالک ہوں، اور گراؤنڈ فلور پر رہتی ہوں۔" اُس نے کورٹ یارڈ کے دوسری جانب ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا، جو نصف کے قریب انگور کی بیل اور کیلے کے درختوں سے چھپا ہوا تھا۔ "میں آج صبح اپنا اخبار اٹھانے باہر نکلی۔" اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تو مجھے یہ خون کے دھبے دکھائی دیئے۔"

"اوپر والے کمرے میں کون رہتا ہے۔۔؟" باسوس نے پوچھا۔ اس کا اشارہ اس کمرے کی جانب تھا جس میں واردات ہوئی تھی۔

"وہ بوبانوس نے کرائے پر لے رکھا ہے۔ مگر خود یہاں بہت کم آتا ہے۔ البتہ اپنے مختلف دوستوں کو استعمال کے لئے دیتا رہتا ہے۔" مسز لیمونیر نے بتایا۔

"کیا وہ کل رات یہاں آیا تھا؟" باسوس نے اپنی نوٹ بک میں ضروری اندراجات کرتے ہوئے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔" مسز لیمونیر نے جواب دیا۔ "میں اپنے کرایہ داروں کے نجی معاملات کی ٹوہ میں نہیں رہتی۔"

مجمع میں سے کوئی بڑبڑایا اور مسز لیمونیر نے گھور کر اُس کی طرف دیکھا۔ اسی وقت لیفٹننٹ باسوس کا ساتھی لیفٹننٹ رائے شمالی گیٹ سے کورٹ یارڈ میں داخل ہوا۔

"میں نے چیک کر لیا ہے۔" اُس نے بتایا۔ "نہ مردہ خانے میں کوئی لاش لائی گئی اور نہ کسی ہسپتال میں کوئی زخمی یا کوئی ایسا فرد داخل ہوا جو خون کی کمی کا شکار ہو۔"

"تم اِن لوگوں کے بیانات لے لو۔" باسوس نے پڑوسیوں کے ہجوم کی طرف اشارہ کیا۔ "میں ذرا اتنی دیر میں اوپر جا کر کمرے کا جائزہ لیتا ہوں۔"

وہ اوپر پہنچا تو دروازے پر متعین کانسٹیبل نے جلدی سے دروازہ کھولنے کے لئے اس کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ "میں اندر داخل نہیں ہوا تھا جناب۔" اُس نے کہا۔ "صرف باہر سے جھانک کر دیکھا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میری کسی حرکت سے کمرے میں موجود کسی سراغ یا انگلیوں کے نشانات وغیرہ کو نقصان پہنچے۔"

"لیکن اگر اس ہینڈل پر کچھ نشانات تھے تو انھیں تم نے ضائع کر دیا۔" باسوس نے جواب دیا۔ کانسٹیبل نے جلدی سے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا اور اس کے چہرے پر سرخی آگئی۔

"میں نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تو مجھے خون کے دھبے اور کسی کشمکش کے آثار نظر آئے۔" اُس نے پھر کہا۔ "لیکن کوئی فرد زندہ یا مُردہ کمرے میں موجود نہیں تھا۔"

"کوئی اور خاص بات۔۔؟" باسوس نے پوچھا۔

"جی۔ کمرے میں سگریٹ۔ وہسکی اور کسی عطر کی ملی جلی بو محسوس ہوئی تھی۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔ باسوس نے ہمدردی سے کانسٹیبل کی طرف دیکھا۔ وہ غالباً تازہ تازہ پولیس اکیڈمی سے پاس ہو کر نکلا تھا اور اپنی کتابی معلومات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تم نے اپنا فرض بخوبی انجام دیا۔" باسوس نے اس کی تعریف کر دی۔ کانسٹیبل کے چہرے پر مسرت نمایاں ہوئی۔

باسوس نے کمرے میں قدم رکھا۔ ایک بیڈ لیمپ جلتا چھوڑ دیا گیا تھا۔ کمرے کے ایک گوشے میں چولہا بنا کر کچن کی ضرورت پوری کی گئی تھی۔ بائیں جانب ایک دروازہ باتھ روم میں کھلتا تھا۔ وسط میں ایک کوچ بطور پلنگ کے پڑی ہوئی تھی۔ بستر کی چادر اور تکیئے کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس پر کوئی سویا بھی ہے۔ بستر پر خون کم تھا۔ زیادہ تر کمرے کی شمالی دیوار، فرش اور باتھ روم میں پھیلا ہوا تھا۔ باسوس کمرے کا جائزہ لے رہا تھا کہ رائے بھی آگیا۔

"پڑوسیوں میں سے کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔" اُس نے بتایا۔ "یا تو واردات بہت خاموشی سے کی گئی ہے یا پھر یہاں کے لوگ گہری نیند سونے کے عادی ہیں۔"

باسوس اب کمرے میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اُس کی تجربے کار نظریں ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ بستر کے قریب آیا اور جھک کر تکیوں کو سونگھا۔ پھر اپنی جیب سے کچھ لفافے اور ایک چمٹی نکالی۔ چمٹی کی مدد سے اُس نے بستر اور تکیوں پر پڑے ہوئے بال بڑی حفاظت سے اُٹھا کر لفافوں میں رکھے اور لفافوں پر اُن کی تفصیل بھی درج کر دی۔ پھر اُس نے تکیوں سے غلاف اتارے اور انھیں تہہ کر کے اپنی جیبوں میں رکھ لیا۔ پھر وہ اور رائے مِل کر فرش کے ایک ایک اِنچ کو غور سے دیکھنے لگے۔ باسوس کو چمکدار پلاسٹک کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ملا۔ اُس نے اسے پہلے خود غور سے دیکھ کر رائے کو دکھایا۔

"تمہارے خیال میں یہ کیا چیز ہو سکتی ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی کنٹیکٹ لینس ہے جو آنکھ سے گر کر پیر کے نیچے آکر ٹوٹ گیا ہے۔" رائے نے خیال ظاہر کیا۔

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔" باسوس نے کہا اور اس ٹکڑے کو ایک اور لفافے میں رکھ لیا۔ پھر باسوس جو کہ ایک محتاط ڈیٹیکٹو تھا اور باقاعدہ نوٹ لکھنے کا عادی تھا، بستر کے ایک کنارے بیٹھ کر اپنی نوٹ بک میں اب تک کے تحقیقاتی نتائج لکھنے لگا۔

"فون پر اطلاع ملنے کے بعد جس کانسٹیبل کو بھیجا گیا تھا اُس نے کمرے میں سیڑھیوں پر اور کورٹ یارڈ میں خون کے دھبے ملنے کی رپورٹ دی۔ بعد میں اس نے مزید بتایا کہ کمرے میں سگریٹ۔ وہسکی اور سینٹ کی ملی جلی بو محسوس ہوئی تھی۔ ہماری اپنی تحقیقات سے ان باتوں کی تصدیق ہو گئی۔ مزید جائزے سے بھی کوئی ہتھیار نہیں ملا۔ کمرے میں میز اور کرسیاں اُلٹی ہوئی ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ کشمکش ہوئی ہے۔ بستر پر کوئی مرد اور عورت سوئے ہوئے تھے۔ ایک تکیئے سے سینٹ کی خوشبو آرہی تھی اس پر پوڈر کے ذرّات بھی ہیں اور لپ اسٹک کے دھبے بھی۔ چند سیاہ رنگ کے بال بھی ملے۔ دوسرے تکیئے کے غلاف پر تیل لگا ہوا ہے۔ اِس پر ملنے والے بال بھی کالے مگر چھوٹے ہیں۔ بستر کے قریب فرش پر ایک پلاسٹک کا ٹکڑا ملا، جو کسی کنٹیکٹ لینس کا حصّہ معلوم ہوتا ہے۔ کمرے کے مختلف حصّوں سے انگلیوں کے نشانات وغیرہ مٹانے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ کمرے میں رہنے والوں کی شناخت ممکن نہ ہو سکے اور شاید اسی خیال سے کمرے میں کوئی ایش ٹرے، وہسکی کی بوتل یا گلاس وغیرہ بھی نہیں چھوڑے گئے جن کی موجودگی متوقع تھی۔ کمرے میں کپڑے بالکل نہیں ملے۔" باسوس نے لکھتے لکھتے کچھ سوچا اور پھر ذیل کی سطور اضافہ کیں۔

"بظاہر ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو جبرِ عصمت دری کے سلسلے میں قتل ہوا ہے یا پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور ان کے درمیان کسی قسم کا

جھگڑا بڑھتے بڑھتے قتل کے انجام تک پہونچ گیا۔ اِس جھگڑے میں ممکن ہے عورت کو قتل کر کے لاش کہیں اور لے جائی گئی ہے۔"

"کیا میں فنگر پرنٹ عملے کے لئے فون کر دوں۔" رائے نے پوچھا۔

"ہاں کر دو۔ مگر مجھے امید نہیں کہ وہ کوئی صاف اور واضح نشان حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکیں۔ ویسے خون کا ٹائپ تو معلوم ہو ہی جائے گا۔"

"میرا خیال ہے ابھی ہم یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہاں واقعی کوئی جرم ہوا ہے۔" رائے نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ جو تمام خون پھیلا ہے تو کیا کسی کی نکسیر پھوٹ گئی تھی۔" باسوس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ کوئی اتفاقی حادثہ پیش۔۔۔"

"اتفاقی حادثے میں لوگ نشانات مٹانے اور کمرے سے ایسی چیزیں ہٹانے کی کوشش نہیں کرتے جن سے شناخت میں مدد مل سکے۔ مجھے یقین ہے کہ گزشتہ رات یہاں کسی سنگین جرم کا ارتکاب ہوا ہے۔"

وہ سڑک پر آئے تو وہاں سے مارڈی گراس کا ایک جلوس گزر رہا تھا۔ ہجوم میں مشکل سے راستہ بناتے ہوئے وہ آگے بڑھے۔ باسوس نے رائے کو لفافے دے کر پولیس لیبارٹری بھیج دیا اور خود تقریباً ایک گھنٹے تک قرب و جوار میں لوگوں سے مختلف سوالات پوچھتا رہا۔ اس سلسلے میں اس کی ایک ملاقات مفید ثابت ہوئی۔ کورٹ یارڈ کے شمالی گیٹ کے بالمقابل سڑک کے دوسری جانب ایک مصور کا اسٹوڈیو اور اس کی پرائیویٹ آرٹ گیلری واقع تھی۔ مصور کا نام ہنجمن تھا۔ وہ ایک دبلا پتلا سرخ بالوں والا آدمی تھا اور اس نے ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ گزشتہ رات اس کا اسٹوڈیو نصف شب کے بعد تک کھلا رہا تھا تاکہ وہ شہر میں آنے والے سیاحوں کے ہاتھ اپنی زیادہ سے زیادہ تصویریں فروخت کر سکے۔ دو بجے کے قریب اُس نے ایک مرد اور ایک عورت کو کورٹ یارڈ کا شمالی دروازہ کھول کر اندر جاتے دیکھا۔ وہ دونوں شراب کے نشے میں معلوم ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے بڑی بے تکلفی سے پیش آ رہے تھے۔ مصور مرد کی صورت ٹھیک سے نہیں دیکھ سکا تھا مگر عورت کو اس نے اچھی طرح دیکھا تھا۔ اتنی اچھی طرح کہ وہ اس کی تصویریں بھی بنا سکتا تھا۔

"وہ بہت ہی حسین عورت تھی۔" ہنجمن نے کہا۔

"تم مصور ہو کیا اس کی رنگین تصویر نہیں بنا سکتے؟" باسوس نے پوچھا۔

"کیوں نہیں ضرور بنا سکتا ہوں۔ کوئی مصور ایسا حسین چہرہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔" ہنجمن نے جواب دیا۔

ہنجمن کو تصویر بنانے کا موقع دینے کے لئے باسوس کھانا کھانے چلا گیا جب وہ واپس آیا تو تصویر تیار تھی۔ یہ ایک سیاہ بالوں والی عورت تھی جس کی عمر تیس سال کے قریب معلوم ہوتی تھی اور وہ واقعی بہت حسین تھی۔ باسوس نے وہ تصویر کورٹ یارڈ کے مختلف کمروں میں رہنے والوں کو دکھائی۔ مگر کوئی اسے شناخت نہیں کر سکا۔ اس کے بعد باسوس پولیس ہیڈ کوارٹر واپس گیا اور وہ تصویر رائے کو دکھائی۔ رائے رنگین مزاج آدمی تھا' اُس نے تصویر والی کو بیحد پسند کیا اور افسوس کرنے لگا کہ کسی نے ایسی حسین عورت کو قتل کر دیا۔

"اب تم کیا کرنا چاہتے ہو۔۔؟" اُس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس شخص بوبانوس سے ملنا چاہیئے جو اس کمرے کا کرایہ دار تھا۔" باسوس نے جواب دیا۔

بوبانوس چھ فٹ لمبا اور ڈھائی سو پونڈ وزنی آدمی تھا۔ داڑھی اور سر کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے۔ اُس کے انداز سے صاف ظاہر تھا کہ اُسے پولیس والوں کی آمد ناگوار گزری ہے۔

"میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہے۔۔؟" اُس نے تصویر رائے کو واپس کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ کل رات تمہارے کمرے میں تھی۔"

"میرے کمرے میں تو ہر رات بہت سی عورتیں آتی رہتی ہیں۔"

"لیکن یہ وہاں قتل کر دی گئی ہے۔"

بوبانوس نے چونک کر غصیلی نظروں سے گھورا۔ "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا باتیں کر رہے ہو۔"

باسوس نے اُس کی دوکان میں چاروں طرف دیکھا۔ دوکان میں اگربتیوں کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو غالباً اس لئے سلگائی گئی تھیں کہ اُن سے افیون و چرس وغیرہ پینے کی بدبو چھپائی جا سکے جو ہپی لوگ دوکان کے کسی حصے میں پوشیدہ طور سے پیا کرتے تھے۔ ویسے ظاہر داری کے طور پر دوکان میں مختلف چیزیں فروخت کے لئے رکھی ہوئی تھیں اور بہت سے ہپی نوجوان انھیں اسی طرح دیکھ رہے تھے جیسے کچھ خریدنا چاہتے ہوں۔

"تمہارے کمرے میں بہت سا خون پھیلا ہوا تھا اور ہمارا خیال ہے کہ اگر یہ عورت وہاں قتل نہیں کی گئی ہے تو بہر حال اُسے بُری طرح زخمی کیا گیا ہے۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرے کمرے میں کوئی خون وغیرہ۔۔" بوبانوس کہتے کہتے رُک گیا' پھر چونک کر بولا۔ "ذرا ٹھہرو۔ کہیں تم میرے اس کمرے کی بات تو نہیں کر رہے ہو جو میں نے فرنچ کوارٹر میں لے رکھا ہے۔"

"گویا تم نے ایک سے زیادہ کمرے کرائے پر لے رکھے ہیں۔؟"

"جہاں تک میرے قیام کا تعلق ہے تو میں اس دوکان کے اوپر رہتا ہوں۔" بوبانوس نے بتایا "فرنچ کوارٹر والا کمرہ میں نے تفریح کے لئے کرائے پر لیا ہے۔ کبھی میں یا میرا کوئی دوست اپنی کسی کال گرل فرینڈ کو وہاں لے جاتا ہے یا کبھی میں اپنے گاہکوں کو وہاں کوئی پارٹی وغیرہ منعقد کرنے کی اجازت دے دیتا ہوں' اس کمرے کی چابی تو بہت سے لوگوں کے پاس رہتی ہے۔"

"تم خود کل رات کہاں تھے۔۔؟"

"اوپر اپنے کمرے میں۔۔ کل رات یہاں مارڈی گراس کے سلسلے میں ایک بڑی پارٹی ہو رہی تھی۔"

"اور نصف شب کے بعد کہاں تھے۔؟"

"اس وقت میں جیل میں تھا!" بوبانوس مسکرایا۔ "ہماری پارٹی جاری تھی کہ پولیس والے آگئے اور مجھے اور میرے دوستوں کو اس الزام میں گرفتار کر کے لے گئے کہ ہم اپنے پڑوسیوں کے آرام و سکون میں خلل انداز ہو رہے ہیں۔ مگر یہ ان کی بہانہ بازی تھی ورنہ وہ یہ دیکھنے آئے تھے کہ ہم چرس وغیرہ تو نہیں پی رہے ہیں۔ بہر حال انھیں کوئی مشتبہ چیز نہیں ملی اور انھیں آخر کار ہمیں رہا کرنا پڑا۔ میں ابھی ایک گھنٹہ پہلے واپس آیا ہوں۔"

ہیڈ کوارٹر واپس پہنچ کر باسوس پولیس لیبارٹری میں گیا۔ وہاں لیبارٹری انچارج نے بتایا کہ ابھی وہ اپنی رپورٹ ٹائپ کرنے والا ہے مگر یہ کہ وہ رپورٹ کا خلاصہ زبانی بھی بتا سکتا ہے۔

"ایک تکیہ کے غلاف پر پوڈر، لپ اسٹک اور سینٹ کے اجزاء ملے ہیں انھیں الگ الگ پہچاننا تو اتنا مشکل نہیں مگر ان کی مدد سے یہ معلوم کرنا کہ انھیں کس نے استعمال کیا تھا ممکن نہیں۔ وہ سب چیزیں اگرچہ قیمتی ہیں مگر کھلے عام دوکانوں پر فروخت ہوتی ہیں۔ جہاں تک دوسرے غلاف کا تعلق ہے تو اس پر ایک ایسے نیل کے اجزاء ملے ہیں جو عام طور پر مرد استعمال کرتے۔ اس غلاف پر جو بال ملے ہیں وہ موٹے اور سیاہ ہیں۔ دوسرے غلاف پر ملنے والے بال باریک اور لمبے ہیں۔ مزید یہ کہ وہ سیاہ رنگ سے ڈائی کئے گئے ہیں۔ پھر ان میں ایک اور بات بھی ہے جو تم خورد بین کی مدد سے خود بھی دیکھ سکتے ہو۔"

باسوس نے خورد بین پر جھکتے ہوئے دیکھا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ ان بالوں کی جڑیں نہیں ہیں۔؟" اس نے کہا۔

"ہاں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی انسانی بالوں سے بنائی جانے والی وِگ کے بال ہیں۔ پھر اسی تکیے پر ملنے والے اس دوسرے بال کو دیکھو۔ اس پر کوئی رنگ چڑھا ہوا نہیں ہے۔ اور اس کا قدرتی رنگ سرخ ہے دوسرے الفاظ میں میرا اندازہ ہے کہ اس عورت نے سیاہ بالوں والی وِگ لگائی ہوئی تھی جبکہ اس کے اپنے بال سرخ رنگ کے ہیں۔"

"اب مجھے پولیس آرٹسٹ سے اس عورت کی ایک ایسی تصویر بنوانا پڑے گی جس میں بال سرخ دکھائے گئے ہوں۔" باسوس نے کہا۔ "اچھا اس پلاسٹک کے ٹکڑے کے بارے میں کیا کہتے ہو۔؟"

"وہ بلاشبہ ایک کنٹیکٹ لینس کا ٹکڑا ہے۔" لیبارٹری انچارج نے جواب دیا "میں نے اپنے ایک آدمی کو آپٹیکل شاپ پر بھیجا تھا اور انھوں نے اس لینس کے بارے میں جو تفصیلات دی ہیں وہ اس کاغذ پر تحریر ہیں۔" اس نے باسوس کو ایک کاغذ دیتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک خون کا تعلق ہے تو وہ بی نگیٹو ٹائپ کا ہے۔"

"اور انگلیوں کے نشانات۔؟"

"ان میں سے کوئی صاف نہیں ہے۔ کسی نے بڑی ہوشیاری سے تمام نشانات مٹانے کی کوشش کی ہے۔"

باسوس نے اس عورت کی تصویر پولیس آرٹسٹ کو دکھائی اور اس سے کہا کہ وہ اپنی تصویر میں اس عورت کے بال سرخ دکھائے۔ اس کے بعد اس نے گمشدہ لوگوں کے شعبے سے رجوع کیا مگر وہاں ابھی تک کسی مرد یا عورت کے گم ہونے کی کوئی رپورٹ درج نہیں کرائی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ اور رائے دوپہر کا کھانا کھانے چلے گئے۔ کھانے کے دوران باسوس نے رائے کو ان باتوں کے بارے میں بتایا جو اسے لیبارٹری سے معلوم ہوئی تھیں۔

"گویا اب تک جو معلومات حاصل ہوئی ہیں۔" رائے نے کہا "ان سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ گزشتہ رات دو بجے کے درمیان ایک سرخ بالوں والی عورت جس نے سیاہ رنگ کی وِگ لگا رکھی تھی، ایک مرد کے ساتھ جس کے بال سیاہ تھے۔ بوبانوس کے فرنچ کوارٹر والے کمرے میں گئی۔ وہاں انھوں نے شراب وغیرہ پی۔ پھر عورت کو جس کا خون بی نگیٹو ٹائپ کا ہے یا تو بُری طرح زخمی یا پھر قتل کر دیا گیا۔ اور ہم یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ یہ کام بوبانوس کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ اس وقت جیل میں تھا۔"

"ہاں۔ اور اس نے ہمیں جو کچھ بتایا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کمرے کی چابی نہ جانے کتنے ہپی نوجوانوں کے پاس ہوگی۔ گویا اس عورت یا مرد یا ان دونوں کے پاس کمرے کی چابی کا ہونا ممکن ہے۔"

"اور اب ہمارا کام یہ ہے کہ اس جوڑے کا پتہ لگائیں۔" رائے بولا "اور اس سلسلے میں ابتداء اس عورت سے کریں کیونکہ ہمارے پاس اس کی تصویر موجود ہے۔"

"تصویر ہی نہیں، ہمارے پاس کنٹیکٹ لینس بھی ہے۔" باسوس نے یاد دلایا۔ "وہ غالباً عورت کا ہے۔ وہ اتنی خوبصورت ہے کہ اس نے چشمہ لگا کر اپنے حسن میں عیب پیدا کرنا نہیں چاہا ہوگا پھر ہمارے اندازے کے مطابق چونکہ وہ دولت مند بھی ہے اس لیے یہ گمان کرنا غلط نہ ہوگا کہ اس نے کنٹیکٹ لینس لگانے کے لیے کسی اچھے ڈاکٹر سے رجوع کیا ہوگا۔ ہم آج سہ پہر شہر کے آنکھوں کے ڈاکٹروں کے پاس جائیں گے۔ ممکن ہے ان میں سے کوئی تصویر کو شناخت کر لے۔"

"ہاں اس طرح کامیابی کا خاصا امکان ہے۔" رائے نے کہا۔ "سوائے اس صورت کے کہ وہ یہاں کی رہنے والی نہ ہو بلکہ کہیں باہر سے آئی ہو۔ آج کل مارڈی گراس کی وجہ سے بہت سے سیاح وغیرہ آئے ہوئے ہیں۔ ویسے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لینس مرد کا ہو۔ یا پھر کسی اور ہی شخص کا ہو اور واردات سے پہلے کبھی کمرے میں گر کر ٹوٹ گیا ہو۔"

چنانچہ اس سہ پہر انھوں نے شہر کے مختلف آنکھوں کے ڈاکٹروں سے ملاقات کی۔ آٹھویں جگہ انھیں کامیابی ہوئی۔ بلکہ انھیں ڈاکٹر سے ملنے کی ضرورت بھی نہیں پڑی۔ اس کی استقبالیہ کلرک نے عورت کی وہ تصویر پہچان لی جو سرخ بالوں کے ساتھ بنائی گئی تھی۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ یہ تصویر مسز آرتھر کی ہے۔" اس نے بتایا۔ "خود ان کا نام لنڈا ہے۔ وہ پچھلے ماہ یہاں آئی تھیں۔"

"کیا اس کے کنٹیکٹ لینس کی تفصیلات یہ تھیں۔" باسوس نے لیبارٹری

گدھا
ماہرینِ حیوانیات کی نظر میں

ماہرینِ حیوانیات کا خیال ہے کہ وادیٔ نیل گدھے کی جنم بھومی ہے۔ یہیں سے اس کی نسل ایشیا پہنچی۔ برطانیہ میں یہ نویں دسویں صدی عیسوی کے بعد داخل ہوا۔ فلسطین میں بعض مقامات پر کھدائی کے دوران گدھے کی تقریباً تین ہزار سال قبل مسیح پرانی ہڈیاں ملی ہیں۔ انجیل مقدس میں جا بجا اس کا ذکر آتا ہے۔ گدھا دو قسم کا ہے۔ جنگلی اور پالتو جنگلی گدھے کو گورِ خر بھی کہتے ہیں۔ یہ کسی زمانے میں برصغیر پاک و ہند اور جنوب مشرقی ایران میں بکثرت پائے جاتے تھے۔ ایران میں تو اُن کا وجود ختم ہو چکا ہے۔ البتہ برصغیر میں رن کچھ کے مختصر سے علاقے میں ان کی نسل اب تک پائی جاتی ہے۔ ۱۹۵۲ء میں بھارتی حکومت نے ایک قانون کی رُو سے انہیں نایاب جانوروں کی فہرست میں شامل کر لیا تھا۔ گورِ خر یعنی جنگلی گدھے خوبصورت، مضبوط اور توانا ہوتے ہیں۔ مزاج کے لحاظ سے بڑے سرکش اور جنگجو ہیں کیا مجال کسی کو اپنے قریب پھٹکنے دیں۔ ۳۴۔ ۳۵ میل فی گھنٹے کی رفتار سے دوڑتے ہیں۔ ایران میں کتوں کی مدد سے ان کا شکار کھیلنا لوگوں کا مرغوب مشغلہ تھا۔ اِن کا گوشت بہت پسند کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے نوعمر گورِ خر کے گوشت کا ذائقہ بڑی حد تک بچھڑے اور ہرن کے گوشت سے ملتا جلتا ہے۔ پالتو گدھا جو عموماً بار برداری اور سواری میں کام آتا ہے۔ حبشہ کے پُرانے جنگلی گدھوں کی نسل سے ہے۔ ایک وقت تھا کہ اس میں جنگلی گدھے کے تمام اوصاف، مثلاً تیزی، طراری، ذہانت اور پھرتی پائے جاتے تھے لیکن انسان کے ظالمانہ برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب اوصاف کھو بیٹھا اور سرتاپا ضدی، اکھڑ، سُست اور کام چور بن کر رہ گیا۔ گدھے رنگ کے لحاظ سے بے شمار قسموں کے پائے جاتے ہیں۔ وہ سفید سے لے کر گہرے سیاہ رنگ تک کے ہوتے ہیں۔ بعض کے جسم پر چھوٹے چھوٹے دھبے ہوتے ہیں سب سے بڑا گدھا کیانگ نسل کا ہے جو لداخ اور تبت میں پایا جاتا ہے۔ بعض گدھوں کا رنگ گہرا سُرخ ہوتا ہے۔ افریقہ میں گدھوں کی انتہائی پست قامت نسل پائی جاتی ہے اِس نسل کے بعض گدھے تو کسی پالتو بھیڑ سے زیادہ بڑے نہیں ہوتے۔ جنوبی فرانس کے دیہاتی علاقے میں نکل جایئے۔ آپ کو کتے کے ساتھ گاڑی میں جتا ہوا گدھا عام نظر آئے گا افریقی گدھے کئی لحاظ سے اپنے ایشیائی ہم نسلوں کی نسبت زیادہ خوبصورت اور پھرتیلے واقع ہوئے ہیں۔ یورپ میں اسپین، اٹلی اور مالٹا کے گدھے سب سے زیادہ بہتر ہیں۔ عمدہ اور اعلیٰ ترین نسل اسٹالیون کہلاتی ہے اور دُنیا بھر کی منڈیوں میں مُنہ مانگی قیمت پاتی ہے مشہور فرانسیسی ماہر حیاتیات بفن کا کہنا ہے: "دنیا بھر میں اگر گھوڑے کا وجود نہ ہوتا تو آج ہم، جو دلچسپی گھوڑے سے ہے اُس کا مرکز گدھا ہوتا، اِس لئے کہ وہ عجز و انکسار کا پیکر اور درویش صفت حیوان ہے"۔ قدرت نے اِسے گھوڑے کے مقابلے میں ایک اور فضیلت بھی عطا کی ہے۔ وہ استوائی اور صحرائی خطّے کا جانور ہے۔ لہٰذا گرمی اسے بالکل نہیں ستاتی اِسکے برعکس گھوڑا زیادہ گرمی برداشت نہیں کرسکتا۔ جلد ہی ہانپنے لگتا ہے اور بعض اوقات نڈھال ہو کر دم توڑ دیتا ہے۔ اِس طرح گدھا گھوڑے کی نسبت کہیں زیادہ سخت جان واقع ہوا ہے۔

(مرسلہ: ساجد کلیم۔ کالا بورڈ۔ ملیر سٹی۔ کراچی)

انچارج کا دیا ہوا کا ...ھایا۔

"میں ابھی ریکارڈ سے چیک کر کے بتاتی ہوں۔" اور پھر چند منٹ کے اندر اُس نے بتایا "ہاں اس کنٹکٹ لینس کی تفصیلات یہی تھیں۔"

"کیا تم ہمیں اس کا پتہ بتا سکتی ہو۔؟" باسوس نے پوچھا۔

جواب میں کلرک نے لنڈا آرتھر کا پتہ نوٹ کرادیا۔ باسوس اور رائے اس پتے پر پہونچے۔ "میرے لئے اُس کے شوہر کو یہ بتانا بڑا مشکل ہوگا۔" باسوس نے گھر کے سامنے کار روکتے ہوئے کہا "کہ اس کی بیوی کل رات کسی غیر مرد کے ساتھ تھی اور پھر بعد میں اس مرد نے اُسے یا تو زخمی کر دیا پھر قتل کر کے کہیں لاش بھی چھپادی۔"

"مگر مجھے حیرت ہے کہ اس کے شوہر نے ابھی تک اس کی گمشدگی کی رپورٹ کیوں نہیں کی۔" رائے بولا۔

"ممکن ہے کہ لنڈا کوئی بہانا کر کے مثلاً یہ کہ وہ اپنے کچھ عزیزوں کے پاس جارہی ہے۔ گھر سے رخصت ہوئی ہو۔" باسوس نے جواب دیا۔

انہوں نے کار سے اُتر کر اطلاعی گھنٹی کا بٹن دبایا۔ ایک ملازمہ نے دروازہ کھولا اور جب باسوس نے بتایا کہ وہ کون ہیں تو انھیں ایک کمرے میں بٹھا کر خود اطلاع دینے چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آرتھر۔ جو کہ پچاس سال سے زیادہ عمر کا معلوم ہوتا تھا۔ کمرے میں داخل ہوا۔

"ملازمہ نے مجھے بتایا ہے کہ آپ لوگوں کا تعلق پولیس سے ہے۔" اُس نے کہا۔

"ہاں۔" باسوس نے جواب دیا اور رائے کی طرف دیکھا۔ اُسے ایسے مواقع پر گفتگو کرنے میں ہمیشہ اُلجھن ہوتی تھی۔

"ہم لوگ آپ کی بیوی کے بارے میں کچھ معلوم کرنے آئے ہیں۔" رائے نے اُس کی مدد کرتے ہوئے کہا "آپ نے اُسے آخری بار کب دیکھا تھا۔"

"ابھی کوئی دو منٹ پہلے۔" آرتھر نے بڑی حیرت سے جواب دیا۔ "ہم لوگ اپنے کمرے میں بیٹھے کاک ٹیل پی رہے تھے۔ مگر تم میری بیوی کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟"

رائے نے پلٹ کر بڑے احمقانہ انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے باسوس کی طرف دیکھا جس کے اپنے چہرے کے تاثرات رائے سے کچھ مختلف نہیں تھے۔ آخر اس نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم اس سے کچھ باتیں کر سکتے ہیں؟"

"کیوں نہیں۔" آرتھر نے جواب دیا اور کمرے سے چلا گیا۔

وہ فوراً ہی اپنی بیوی لنڈا کے ساتھ واپس آیا۔ دونوں جاسوسوں نے پہچان لیا کہ یہ وہی عورت ہے جس کی تصویر ان کے پاس موجود ہے۔

"ہم اس مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہیں۔" باسوس نے لنڈا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بتا سکتی ہو کہ کل رات تم کہاں تھیں۔۔؟"

لنڈا نے پہلے اسے کچھ حیرت سے دیکھا اور پھر اپنے شوہر کی جانب۔

"میں یہاں اپنے گھر میں تھی۔" اس نے جواب دیا۔ "اپنے شوہر کے ساتھ۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو۔۔؟"

"ہم نے شام کا کھانا ساتھ ہی کھایا تھا۔" آرتھر نے اپنی بیوی کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "اور پھر دیر تک ٹیلیویژن دیکھتے رہے۔ ہمیں مارڈی گراس یا اس کے ہنگاموں سے کوئی خاص رغبت نہیں ہے۔ مگر میں پھر معلوم کرنا چاہوں گا کہ آخر تم اس طرح کے سوالات کیوں کر رہے ہو۔؟"

"ہم اس مداخلت کے لئے معذرت خواہ ہیں۔" باسوس نے ایک بار پھر کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم سے پہچاننے میں غلطی ہوئی ہے۔ دراصل ہم ایک کیس کے سلسلے میں معمول کے مطابق چیکنگ کر رہے تھے۔"

اور پھر باہر کار میں بیٹھتے ہوئے رائے نے باسوس سے کہا۔

"وہ جھوٹ بول رہی ہے۔"

"یقیناً جھوٹ بول رہی ہے۔" باسوس نے تائید کی۔ "اور اس کا شوہر اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ تصویر اسی کی ہے۔" اس نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ "گویا ہم اب تک غلط سمجھ رہے تھے۔ عورت نہیں بلکہ اس کا ساتھی قتل ہوا ہے۔ لیکن عقل حیران ہے کہ ایک عورت نے کس طرح ایک مرد کو چاقو سے قتل کیا ہوگا اور پھر کس طرح اس کی لاش وہاں سے کہیں اور لے جاسکی ہوگی۔"

"ممکن ہے زخمی ہونے کے بعد مرد خود کہیں گرتا پڑتا چلا گیا ہو۔"

"یا پھر کسی اور نے عورت کی مدد کی ہو۔" باسوس نے کہا۔ "مگر اس نے مرد کو قتل کیوں کیا؟ کیا مرد نے اسے بلیک میل کرنے کی دھمکی دی تھی۔ یا یہ رقابت کا کوئی چکر تھا۔ بہرحال ہم اسے گرفتار نہیں کر سکتے۔ ابھی ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ مرد کون تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمیں ان تمام لوگوں سے پوچھ گچھ کرنا چاہیئے جو کل رات بوبانوس کی پارٹی میں شریک ہوئے تھے۔ میرا اندازہ ہے کیا تو لنڈا۔ یا پھر وہ مرد۔۔ یا وہ دونوں اس پارٹی میں شامل تھے۔ ممکن ہے بوبانوس کے دوست ہمیں بوبانوس سے زیادہ معلومات دے سکیں۔"

ہیڈکوارٹر پہنچ کر باسوس نے ان تمام افراد کی فہرست دیکھی جنہیں گذشتہ رات بوبانوس کے ساتھ گرفتار کیا گیا تھا۔ انہوں نے پہلے یہ دیکھا کہ کیا ان میں سے کسی کا ریکارڈ پولیس میں موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسے کئی افراد ہیں جو سابقہ سزایافتہ یا مشکوک کردار کے مالک ہیں۔ باسوس نے ان میں سے ایسے نام کا انتخاب کیا جس سے اسے زیادہ باتیں معلوم ہونے کی توقع تھی۔ یہ ایک لڑکی تھی جس کا نام نکی لین تھا۔ وہ کئی مرتبہ گرفتار ہو چکی تھی۔ ان میں ایک گرفتاری ناجائز منشیات کے سلسلے میں تھی۔ اور آج کل بھی وہ ایک سال کی آزمائشی مدت کے لئے رہا کی گئی تھی۔

وہ نکی لین کے مکان پر پہنچے۔ رائے نے دروازے پر دستک دی تو ایک لڑکی نے دروازہ کھولا۔ اس کے بال سرخ تھے۔ اس نے ایک نیلے رنگ کی چست پتلون پہن رکھی تھی۔ ننگے پاؤں تھی اور گود میں ایک بچے کو اٹھا رکھا تھا۔

"ہم مس نکی لین سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" باسوس نے کہا۔

"میں ہی نکی لین ہوں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "کیا بات ہے۔؟"

باسوس نے اسے اپنا شناختی نشان دکھایا۔ نکی لین کے چہرے سے خوف ظاہر ہوا۔

"دیکھو میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔" وہ گھبرا کر بولی۔ "آخر تم مجھے کیوں پریشان کر رہے ہو۔؟"

"تم کل رات گرفتار کی گئی تھیں۔؟"

"وہ محض غلط فہمی کی وجہ سے ہوا تھا۔" نکی لین نے جواب دیا۔ "بظاہر ہمیں شور و غل مچانے کے الزام میں پکڑا گیا تھا۔ مگر شاید پولیس کو توقع تھی کہ وہ ہمارے پاس سے کوئی ناجائز منشیات برآمد کر لے گی۔ لیکن ہم لوگ کوئی نشہ وغیرہ نہیں کر رہے تھے اس لئے سب کو آج صبح رہا کر دیا گیا۔"

"مگر تم بوبانوس کے دوستوں میں شامل ہو۔" باسوس نے اسے لنڈا کی دونوں تصویریں دکھائیں۔ "ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کیا کبھی تم نے اس عورت کو دیکھا ہے۔؟"

"کیا تم بس یہی معلوم کرنا چاہتے ہو۔؟"

"سردست یہی پوچھنا چاہتے ہیں لیکن تم نے تعاون نہیں کیا تو ہم ایسی کئی باتیں سوچ سکتے ہیں جن کے بارے میں تم سے سوالات کئے جا سکتے ہیں۔ اور وہ بھی یہاں نہیں بلکہ پولیس ہیڈکوارٹر لے جا کر۔"

نکی لین کے انداز سے معلوم ہوا کہ اسے یہ سن کر بڑا اطمینان ہوا ہے۔

"بے شک میں اسے جانتی ہوں۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "اس کا نام ہیلن ڈیوس ہے اور میں نے اسے کئی مرتبہ بوبانوس کی پارٹیوں میں دیکھا ہے۔"

"کیا اس نے کبھی تمہیں یہ بھی بتایا کہ اس کا نام لنڈا آرتھر ہے؟"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے تو یہی معلوم ہے کہ اس کا نام۔۔۔ ہیلن ڈیوس ہے۔"

"کیا کل رات یہ بھی پارٹی میں تھی؟"

"ہاں تھی۔ مگر پولیس کے آنے سے پہلے ہی چلی گئی تھی۔"

"کیا اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟"

"تھا کیوں نہیں۔۔ وہی تھا جو ہمیشہ اس کے ساتھ نظر آتا ہے اور جس کا نام رون پیڈرو ہے۔"

رون پیڈرو ۔۔۔ یہ نام دونوں جاسوسوں کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ پیڈرو بربن اسٹریٹ پر واقع ایک نائٹ کلب کا مالک تھا۔ مگر پس پردہ اس کی مصروفیات

زیادہ تر غیر قانونی تھیں۔ اگرچہ وہ کوئی بڑا بدمعاش نہیں تھا۔

"مجھے حیرت ہے لنڈا جیسی دولت مند عورت پیڈرو جیسے ادنیٰ بدمعاش کے ساتھ کیسے رہ سکتی ہے۔" باسوس نے کہا۔

"پیڈرو جیسے مرد اکثر عورتوں کے منظورِ نظر بن جاتے ہیں۔" رائے نے جواب دیا۔ وہ خود کو عورتوں کی نفسیات کا ماہر خیال کرتا تھا۔ "کبھی کبھی دولت مند گھرانوں کی شادی شدہ عورتیں اپنے شوہروں اور شریفانہ ماحول سے اکتا جاتی ہیں اور رومان اور ایڈونچر کی تلاش میں نکل پڑتی ہیں۔ اس وقت انہیں پیڈرو جیسے بدمعاشوں میں بڑی کشش اور جاذبیت معلوم ہوتی ہے۔"

"اگر کل رات پیڈرو لنڈا کے ساتھ تھا۔" باسوس بولا۔ "تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ یا تو وہ خود قتل کیا جا چکا ہے یا پھر اس نے وہاں کسی اور کو قتل کر دیا ہے۔"

جس وقت باسوس اور رائے پیڈرو کے کلب۔ جس کا نام بلو اسپاٹ تھا۔ پہنچے تو رات ہو چکی تھی۔ وہ دونوں کلب کے بار میں داخل ہوئے اور منیجر سے بات کی۔ اس نے بتایا کہ اس نے مسٹر روسن پیڈرو کو کل رات سے اب تک نہیں دیکھا۔ اور یہ کہ وہ باقاعدہ تلاشی کے وارنٹ کے بغیر انہیں پیڈرو کے کمرے کی تلاشی لینے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

دونوں جاسوس کسی ایسے جج کی تلاش میں نکلے جو انہیں تلاشی کا وارنٹ جاری کر سکے۔ اور کہیں آدھی رات کے قریب اپنی کوشش میں کامیاب ہو کر وارنٹ کے ساتھ کلب واپس پہنچے۔ پیڈرو کا فلیٹ کلب کے عقب میں سڑک پار کر کے ایک بلڈنگ میں واقع تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ فلیٹ کو بڑے پرتکلف انداز میں رکھا گیا ہے۔ وہ ایک گھنٹے تک بڑے صبر و تحمل سے فلیٹ کی تلاشی لیتے رہے۔ اور آخر کار باسوس کو ایک مفید مطلب چیز ہاتھ آہی گئی۔ یہ ایک نوٹ بک تھی۔ اس نے نوٹ بک میں تحریر نام اور اعداد و شمار دیکھے جنہیں بالکل کسی اکاؤنٹ رجسٹر کی طرح لکھا گیا تھا۔ ایک انٹری دیکھ کر باسوس کے منہ سے کلمۂ حیرت نکل گیا۔

"کیا بات ہے۔؟" رائے نے پوچھا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں ہوں تو یوں سمجھو کہ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ کل رات کیا واقعات پیش آئے تھے۔" باسوس نے جواب دیا۔ "پیڈرو کل رات ضرور قتل کیا گیا ہے اور میں جان چکا ہوں کہ اسے قتل کرنے کا مقصد و موقع کسے حاصل تھا۔ آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دونوں مصور بنجمن کی دکان میں واپس آئے جو وہاں سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا۔

"مسٹر بنجمن۔" باسوس نے کہا۔ "تمہاری دکان ابھی تک کھلی ہوئی ہے؟"

"ہاں۔ میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں باہر سے آنے والے سیاحوں کے ہاتھ اپنی زیادہ سے زیادہ تصویریں فروخت کرنے کے لئے آج کل دیر سے دکان بند کرتا ہوں۔" بنجمن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا تمہیں جس عورت کی تلاش تھی وہ مل گئی؟"

"ہاں۔ اتنا ہی نہیں ہم یہ بھی معلوم کر چکے ہیں کہ اس کے ساتھ جو مرد تھا، وہ کون تھا۔"

"اچھا۔ پھر تو بڑا کمال کیا۔ کون تھا وہ آدمی۔؟"

خاص پرائیویٹ

ہمیں روزانہ ڈاک سے سینکڑوں خطوط "خاص پرائیویٹ" ملتے ہیں۔ یہ اُن کئی نوجوان مردوں اور عورتوں کے ہوتے ہیں جو اپنی پوشیدہ بیماری اور دل کی بات زبانی کسی سے کہتے ہوئے شرماتے اور جھجکتے ہیں۔ بڑے حکیم صاحب ایسے خاص پرائیویٹ خط خود کھولتے ہیں اور بڑے غور سے انکو پڑھ کر جواب میں نسخہ لکھ کر بھیج دیتے ہیں جس کی کوئی فیس بھی نہیں لی جاتی۔

ان لوگوں کو جو بازاری نقصان پہنچانیوالی ادویہ پر اعتماد نہیں کرتے اور رازداری کی وجہ سے خود دوا تیار نہیں کرنا چاہتے۔ انکے لکھنے پر اصلی خالص دواؤں سے دوائیں حکیم صاحب کی ذاتی نگرانی میں تیار کرکر مناسب قیمت میں وی۔ پی پارسل سے بھیج دیتے ہیں اور اگر کوئی یہ بھی چاہے کہ وی۔ پی پارسل سے بھی نہ ظاہر ہو کہ کسی دوا کا پارسل ہے تو سادہ لیبل کا "خاص پرائیویٹ پارسل" بھی بھیجا جاتا ہے۔ اگر آپکو بھی کوئی شکایت ہے تو اپنا تفصیلی حال اور لفافے پر "خاص پرائیویٹ" لکھ کر بھیجدیں اور اگر وی۔ پی بھی "خاص پرائیویٹ پارسل" کا منگانا چاہیں تو اسکی بھی ہدایت کریں۔ اوقات مطب صبح ۱۰ بجے سے شام ۶ بجے تک۔

اکسیری دواخانہ

موسٰی والا بلڈنگ، بالمقابل ڈسٹرکٹ کورٹ نزد میونسپل کارپوریشن۔ بندر روڈ کراچی

"ڈرون پیڈرو۔" باسوس نے کہا۔ "تم اسے جانتے ہو نا۔ ؟"

"وہ پیڈرو تو نہیں جس کا کلب برین اسٹریٹ پر واقع ہے ؟"

"دانستہ انجان بننے کی کوشش مت کرو تم اسے اچھی طرح جانتے ہو۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی معرفت ریس کے گھوڑوں پر شرطیں بھی لگاتے ہو۔ اور تم جتنی رقم کیلئے اس کے مقروض ہو اسے دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ریس کھیلنا تمہارا محض شوق نہیں بلکہ جنون ہے۔"

بجمن کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا۔

"یہ تمہیں کیسے معلوم ....."

"پیڈرو کے پاس ایک نوٹ بک تھی جس پر وہ تمام حساب کتاب رکھنے کا عادی تھا اور اس میں اس رقم کا حساب بھی تحریر ہے جو تم پر واجب الادا ہے۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ جب لوگ اس کا قرض ادا نہیں کرپاتے تو وہ ان پر بڑی سختی کرتا ہے۔ اس نے تمہیں کیا دھمکی دی تھی۔ کیا یہ کہ تمہارے دونوں بازو توڑ ڈالے گا یا یہ کہ تمہیں قتل کرنے کے لئے کسی پیشہ ور قاتل کی خدمات حاصل کرے گا۔ اور کیا یہی وجہ تھی کہ کل رات تم اس کے کورٹ یارڈ میں جانے کے بعد اوپر کمرے میں پہنچے۔ اس خیال سے کہ جب وہ لنڈا کے ساتھ پیار و محبت میں مشغول ہوگا تو تم اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے اپنا پیچھا چھڑا لو گے۔ تم نے اسے قتل کیا پھر اس کی لاش گھسیٹتے ہوئے کورٹ یارڈ سے باہر لائے اور غالباً دریا میں پھینک دی۔ تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ لنڈا خود اپنا راز فاش کیے بغیر تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتی۔"

بجمن کا چہرہ زرد ہی نہیں بلکہ سفید پڑ چکا تھا۔

"ذرا ٹھہرو میں نے ....." اس نے کچھ کہنا چاہا مگر باسوس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اسے اس کا قانونی حق بتادو۔" اس نے رائے سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ چاہو تو بالکل خاموش رہو۔" رائے بولا۔ "کیونکہ اگر تم نے کچھ کہا تو اسے تمہارے خلاف بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر تم کوئی وکیل کرنا چاہتے ہو تو ....."

"ایک منٹ ٹھہرو۔" بجمن چیخ کر بولا۔ "تم مجھ پر کوئی الزام عائد نہیں کرسکتے۔"

اس نے رومال سے اپنی پیشانی کا پسینہ پونچھا۔

"جہاں تک میرے مقروض ہونے کا تعلق ہے تمہارا کہنا بالکل درست ہے۔" وہ بولا۔ "اور یہ بھی سچ ہے کہ پیڈرو مجھے مختلف قسم کی دھمکیاں دے رہا تھا مگر میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ اسے آرتھر نے قتل کیا ہے۔"

"کیا۔ !؟" باسوس نے حیرت سے کہا۔

"میں نے لنڈا کو کالے بالوں کی وگ کے باوجود پہچان لیا تھا۔" بجمن نے کہا۔ "کیونکہ میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس نے اور اس کے شوہر نے مجھ سے ایک تصویر خریدی تھی۔ چنانچہ جب میں نے اسے پیڈرو کے ساتھ کورٹ یارڈ کے کمرے میں جاتے دیکھا تو میں نے آرتھر کو فون کیا اور اسے بتایا کہ اگر وہ میرے دیئے ہوئے پتہ پر جاتے تو اپنی بیوی کو پیڈرو کے ساتھ ایک بستر پر سوتے دیکھے گا۔ میں نے اسے یہ بھی بتادیا تھا کہ کورٹ یارڈ کا مغربی دروازہ مقفل نہیں ہوگا۔ اس سڑک پر زیادہ ٹریفک بھی نہیں ہوتا۔ خود میرے پاس کورٹ یارڈ کے دروازوں کی چابی رہتی ہے کیونکہ میں بھی وہیں برابر کے کمرے میں رہتا ہوں۔

آج صبح جب تم نے مجھ سے سوالات پوچھے تو میں نے لنڈا کی تصویر بنادی یہ سوچتے ہوئے کہ تم تحقیقات کرتے ہوئے اس تک پہنچ جاؤ گے اور پھر اس کے شوہر آرتھر کو قتل کے الزام میں گرفتار کرو گے۔ میں نے اس کی تصویر کالے بالوں کی وگ کے ساتھ ہی بنائی تھی تاکہ اگر اسے کسی اور نے بھی جاتے دیکھا ہو تو مجھ پر غلط بیانی کا الزام نہ آئے۔ لیکن اس وگ سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ جو لوگ اسے جانتے ہیں وہ اس وگ کے باوجود اسے شناخت کرلیں گے۔"

دوسری صبح آرتھر کی کار کی تلاشی لی گئی۔ اس کی ڈکی کو دھو کر صاف کردیا گیا تھا لیکن پھر بھی پولیس لیبارٹری کی تحقیقات کے نتیجے میں اس کے اندر بی نگیٹو ٹائپ خون کے ذرات مل گئے۔ اس ثبوت کے علاوہ بجمن کی گواہی۔ جس کو وعدہ معاف گواہ بنالیا گیا تھا نیز ان دوسرے لوگوں کے بیانات جو لنڈا اور پیڈرو کے معاشقے سے واقف تھے جرم کے وقوع پذیر ہونے کے ثبوت کے لئے بہت کافی تھے۔ اور اگر آخر کار پیڈرو کی لاش بھی دریا میں تیرتی نہ پائی جاتی تب بھی آرتھر کے خلاف اتنی واقعات شہادت موجود تھی جس کی بنیاد پر اسے قانون کے مطابق سزا دلائی جاسکے۔

ظاہر تھا کہ بعد میں ــــ جب آرتھر پیڈرو کو قتل کرکے اس کی لاش دریا برد کرچکا تھا۔ لنڈا نے اپنا راز فاش ہوجانے پر آرتھر سے معافی مانگ لی تھی اور آرتھر نے جو اس سے شدید محبت کرتا تھا۔ نہ صرف اسے معاف کردیا تھا بلکہ جیسا کہ بعد میں دیکھا گیا وہ اس کی پشت پناہی کے لئے بھی تیار ہوگیا تھا۔

اصولاً باسوس کو ایک کیس کو کامیابی کے ساتھ حل کرلینے پر خوش ہونا چاہیئے تھا مگر اس کے چہرے پر معمول سے کہیں زیادہ سنجیدگی طاری تھی۔

"تم جانتے ہو۔" اس نے رائے سے کہا۔ "کہ مجھے سب سے زیادہ کس بات کا افسوس ہے۔ ؟"

"کس بات کا افسوس ہے۔ ؟" رائے نے پوچھا۔

"یہ کہ اس قتل کا اصلی مجرم آزادی سے گھوم پھر رہا ہے۔" باسوس نے جواب دیا۔ "جب اس رات بجمن نے آرتھر کو فون کرنے کیلئے ریسیور اٹھایا تھا تو دراصل اس نے اس کے ساتھ ہی پیڈرو کو بھی قتل کردیا تھا بلکہ اس طرح جیسے خود اس نے ہی اس کے سینے میں چاقو اتارا ہو۔ اور بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نہ صرف اس کے لئے اسے کوئی سزا نہیں دے سکتے بلکہ آرتھر کو عدالت سے سزا دلانے کے لئے ہمیں اسے وعدہ معاف گواہ بھی بنانا پڑا ہے۔ تم نے غور کیا کہ اس طرح بجمن قتل کا بالواسطہ مرتکب ہونے کے باوجود قانون کی گرفت سے صاف بچ نکلا ہے۔"

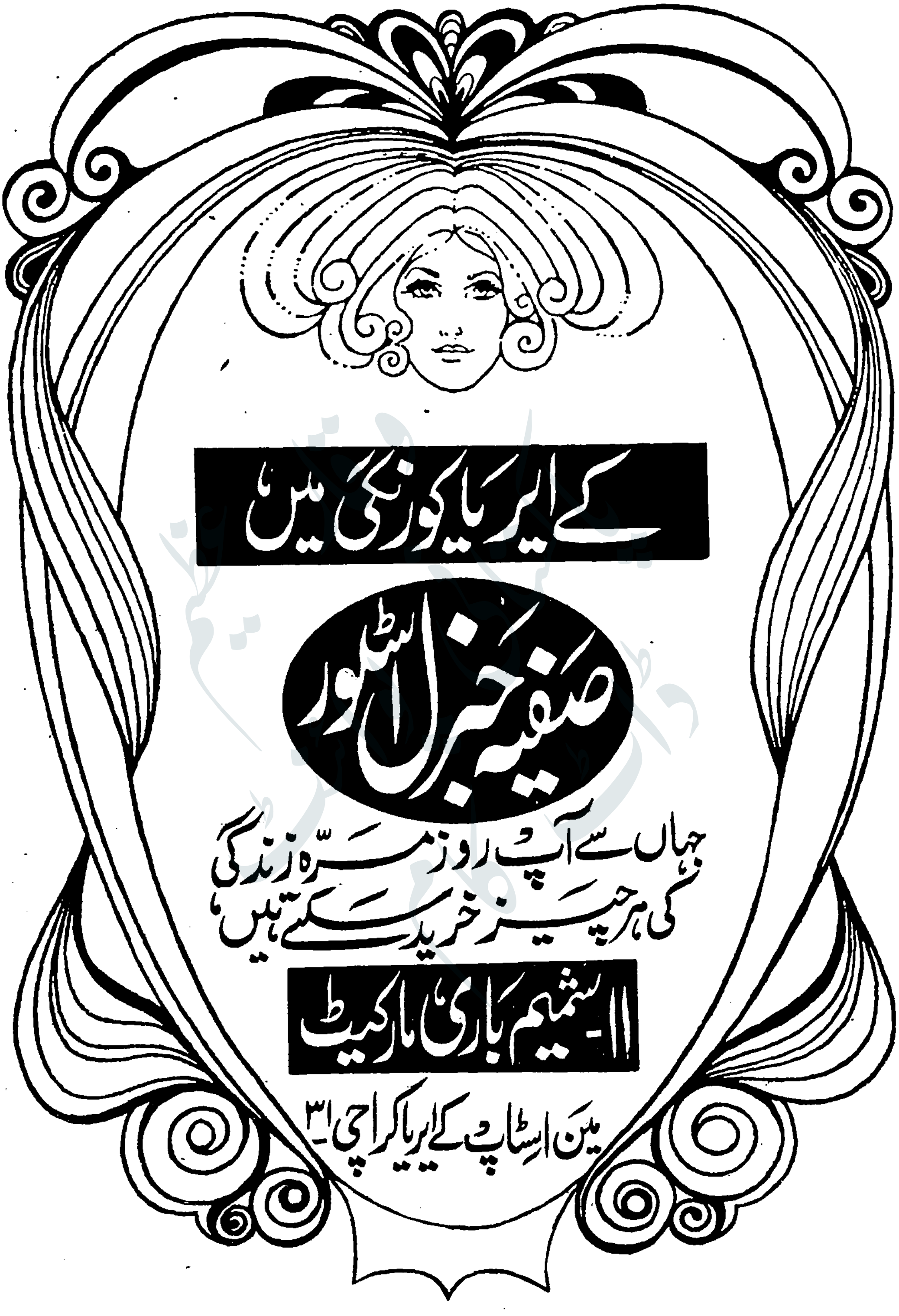
کے ایریا کورنگی میں
صفیہ جنرل اسٹور
جہاں سے آپ روزمرّہ زندگی
کی ہر چیز خرید سکتے ہیں
۱۱- شمیم باری مارکیٹ
مین اسٹاپ کے ایریا کراچی ۳۱

رسوائے زمانہ

صفدر علی

کی سنسنی خیز سرگزشت

میں ۱۹۶۵ء سے اپنا کاروبار چلا رہا تھا۔ مکران اور ابراہیم حیدری کے ویران ساحلی علاقے میری تمام سرگرمیوں کا مرکز تھے۔ خشک مچھلی کے بدبودار انبار کے نیچے چھپا ہوا سارا مال ہر بار اطمینان کے ساتھ ٹرکوں میں شہر آجاتا تھا اور کوئی بھی سرکاری افسر بدبو کے اس انبار کے قریب آنا پسند نہیں کرتا تھا۔ میرا سونا منگوانے کا طریقہ بھی منفرد تھا۔ غرض میں ایک کامیاب اسمگلر تھا اور میرے ہم پیشہ میرے مقدر پر رشک کرتے تھے۔ میں نے گھر کی دیکھ بھال کیلئے ایک اینگلو انڈین لڑکی نوکر رکھی ہوئی تھی وہ میرے اہم رازوں سے واقف تھی اور میرے مزاج سے بھی آشنا تھی۔ اسی لئے وہ بیک وقت گھر کی ملازمہ بھی تھی، سکریٹری بھی اور میری داشتہ بھی۔ میرا کاروبار ایسا تھا جس میں پیسے کی ریل پیل تھی۔ دولت میری لونڈی تھی اور شراب، شباب و جوا میری زندگی کے بہترین مشغلے تھے۔

آئیے اب میں آپ کو بتاؤں کہ زندگی کی ان خطرناک راہوں کو میں نے کس طرح اختیار کیا۔

میں ایک تجارت پیشہ گھرانے کا فرد اور تین بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ بے جا لاڈ پیار نے میری عادتوں پر خاصا گہرا اثر ڈالا تھا۔ پیسے کے معاملے میں والدین بڑے فراخ دل تھے اور اسی لئے فلم بینی، سگریٹ نوشی، جوا اور آوارہ گردی میری فطرت کے لازمی جزو بن گئے تھے۔ ایک دن کالج کے ایک دوست اکبر کی ترغیب پر میں نے شراب پی اور میرے بہکے بہکے قدم بالاخانے کی سیڑھیوں پر جا پہنچے۔ نیک

بڑھتے ہوئے اخراجات نے والد صاحب کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ انھوں نے کئی بار مجھے سمجھانا چاہا مگر میرے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ پھر ایک مشہور ہوٹل میں اکبر کے ذریعے میری ملاقات گلنار سے ہوئی۔ میں اُس کا فراد اجسینہ پر مرمٹا۔ میں اُس کی سالگرہ پر اُسے ایک یادگار تحفہ دینا چاہتا تھا لیکن میرے پاس پیسے نہ تھے۔ والدین میری عادتوں سے تنگ آچکے تھے۔ آخر شام کے وقت میں کچھ سوچ کر دکان پر پہنچا۔ میں نے اپنے بڑے بھائی سے تین ہزار روپے طلب کئے مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ میں نے زبردستی تجوری سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال لی۔ اتنے میں اباجی آگئے۔ میری اس حرکت پر وہ بہت سیخ پا ہوئے۔ وہ بلڈ پریشر کے مریض تھے۔ غصے سے بے قابو ہو کر اول فول بکنے لگے۔ میں انھیں میز پر دھکیل کر رقم لئے باہر نکل آیا۔ پھر جب میں گلنار سے مل کر رات کے دو بجے گاڑی میں گھر پہنچا تو گھر کے ملازم نے مجھے داخل نہ ہونے دیا۔ میں نے غصے میں آکر گاڑی کا ہارن مسلسل بجانا شروع کیا پھر گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی۔ ماں غصے میں بھری ہوئی باہر آئیں اور آتے ہی میرے منھ پر تھپڑ مار کر بولیں "چلا جا یہاں سے اب اس گھر میں تیرے لئے کوئی گنجائش نہیں۔" وہ پوری رات میں نے لارنس گارڈن میں گذاری۔ صبح کے اخبار میں اباجی کی طرف سے عاق نامہ شائع ہوا تھا۔ میں نے گھبرا کر گھر فون کیا۔ معلوم ہوا کہ بلڈ پریشر کی وجہ سے اباجی کی دماغی شریان پھٹ گئی اور وہ انتقال کر گئے۔ اب میں خود کو اباجی کا قاتل محسوس کرنے لگا تھا۔ میری دنیا ہی بدل گئی تھی۔ گلنار نے بھی بے رخی اختیار کی اور میں نے دل برداشتہ ہو کر لاہور چھوڑ دیا اور کراچی آکر ایک نئی زندگی کا آغاز کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میں نے کالے دھندے سے اتنا کمایا کہ دولت میری غلام بن گئی۔

کچھ دنوں سے میرا ستارہ گردش میں تھا۔ کسٹم والوں کے تین کامیاب چھاپوں نے مجھے

پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ بار بار میرا مال پکڑا جانے لگا تھا۔ اور میں اپنے انجام سے کانپ رہا تھا۔ ایک روز میرے گھر جوئے کی محفل جمی تھی اور میں بازی پر بازی ہار رہا تھا۔ آخر میں نے بچا بچایا مکان بھی داؤ پر لگا دیا۔ یہ بازی بھی میں ہار گیا۔ میں نے سوٹ کیس میں تجوری سے سمیٹ کر ساری رقم بھری اور باہر آگیا۔ پھر میں نے کلفٹن برج کے ایک نذھیرے چوراہے پر کار روکی اور سوزی کے ہاتھ میں کچھ رقم تھما کر اُس سے رخصت چاہی۔ اب میں ایک مفرور اسمگلر تھا اور گرفتاری کے خوف سے اِدھر اُدھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ آخر دو رات میں نے ایئرپورٹ پر گزارنے کا فیصلہ کیا لیکن پولیس وہاں پہلے ہی ناکہ بندی کر چکی تھی۔ میں نے بڑی مشکل سے پولیس سے جان بچائی اور پٹھان کالونی والی ندی سے ہو کر سڑک پر آگیا۔ اور اُس تالاب پر رُک گیا جہاں کئی مگرمچھ پلے ہوئے ہیں۔ گاڑی کو ایک محفوظ جگہ کھڑی کر کے ہاتھ میں شراب کی بوتل لئے میں جونہی مڑا، اچانک کسی نے مجھے دبوچ لیا۔ میرے سامنے بوسیدہ گدڑی میں ملبوس ایک دراز قامت، داڑھی والا شخص کھڑا تھا۔ میں مجذوب اور درویش صفت انسانوں سے لاشعوری طور پر بہت متاثر تھا۔ اِس لئے میں نے اُس بابا سے کوئی ایسی طاقت عطا کرنے کے لئے کہا جس کے ذریعے میں اپنی ہر خواہش پوری کر سکوں۔ لیکن اُس نے مجھے فیض پہنچانے سے انکار کر دیا۔ پھر میں نے گاڑی وہیں چھوڑ کر لی مارکٹ کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں پناہ لی۔ میں گیارہ دن تک اس غلیظ ہوٹل میں رہا۔ میرے چہرے پر داڑھی اُگ آئی تھی جس کی وجہ سے میری پہچان آسان نہ تھی۔ میں نے ستار سیٹھ سے ملنے کا فیصلہ کیا لیکن اس ظالم نے میری اس عادت سے کہ میں تاش کی گڈی میں حکم کی بیگم سب سے اوپر رکھنے کا عادی ہوں، مجھے پہچان لیا۔ پھر اُس نے مجھے بھکاری سمجھ کر میری توہین کرنی چاہی۔ میں غصے میں کھولتا ہوا اُس کی دکان سے نکل آیا۔ سیدھا ہپیوں والے ہوٹل پہنچا۔ جہاں ہپی مرد عورت مارفیا کے انجکشن لگوانے آئے تھے۔ ایک خوبصورت لڑکی ہوٹل والے سے مارفیا لگوانے آئی اور جب وہ باہر نکلی تو میں نے اُس کا تعاقب شروع

۶

اقلیم علیم

کر دیا۔ اور موقع نکال کر اُس کے ساتھ شب بسری کی پیشکش کر دی۔ لڑکی نے بغیر کچھ کہے میرے منہ پر تھپڑ رسید کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بھیڑ جمع ہو گئی۔ دو پولیس والوں نے مجھے پکڑ لیا۔ میں نے راستے میں دونوں پولیس والوں کو رشوت کی پیشکش کی۔ ایک سپاہی نے اس پیشکش کے ردِّعمل کے طور پر میرا گریبان پکڑ کر اتنی زور سے جھنجھوڑا کہ میرا دم سینے میں گھٹنے لگا اور میں نے زبان بند کر کے خود کو حالات کے حوالے کر دیا۔

وہ دونوں سپاہی مجھے پکڑے ہوئے تھانے پہنچ گئے۔ وہاں اس ہپّی لڑکی کو دیکھنے کے لئے پورا تھانہ اکٹھا ہو گیا۔ ایک اے ایس آئی نے اُس ہپّی لڑکی کی موجودگی میں مجھ پر خوب تھانیداری جھاڑنے کی کوشش کی۔ وہ جان بوجھ کر رپورٹ تیار کرنے میں تاخیر کر رہا تھا۔ آخر لڑکی نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ کہہ کر اُٹھ گئی کہ یہ شخص بے قصور ہے۔ تھانیدار روکتا ہی رہ گیا۔ لڑکی کی حالت اچانک غیر ہو گئی تھی، اس کا چہرہ زرد تھا اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ میں نے بمشکل اُسے اس کے ہوٹل پہنچایا۔ وہاں پہنچ کر اس نے مارفیا کا انجکشن لگانے کو کہا۔ میں نے اسکرٹ اور بلاؤز سے جھانکتے ہوئے بدن پر ندیدی نگاہیں ڈالیں اور انجکشن لگانے سے پہلے اس کے جسم سے لطف اندوز ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کیس کے بعد میں نے اپنا ہوٹل چھوڑ دیا اور مسز چیپل کے بیچلرز ہاؤس میں اُٹھ آیا۔

یہاں کئی لوگوں سے دوستی ہو گئی۔ برج جمنے لگی۔ ایک دن فاروقی کے کہنے پر میں کلب چلا گیا۔ وہاں حکم کی۔ بیگم نے اپنا کام دکھایا اور ایک پُرانے اسمگلر نے مجھے پہچان لیا۔ میں نے اُسے الگ لیجا کر بات کی اُس نے مجھے تاش نہ کھیلنے کا مشورہ دیا تاکہ میرے گرفتار ہونے کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی لپیٹ میں آجائیں۔ میں اُسے مطمئن کر کے جب بیچلرز ہاؤس کے گیٹ پر پہنچا تو پولیس محاصرہ کئے ہوئے تھی اور میں وہاں سے جان بچا کر بھاگا۔ میری جیب خالی ہو چکی تھی۔ سارا نیبہ بیچلرز ہاؤس میں رہ گیا تھا اور یہ چھاپہ مسز چیپل کی وجہ سے پڑا تھا کیونکہ وہ گیسٹ ہاؤس کی آڑ میں گندہ کاروبار کرتی تھی۔ پھر میری ملاقات جمال نامی سنیاسی سے ہو گئی۔ وہ کیمیاگر تھا۔ ہم دونوں نے مِل کر بیس سیر سونا بنایا۔ یہ سونا اصل کے مطابق تھا پر اصلی نہ تھا۔ میں نے یہ نقلی سونا اپنے ایک پُرانے اسمگلر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس اسمگلر نے مجھے خاصا نقصان پہنچایا تھا اور اب میں نے نقلی سونا اس کے ہاتھوں فروخت کر کے اپنا انتقام لے لیا تھا۔ تقریباً دو لاکھ روپے لیکر میں نے اس شہر میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ میں جمال کو لے کر مری آگیا۔ میں نے اسے وہاں کچھ دن آرام کرنے کو کہا اور پھر میں لاہور چلا آیا تاکہ اپنے گھر والوں سے مِل سکوں۔ اس کے بعد میرا پروگرام ڈھاکہ جانے کا تھا۔ جمال کو بھاندرناس نامی ایک بوٹی کی تلاش تھی۔ نیپال میں ایک سنیاسی کا بڑا شہرہ تھا وہ ہر سال پہاڑوں پر جا کر لوہے کی زنجیر سونے میں تبدیل کراتا تھا اور وہ جوگی دو مہینے بعد پہاڑوں پر جانے والا تھا اور ہمیں اس کا پیچھا کرنا تھا۔ لاہور پہنچ کر میں نے سب سے پہلے بازارِ حُسن جانے کا ارادہ کیا۔ کسی نے آواز دی "بابو مال چاہیئے؟" اور جب میں نے آواز دینے والے کو دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ میرا بچپن کا دوست اکبر تھا جو اتنے عرصے بعد مجھے نہ پہچان سکا۔ پھر اسی کے ذریعے میں گلنار تک پہنچا۔ اپنی محبوبہ کو بیسوا کے رُوپ میں دیکھ کر میرا خون کھول اُٹھا اور میں نے ہوشیاری کے ساتھ گلنار اور اکبر کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ دوہرے قتل کے بعد میں ایک جوئے خانے میں پہنچا۔ ساری رات کھیلنے کے بعد صبح مجھے ہوش آیا تو میرا رقم سے بھرا ہوا بریف کیس غائب تھا۔ سخت مایوسی کے عالم میں میں مری پہنچا اور وہاں سے جمال کو ہمراہ لے کر ڈھاکہ روانہ ہو گیا۔

وہاں جمال مجھے طبیب مدراسی کے پاس لے گیا جو نہایت خبطی اور خود غرض کیمیاگر تھا جب طبیب کو پتہ چلا کہ جمال بھاندرناس کی تلاش میں ہے تو اُس بیمار بڈھے نے حسد سے مشتعل ہو کر جمال سنیاسی کو قتل کر دیا۔ اور خود دہشت سے چل بسا۔ واقعات کچھ ایسا رُخ اختیار کر گئے کہ اپنی جان بچانے کے لئے مجھے چند ربین نامی ایک ہندو کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس کا وسیع اور منظم گروہ مشرقی صوبے کے مقامیوں اور غیر مقامیوں میں نفرت کی آگ بھڑکا رہا تھا۔

اس گروہ کی جانب سے مجھے پہلا کام یہ ملا کہ اناج سے لدا ایک ٹرک سرحد پار لیجاؤں۔ جہاں خفیہ اشارے کی مدد سے کوئی شخص خود ہی مجھ سے رابطہ پیدا کرے گا۔ ویران سرحدی علاقوں میں ایک شخص میرا تعاقب کرتا رہا اور جب میں نے فرار کی کوشش کی تو وہ سامنے آگیا۔ میں نے بے رحمی کے ساتھ اُسے موت کے گھاٹ اُتارا اور اُسی کی جیپ میں سرحد کی طرف روانہ ہو گیا۔

سرحد کے غدار محافظ کالے گلاب کے اشارے پر مجھ سے کچھ نہ بولے مگر غیر ملکی چوکی کے نگہبان نے خفیہ اشارے کے باوجود شبہ کے ساتھ میرا جائزہ لیا۔ وہ جیپ اُس کی جانی پہچانی تھی جبکہ میں اُس کے لئے اجنبی تھا۔

"تم کون ہو۔ یہ جیپ تو انل صاحب کی ہے۔ وہ کہاں ہیں؟" اُس نے اشتباہ آمیز لہجے میں مجھ سے پوچھا اور میرا بدن خوف کے پسینوں میں نہا گیا۔

جب سرحدی محافظ کو مجھ پر شک ہو گیا تو میں جیپ سے اترنے کی بجائے بانس کی رکاوٹیں توڑتا ہوا وہاں سے بھاگ نکلا۔ مجھ پر فائر کھول دیئے گئے جس سے جیپ بیکار ہو کر اُلٹ گئی۔ میں جان بچانے کی خاطر جنگل میں چھپ گیا۔ وہاں کھیتوں کے درمیان گھری ہوئی ایک مختصر سی آبادی نظر آئی۔ میں نے فوری طور پر اپنا حلیہ تبدیل کیا اور آئندہ کے لئے منصوبہ بندی کرنے لگا۔ جنگل میں ہی ایک لڑکی راکھی سے میری دوستی ہو گئی۔ اُس نے میرے لئے کھانے اور ایک جھونپڑی کا بندوبست کر دیا لیکن میں پکڑا گیا۔ فوج کے کپتان بھاٹیہ نے مجھ پر ایذارسانی کے خطرناک ترین طریقے آزمائے، میں نے مجبور ہو کر اپنی مجرمانہ زندگی اور کیمیاگری کی کہانی اُسے سُنا دی۔ کپتان بھاٹیہ خود بھی کیمیاگری کے جنون میں مبتلا تھا اس نے مجھ سے عہد لیا کہ رہائی کے بعد وہ بھاندرناس کی تلاش میں اس کا شریکِ سفر رہے گا۔ ایک دن ہیڈکوارٹر سے میرے لئے احکامات آگئے، مجھے پٹنہ جیل میں دو سال گزارنا تھے۔ جیل میں چند ایسے قیدی جو طویل سزاؤں سے اکتا کر فرار ہونے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے میرے دوست بن گئے۔ انہوں نے مجھے بھی منصوبے میں شامل کر لیا، آخر کار جیل کی سالانہ دعوت کے موقعے پر گندے پانی کے نالے کے ذریعے ہم جیل سے باہر آگئے اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف چل پڑے۔ میرے لئے سب سے بڑی مصیبت یہ تھی کہ یہ شہر میرے لئے اجنبی تھا اور جسم پر قیدیوں کے کپڑے بھی تھے لیکن قدرت نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا، میں نے ایک بھکاری کے کپڑے چرا کر پہنے اور آرام سے ایک طرف چل پڑا۔ معاً ایک تیز آواز نے میرے خیالات کا سلسلہ توڑ دیا اور میرے قدم ٹھٹھک کر رہ گئے۔!

وہ تیز آواز انجن کی سیٹی کی تھی۔ میں چلتی ہوئی مال گاڑی میں سوار ہو گیا۔ یہاں اتفاقاً میری ملاقات شیکھر سے ہو گئی اور ہم دونوں نے نیپال بھاگ جانے کا پروگرام بنایا۔ موتی ہاری جاتے ہوئے شیکھر ایک ہپّی لڑکی پر مرمٹا اور اسے بھگا کر لے گیا۔ اب میں اس لڑکی کے ساتھی جوزف کو اپنے ساتھ ساتھ رکھنے پر مجبور تھا۔ ایک شخص نے ہمیں سرحد پار کرانے کا وعدہ کیا لیکن شرط یہ تھی کہ ہم ایک اسٹیشن ویگن سرحد پار کسی کے آدمی کو پہنچا دیں۔ لیکن عین اس موقع پر جب ہم سرحدی چوکی پار کرنے والے تھے، پکڑے گئے۔ ویگن کے تمام ٹائر پھاڑ دیئے گئے اور اس میں سے تھیلے برآمد ہوئے۔ مجھ سمیت تمام لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔

اب آپ آگے کے واقعات پڑھیے

نائیلون

کے تھیلے میں بھری ہوئی چرس نیچے بکھر چکی تھی۔ میری نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا ناچنے لگا تھا۔ جوزف مجھے یوں نفرت بھری نگاہوں سے گھور رہا تھا جیسے اس کی دانست میں اس ہیر پھیر کی ساری ذمہ داری میری ہی ہو۔

پھر اسٹیشن ویگن کے سارے ٹائر کاٹ دیئے گئے اور چرس کے مزید چھ تھیلے برآمد ہو گئے۔ اب سارا کھیل میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا مجھے اور جوزف کو لاعلمی میں چرس کی اسمگلنگ کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ اسٹیشن ویگن اور اس کے جلاوطن مالک کی کہانی فرضی تھی بات صرف اتنی تھی کہ ہم اسٹیشن ویگن نیپال پہنچا دیتے جہاں ٹائروں سے چرس نکال لینے کے بعد گاڑی پھر ہندوستان بھیجدی جاتی۔ مجرموں نے وہ مخصوص گاڑی صرف اس لیے استعمال کی تھی کہ مسافر کاروں میں اس کے ٹائر سب سے بڑے اور تعداد میں چھ تھے۔ مجرموں نے پچھلے ایکسل پر دونوں طرف دو دو پہیے ہونے کا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

چوکی پر فوراً ہی چرس کی ساری مقدار تولی گئی، اس کا مشیر نامہ تیار ہوا اور ہم دونوں کو ہتھکڑیاں لگا کر ایک مسلح دستہ کے ساتھ بند لاری میں کسی جانب روانہ کر دیا گیا۔ وہ ڈولتی ہوئی پیٹھے ہوئے ٹائروں پر دیر تک کھڑی رہی۔

گاڑی سخت جھٹکے کھاتی تیزی کے ساتھ کسی گمنام منزل کی جانب رواں تھی۔ اس بند گاڑی کے تین حصے تھے۔ ایک تو اگلا حصہ تھا جہاں ڈرائیور کے ساتھ ہی مزید دو آدمیوں کے لئے نشستیں تھیں۔ وسطی حصہ پنجرہ نما تھا جس میں آہنی چادریں اور جالیاں استعمال کی گئی تھیں۔ ڈرائیور کے عقب میں شفاف شیشہ لگا ہوا تھا جس پر وسطی حصے کی جانب باریک لیکن مضبوط آہنی جالی لگائی گئی تھی تاکہ ڈرائیور اور اس کے ساتھی عقبی آئینہ میں قیدیوں کو دیکھتے رہیں اور قیدی شیشہ نہ توڑ سکیں۔ وسطی حصہ کا مہیب جنگلے دار آہنی دروازہ تیسرے حصہ میں کھلتا تھا جہاں پچھلی پرچہ مسلح محافظ براجمان تھے۔ ہم دونوں کو چونکہ ایسی ہتھکڑیاں لگائی گئی تھیں جن کا ایک سرا میرے ہاتھوں پر مقفل تھا اور دوسرا جوزف کے ہاتھوں پر بندھا ہوا تھا لہٰذا ہمیں وسطی حصے میں ہانکنے کے بعد نیپالی کسٹم فورس کے سپاہی اطمینان سے باہر بیٹھ گئے تھے۔ ان کی نگاہیں ہماری طرف لگی ہوئی تھیں اور ہر آواز ان تک پہنچ سکتی تھی لہٰذا ہم نے فی الحال خاموشی ہی میں عافیت سمجھی۔ ہاں جوزف رہ رہ کر پھاڑ کھانے والی نگاہوں سے مجھے گھور رہا تھا

سنگلاخ اور پُرپیچ پہاڑی راستوں پر وہ گاڑی مہیب آوازیں پیدا کرتی بڑھی جارہی تھی۔ سپاہیوں کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ سفر خاصا طویل ثابت ہوگا۔

"یو سن آف اے بچ" اچانک جوزف دانت پیس کر غرایا۔ "تم کالے لوگ ہوتے ہی دھوکے باز ہو۔ بتاتے کچھ ہو، اور کرتے کچھ ہو۔"

سخت غصے کے باوجود مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ "سفید سؤر کی اولاد — اپنی چونچ بند رکھو۔ یہ ڈھونگ تمہیں مصیبت سے نہیں بچا سکتا۔"

"خاموش بیٹھو — کیا بکواس شروع کر دی تم دونوں نے!" آخری حصہ سے ایک سپاہی کی تقریباً چیختی ہوئی آواز انجن کے بے پناہ شور پر چھا گئی۔

سپاہی نے اردو زبان استعمال کی تھی جو جوزف کے پلّے نہ پڑ سکی۔ اس سے قبل کہ وہ جھلا کر کچھ بکواس شروع کرتا، میں بول پڑا۔ "یہ لڑنے کا موقع نہیں ہے برخوردار۔ معلوم ہے وہ سپاہی کیا کہہ رہا ہے؟"

اس کی استفسار طلب نگاہیں میرے چہرے پر جمی رہیں۔

"وہ بتا رہا ہے کہ ہم نے شور مچایا تو وہ ہمیں ذبح کر کے لاشیں کسی کھڈ میں پھینک دیں گے۔ وہ ہمیں قید کر کے خاص طور پر نہیں لے جا رہے۔ ان کے سفر کا مقصد اور منزل کچھ اور ہی ہے ہم تو محض اتفاقاً ان کے حوالے کر دیئے گئے ورنہ سرحد ہی پر مار دیئے گئے ہوتے" میں نے کہا۔

اس کی آنکھوں میں اشتباہ آمیز تشویش لہرانے لگی اور وہ آہستہ سے بولا۔ "مگر اس نے تو کوئی مختصر سی بات کہی تھی۔"

"یہ زبان کا فرق ہے۔ نیپالی زبان میں بہت زیادہ اختصار پایا جاتا ہے۔"

"تم دھوکے باز ہو" وہ چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا "تمہارا ساتھی ڈینی کو صاف لے اڑا اور میں تمہارے چکر میں آپھنسا۔ ان حرام زادوں نے میرے تمام پیکٹ چھین لیے ہیں، میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے کیونکہ میرے پاس ایک سگریٹ تک نہیں ہے!"

"اگر تمہیں کافی دیر سگریٹ نہ ملے تو کیا ہوگا؟" میں نے یوں ہی کہا۔

"مجھے سگریٹ سے کوئی غرض نہیں۔ مجھے صرف چرس کا نشہ درکار ہے وہ ٹوٹ گیا

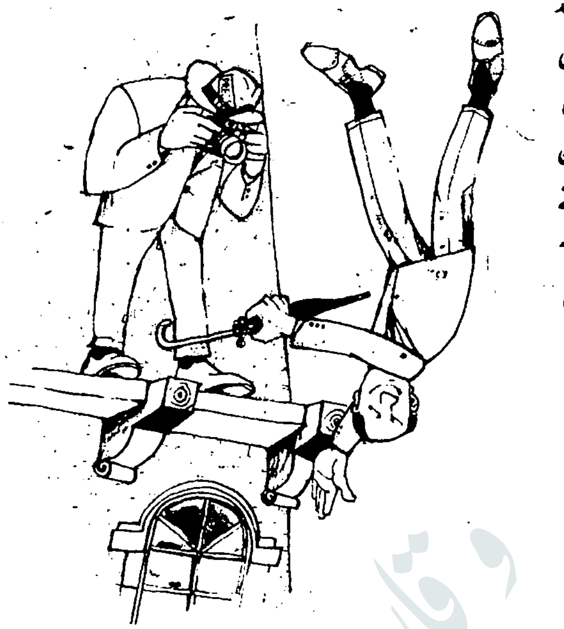

تو میں بھی ہوش و حواس کھو بیٹھوں گا۔"

"بے ہوشی میں یہ طویل سفر اچھا کٹے گا۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ یہ گاڑی نہ ہوتی تو ہم سرحد پر ہی مار دیئے گئے ہوتے — کیا یہ واقعی سچ ہے؟" اس نے الجھن آمیز لہجہ میں پوچھا۔

"بالکل سچ — نیپالی اسمگلروں اور خاص طور پر منشیات کے اسمگلروں سے ذرا بھی رعایت نہیں کرتے۔ دو تولہ چرس بھی سرحد پار لانے کی کوشش سزائے موت کا موجب بن سکتی ہے جبکہ اس گاڑی سے تو بھاری مقدار میں چرس برآمد ہوئی ہے۔"

"میں نے تو سنا ہے کہ نیپال میں چرس عام ہوتی جا رہی ہے!" وہ ابھی تک میری بات پر یقین نہیں کر سکا تھا۔

"حکومت اسی چیز سے تو پریشان ہو کر انتہائی اقدامات کا سہارا لے رہی ہے" میری یہ دلیل شاید اس کے حلق سے اتر گئی کیونکہ اس کے بعد وہ کچھ نہ بولا اور اپنا سر دونوں گھٹنوں کے درمیان دبا کر ٹخنے پر اکڑوں بیٹھ گیا۔

نیپالی سپاہی آپس میں باتیں کرتے کرتے جنگلے دار دروازے کے اس پار سے ہونقوں کی طرح ہماری طرف دیکھتے اور پھر گپ شپ میں مصروف ہو جاتے۔

شام کا دھندلکا پھیلنے سے ذرا ہی دیر قبل لاری کی رفتار تیز ہو گئی۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے وہ لوگ اندھیرا پھیلنے سے قبل کسی خاص مقام پر پہنچنا چاہتے ہوں اور ہوا بھی یونہی پرپیچ اور ڈھلوان راستوں کو عبور کرتی وہ لاری آخر کار کسی پسماندہ سی بستی میں داخل ہوگئی جہاں گنجا سا اندھیرا پہاڑوں کے درمیان گھری وادی کی فضا کو خوابناک بنا رہا تھا۔ بے شمار کچے پکے مکانات بے ترتیبی کے ساتھ اونچی نیچی ڈھلانوں پر دور تک بکھرے ہوئے

تھے۔ اِکادکا مکانوں کی چمنیوں سے اُگلتا سرمئی دھواں آسیبی ہیولوں کا روپ دھارتا کسلمندی کے ساتھ بلندی کی جانب اُٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ راستے میں دوکانوں وغیرہ پہ صحتمند لیکن مسرت زدہ مقامیوں نے باہر سے آنے والی پولیس لاری کو بڑی حیران نظروں سے دیکھا

جوزف حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس آبادی پر نظریں دوڑا رہا تھا اس کی آنکھوں میں چمک اور چہرے پر تازگی رقصاں تھی جیسے اسے عنقریب کوئی من پسند چیز ملنے والی ہو۔

"ناقابل یقین ..... ناقابل یقین!" اچانک وہ خود ہی خود بڑبڑانے لگا۔ "یورپ والے مر کر بھی یقین نہیں کر سکتے کہ ہمالا کی گود میں مشرقی لوگ اس قدر فسوں خیز اور پراسرار ماحول میں زندگی بسر کرتے ہوں گے!"

"ہم اس وقت سیاحوں والی بس میں نہیں، قیدیوں والی بند لاری میں ہیں۔" میں نے آہستہ سے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"لوگ کہتے ہیں کہ ان وادیوں میں آنے والے یہاں بھیک مانگ کر گزارا کرنا گوارا کر لیتے ہیں۔ لیکن مڑ کر مغرب کی تہذیب کی خبر نہیں لیتے۔" وہ میری بات سُنی اَن سُنی کر کے اپنی ہی دھن میں کہہ رہا تھا۔ "انہیں کیا معلوم کہ یہاں کیا طلسم خوابیدہ ہیں، روئے زمین پر اگر کوئی جنت ہے تو یہی ہے۔"

"جنت!" میں آہستہ سے ہنسا۔ "ننگوں اور بھوکوں سے بھری ہوئی جنت۔ ذرا توقف کرو، جب حوالات میں کمر پر بید برسائے جائیں گے اور کرکری روٹی چبانی پڑے گی تو اس جنت کی کچھ نئی حقیقتیں دریافت ہوں گی!"

اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ میری ہنسی کی آواز سن کر عقبی حصہ سے ایک سپاہی غصیلی آواز میں غرایا۔ "یہ گدھے کی طرح کیوں رینک رہا ہے بے، خاموش بیٹھ ورنہ بندوق کی نال حلق میں ٹھونس دوں گا۔"

تھوڑی دیر بعد ہماری سخت جان، بند لاری ایک تنگ موڑ پر گھوم کر سالخوردہ سی عمارت کے احاطہ میں جا رُکی جہاں اِکادکا وردی پوش سپاہیوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

لاری رُکتے ہی دستے کا انچارج اگلی سیٹ سے اتر کر ہمارے محافظوں کی طرف آیا اور جلدی جلدی انہیں کچھ ہدایات دے کر واپس لوٹ گیا۔

میں اترنے کے لئے تیار ہو چکا تھا لیکن کئی منٹ گزر گئے اور کسی نے دروازہ نہ کھولا تو میں بھی تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد دستے کا انچارج ایک پولیس افسر کے ہمراہ واپس آیا۔ چند ثانیوں تک وہ دونوں نیچی آواز میں مشورہ کرتے رہے پھر دروازہ کا تالا کھول کر ہمیں اس حالت میں نیچے اتار لیا گیا کہ ہم چاروں طرف سے سپاہیوں کے نرغے میں تھے۔

پھر وہ سب ہم دونوں کو نرغے میں لئے عمارت کی طرف بڑھنے لگے اور تنگ سی ایک راہداری سے گزر کر گندے سے کمرے میں جا پہنچے۔

یہاں ہم دونوں کی ہتھکڑیاں کھول دی گئیں اس دوران میں وہ دونوں نیپالی پولیس افسر نیواڑی زبان میں کچھ گفت گو کرتے رہے پھر مجھے لانے والے دستے کا انچارج درشت لہجے میں مجھ سے بولا۔ "جاؤ۔ تم دونوں کا مقدر اچھا ہے۔ اگر یہاں ضمانت کی خبر نہ ملتی تو تمہارے جوڑ جوڑ کو ہلا کر رکھ دیتا۔ وہ ڈلاج اس ایک مہینے میں تیسری بار سرحد پار کر رہی تھی۔ نہ جانے تمہارے ساتھی پہلے کتنی چرس ادھر پہنچا چکے ہیں!"

اس کے لہجہ میں شکست خوردگی کی تلخی اور جھلاہٹ رچی ہوئی تھی مگر ضمانت کی خبر سن کر مجھ پر تو شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نئی جگہ پر نہ جانے وہ کون نادیدہ محسن تھا جو مجھے عذاب کی قید سے صاف بچا گیا تھا۔

"منہ کیا دیکھ رہا ہے۔ دفع ہو یہاں سے!" مجھے ہکا بکا دیکھ کر وہ دہاڑا۔

"مجھے صرف اتنا بتا دو کہ ہماری ضمانت کس نے کرائی ہے؟" میں نے گڑگڑا کر کہا

"مذاق کرتا ہے۔" اس نے لپک کر میرے منہ پر زوردار تھپڑ رسید کیا۔ غصے سے اس کی دہشتناک آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑی تھیں اور وہ آپے سے باہر نظر آ رہا تھا۔

تھپڑ پڑتے ہی میں تیورا کر رہ گیا۔ یہ میری شامت ہی تھی کہ وہ میرے سیدھے سادے سوال کو اپنا مضحکہ سمجھ بیٹھا تھا۔

پھر اس نے مجھے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر بڑی مہارت سے زمین پر گرا دیا اور پے در پے میری پسلیوں میں گھونسے مارنے لگا۔

"کرن سنگھ۔ کرن سنگھ! یہ کیا کر رہے ہو، حوالاتیوں کی ضمانت ہو چکی ہے۔" دوسرا افسر اسے روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بوکھلائی ہوئی آواز میں بولا۔

"دیکھ لی ضمانت۔" وہ ہاتھ روکے بغیر ہانپتے ہوئے غرایا۔ "قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں، مجھے بھی ایسے ماں کے خصموں کو سیدھا کرنے کے گُر آتے ہیں!"

دوسرے افسر نے اضطراری طور پر اسے میرے اوپر سے کھینچنا چاہا مگر وہ کسی غضبناک بھیڑیئے کی طرح بپھرا ہوا تھا۔ "بازپرس ہوتی ہے تو ہوا کرے۔ کہہ دوں گا کہ ضمانت کی خبر دیر سے ملی!"

اس نے تابڑ توڑ وار کر کے چند ہی سیکنڈ میں میرے اوسان خطا کر دیئے اور میں اپنے جسم کے نازک حصوں کو اس کی وحشیانہ ضربوں سے بچانے کی ناکام کوششیں کرنے لگا۔

"مارو۔ اس نابکار کو وہ چار چوٹ کی مار مارو کہ آئندہ کسی سادہ لوح غیر ملکی کے ساتھ فریب کرنے کی ہمت نہ کر سکے۔!" جوزف شیر ہو کر انگریزی میں بڑبڑا رہا تھا۔

آخر کرن سنگھ نے مزید دو گھونسے میرے جبڑوں پر لگا دیئے اور ہانپتا ہوا الگ ہٹ گیا۔ اس آخری وار نے میرا چہرہ لہولہان کر دیا تھا اور شاید داہنی آنکھ پر بھی فوراً ہی ورم آ گیا تھا۔

"اسے گھسیٹ کر باہر پھینک دو۔" کرن سنگھ شاید اپنے ماتحتوں سے کہہ رہا تھا۔

چند سپاہیوں نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا۔ جوزف اب لاتعلقانہ انداز میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب سپاہی مجھے باہر لے جانے لگے تو کرن سنگھ نے جوزف پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی اور ہاتھ سے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اردو میں دہاڑا۔ "دفع ہو جا یہاں سے خبیث کی اولاد ورنہ ابھی تیری بھی چمڑی گرا دوں گا۔" وہ شاید انگریزی سے نابلد تھا۔

زبان کتنی ہی اجنبی کیوں نہ ہو لیکن مصیبت کے لمحات میں انسان کی چھٹی حس بہت

تیزی سے کام کرنے لگتی ہے۔ جوزف فوراً ہی سمجھ گیا کہ ان لوگوں کی ذاتے اس کے بارے میں بھی اچھی نہیں ہے اور اس نے وہاں سے روانگی میں ذرا بھی تاخیر کی تو کرن سنگھ مار مار کر اس کا چہرہ بگاڑ ڈالے گا!

وہ لپک کر میرے قریب آیا اور مجھے سہارا دیتے ہوئے دبی زبان میں بولا "مجھے افسوس ہے دوست، مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں!"

میں کراہتا اور لنگڑاتا ہوا اس کے ساتھ اس منحوس عمارت سے باہر آ گیا۔

"یہ سب کیا ہوا — آخر ہمیں رہا کیوں کر دیا گیا؟" باہر آ کر جوزف نے الجھن آمیز لہجہ میں مجھ سے دریافت کیا۔

"میری حالت دیکھ رہے ہو" میں اس پر برس پڑا۔ "اس وقت مجھے آرام کی ضرورت ہے"

"آرام!" وہ پرخیال انداز میں بڑبڑایا۔ پھر یک بیک کھل اٹھا "میرے پاس کچھ رقم موجود ہے اور میں نے گھنے جنگلوں اور بلند برفانی پہاڑوں کے درمیان گھری اس بستی میں داخل ہوتے ہی ایک ہوٹل دیکھا تھا، ہمیں وہ جگہ تلاش کرنی ہو گی"۔

مجھے اس پر بے حد غصہ آیا اگر اس کا چہرہ لہولہان اور ایک آنکھ ورم آلود ہوتی تو میں اس سے اس بستی کے حسن کے بارے میں ضرور گفتگو کرتا لیکن اس وقت صورت برعکس تھی۔

تھوڑی سی تلاش کے بعد ہم ایک پہاڑی ڈھلان پر بنے ہوئے تیسرے درجے کے ایک ہوٹل تک پہنچنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

ہوٹل پر موجود لوگوں نے میرے تازہ زخموں کو بڑی حیرت سے دیکھا۔ ہمارے پیچھے پیچھے وہاں آنے والا ایک شخص تو سیدھا ہمارے پاس ہی آ پہنچا اور ہم دونوں کے بولنے سے قبل ہی اونچی آواز میں ہوٹل والے سے بولا۔

"فوراً دو چائے لے آ — تیز اور گرم"

میں نے ادھ کھلی جلتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ صورت سے کوئی بھلا آدمی نہیں لگتا تھا، چہرے پر گہرے زخموں کے کئی پرانے نشانات اس کی مصروفیات کا اظہار کر رہے تھے۔

جوزف نے چائے آنے سے قبل ہی جگ میں پانی لا کر میرے زخم صاف کر ڈالے وہ اجنبی لاتعلقانہ انداز میں یہ سب دیکھتا رہا۔

چائے کے چند گرم گرم گھونٹ لینے کے بعد میں نے زبان کھولی "تم کون ہو؟"

"دوست!" وہ رازدارانہ لہجے بولا "سفید ہاتھی کی کھال لینے والا"

یہ سنتے ہی میں تقریباً اچھل پڑا اور مجھے موتی ہاری کا وہ فربہ شخص یاد آ گیا جس نے جعلی کاغذات پر پوشیدہ چرس کے ساتھ ہمارے سفر کا بندوبست کیا تھا۔

"تو تم ہی وہ شخص ہو، جس تک ہمیں وہ ڈاج اسٹیشن ویگن پہنچانی تھی"۔ میں نے ایک گہرا سانس لے کر نیچی آواز میں کہا۔

"وہ نہیں — اس کا ہرکارہ!" وہ جلدی سے بولا "فی الحال یہ رکھ لو سمراکی یہ بستی اتنی مہنگی نہیں ہے" فقرہ مکمل ہونے تک اس کی مٹھی سے سو سو کے چند مڑے تڑے نوٹ میرے ہاتھ میں منتقل ہو چکے تھے۔

اس کے بعد وہ ایک ثانیہ کے لئے بھی وہاں نہیں رکا۔ اس کے جاتے ہی ہوٹل والا اور اس کے دو تین متجسس گاہک ہماری طرف آ گئے۔

"اپنے اس گورے ساتھی کی وجہ سے میری یہ درگت بنی" ان کے استفسار پر میں نے ان سے کہا "یہ مشرقی عورتوں سے بات کرنے کے ڈھنگ سے ناواقف ہے۔ ایک خوبصورت مقامی لڑکی کو دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگا۔ اس حرکت پر لڑکی کا باپ آپے سے باہر ہو کر اس پر جھپٹا۔ میں نے بیچ بچاؤ کرانا چاہا تو اس نے گورے کو چھوڑ کر دل کی ساری بھڑاس مجھ پر ہی نکال لی"

کچھ دیر وہاں بیٹھ کر میں نے حواس درست کئے۔ ہوٹل میں موجود لوگ میرے ساتھ ہمدردی کے ساتھ پیش آ رہے تھے مگر مجھے ان کا بولنا تک ناگوار لگ رہا تھا۔ اس وقت میری حالت ایسی ابتر تھی کہ مجھے تنہائی میں ہی سکون مل سکتا تھا۔

"رات کہاں بسر کرنی ہے؟" کچھ دیر بعد جوزف نے پوچھا۔

میں نے اسی ہوٹل کے مالک کو اشارے سے اپنی طرف بلایا وہ بیچارہ اس وقت میری ہی طرف متوجہ تھا۔ فوراً ہی لپک کر آگے بڑھ آیا۔

"ہم دونوں سیاح ہیں۔ بھارت سے آ رہے ہیں اور کھٹمنڈو کا ارادہ ہے" میں نے تھکی ہوئی آواز میں اس سے کہا "اس شہر میں شب بسری کیلئے کوئی سستا ٹھکانہ بھی مل سکے گا؟"

"اسی ڈھلان پر پگڈنڈی سے اترتے جاؤ تو کچھ دور پر سرائی محلہ ملے گا۔ وہاں ایک سرائے ہے، شاید کوئی جگہ مل ہی جائے"۔ یہ کہتے کہتے اسے کچھ اور بھی یاد آ گیا — "ہاں سرائے کے برابر ہی میں ایک جراح رہتا ہے وہ تمہارے زخموں کی مرہم پٹی بھی کر دے گا"

اس ہوٹل کا بل ادا کر کے ہم شام کے گہرے ہوتے ہوئے دھندلکے میں پہاڑی پگڈنڈی اترنے لگے جس پر کافی نیچے روشنی کے بہت سے دھبے نظر آ رہے تھے۔

میرا ذہن اس وقت اس پراسرار شخص میں الجھا ہوا تھا جو ذرا ہی دیر قبل سفید ہاتھی کی کھال کے حوالہ کے ساتھ مجھ سے ملا تھا۔ گو ہم لوگ بیرگنج سے کافی دور نکل آئے تھے پھر بھی وہ ہم تک آ پہنچا تھا۔ شاید اسے علم ہو گیا تھا کہ ڈاج اسٹیشن ویگن چرس سمیت پکڑی جا چکی ہے اور اس کے مسافر حراست میں لئے جا چکے ہیں اور یوں وہ ہمارا پیچھا کرتا سمرا تک آ پہنچا۔ اس نے جس انداز میں اپنے کسی آقا کا حوالہ دیا تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ہم دونوں اسمگلروں کے کسی منظم گروہ کا شکار ہوئے ہیں جو اب بآسانی ہمارا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ پھر مجھے اپنی ضمانت کا خیال آیا۔ نہ جانے وہ کون لوگ تھے۔ چرس کے غیر قانونی کاروبار میں ملوث لوگوں سے ایسی حماقت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ موتی ہاری سے روانگی سے نیپال میں گرفتاری تک میں ان لوگوں کے بارے میں بالکل لاعلم تھا اور نہ ان کی نشاندہی کر سکتا تھا۔ پھر میری اور جوزف کی ضمانت کرا کے انہیں خود کو بے نقاب کرنے کی کیا ضرورت آ پڑی تھی جبکہ مال ضبط ہو چکا تھا اور گاڑی بھی سرکاری تحویل میں لی جا چکی تھی۔

اسی ادھیڑبن میں ہم وادی میں جا اترے۔ جوزف پر ماحول اور فضا نے

عجیب سی وارفتگی طاری کر دی تھی اور وہ سیٹی پر مختلف دُھنیں بجا رہا تھا۔ اگر میں اس وقت زخمی نہ ہوتا تو یقیناً اس کا ساتھ دیتا۔ لیکن موجودہ حالت میں اس کی ایک ایک حرکت مجھ پر گراں گزر رہی تھی۔

وہ سرائے ایسٹ انڈین ریلوے کے کسی تیسرے درجے کے مسافر خانے سے مشابہ تھی۔ کچی پتھریلی زمین کا وسیع حصہ چٹائیوں سے گھیر کر اوپر چھپر بنا دیا گیا تھا اور اندر تین قطاروں میں بان کی پرانی چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان میں بیشتر خالی نہیں تھیں مسافروں میں سفید فام اور ملی جلی نسل کے آوارہ منش ہپیوں کی خاصی تعداد تھی اور اندر چرس کا دھواں رچا ہوا تھا۔ ایک آدہ گوشے سے دیسی شراب کے بھبکے بھی اٹھ رہے تھے۔ اور یہ سارے مشاغل اعلانیہ ہو رہے تھے۔

سرائے میں خالی چارپائی کا کرایہ چار آنے فی شب اور بستر سمیت آٹھ آنے تھا مگر مجھے زخمی دیکھ کر سرائے والا اکھڑ گیا: "میں غلط دھندے نہیں کرتا اور آج تک میری چھت کے نیچے پولیس کے قدم نہیں آئے ہیں، تم پتہ نہیں کہاں فساد کر کے آئے ہو۔ اگر تمہارے پیچھے پولیس یہاں آ پہنچی ....."

میں نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی: "ہم مجرم نہیں سیاح ہیں۔ اگر میرا گورا ساتھی ایک مقامی لڑکی سے بدتمیزی نہ کرتا اور میں بیچ بچاؤ میں نہ پڑتا تو لڑکی کا باپ مجھے یوں زخمی نہ کر پاتا۔ یہ پولیس کا چکر نہیں ہے معاملہ اسی وقت رفع دفع ہو گیا تھا"

میری بات پر وہ تذبذب میں پڑ گیا: "تم زخمی ہو اور تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میری سرائے میں یہ بدمست ہی ساری رات اودھم مچاتے رہیں گے اور تم سو نہ سکو گے۔ رات باہر ہی کہیں بسر کر لو تو بہتر ہے .....!"

"اس ہمدردی کا شکریہ"! میں تلخ لہجے میں بولا: "اگر تم اسی قدر بزدل اور کم ہمت ہو تو دو چارپائیاں میرے ہاتھ فروخت کر دو میں یہ رات کھلے آسمان کے نیچے بسر کر لوں گا"

وہ بزدل ضرور تھا مگر اس میں اتنا کھلا اعتراف کرنے کی ہمت نہ تھی بولا: "میں تو تمہارے فائدے کی بات ہی کہہ رہا تھا رہنا چاہتے ہو تو یہیں رہو"۔

میں نے اسے پیشگی کرایہ کاٹنے کے لئے سو روپے کا نوٹ دیا تو وہ ہکا بکا رہ گیا اپنے کسی گاہک کے پاس اتنا بڑا نوٹ دیکھنا اس کے لئے شاید غیر معمولی بات تھی۔

"ایک روپیہ کرائے کا، ابھی ہم کھانا بھی کھائیں گے اور ذرا برابر سے جراح کو بلا دو صبح حساب کر کے رقم واپس لے لوں گا"۔ میں نے کہا۔

"آؤ میں بستر دکھا دوں"۔ وہ یہ کہتا ہوا اندر بڑھا۔

میں جوزف کی طرف پلٹا تو وہ غائب تھا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو وہ ایک اور سفید فام ہپی کے بستر پر بیٹھا لگاتار چرس کے کش لگائے جا رہا تھا۔ کافی دیر بعد نشہ میسر آنے کے سبب وہ ایک ہی سانس میں پوری سگریٹ پی جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

میری نظروں کے تعاقب میں سرائے والے نے بھی اسے دیکھا اور مسکرا کر بولا: "میرے یہاں کھلی چرس کے علاوہ تیار سگریٹوں کے پیکٹ بھی ملتے ہیں اور دیسی شراب بھی"۔

میں کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ بڑھتا رہا۔

وہ بستر کیا تھے بس ایک میلی سی دری سخت اور پتلا تکیہ اور اوڑھنے کے لئے گدڑی کی بنی ہوئی ایک سوتی چادر پر بستر کی تہمت لگائی گئی تھی۔ سرائے والا تو جراح اور کھانے کا انتظام کرنے چلا گیا اور میں جوزف کے پاس جا پہنچا۔

مجھے دیکھتے ہی وہ خبیث خوش دلی کے ساتھ چہکا: "نیپال میں گھسنے کے بعد میں نے پہلی بار یہ مزا چکھا ہے۔ خالص چرس تو شاید یہاں کے سوا کہیں نصیب نہیں ہے۔ تم پیو گے؟"

اس کے میزبان نے جھلا کر ادھ جلی سگریٹ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے جھپٹ لی "یہ یتیم خانہ نہیں ہے کہ ہر لاوارث اسی بستر پر آ کر اپنا شوق پورا کرے!"

میں نے کبھی چرس نوشی نہیں کی تھی مگر اس کا جارحانہ رویہ دیکھ کر جی چاہا کہ بیک وقت اس کے کئی سگریٹ پھونک ڈالوں مگر اسی وقت جوزف اٹھ گیا اور بات ٹل گئی۔

تھوڑی ہی دیر میں سرائے والا آ پہنچا۔ کھانے کے علاوہ جراح بھی ساتھ تھا! اس نے مرہم پٹی کے ساتھ ہی کئی جوڑوں کو ہلایا جلایا اور میری آدھی تکلیف اسی وقت رفع ہو گئی۔ پتہ چلا کہ کرن سنگھ نے میرے دو تین جوڑ بھی کھسکا دیئے تھے۔

مرہم پٹی اور کھانے کے بعد میں نے جوزف کے لئے چرس اور اپنے لئے دیسی شراب طلب کی۔ آس پاس کی چارپائیوں پر پڑے مفلوک الحال ہپی ہمیں یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے جیسے قلاشوں کی بھیڑ میں شاہ خرچ رئیس زادے آ پہنچے ہوں۔

دیسی شراب اس وقت میرے لئے امرت ثابت ہوئی۔ ہر گھونٹ میں سرور تھا میرے ذہن پر چھایا ہوا تکلیف کا ہر احساس اس سرور میں ڈوبتا چلا گیا اور مجھے وہ گندی سرائے جنت نظر آنے لگی۔ سرائے والا سو کا نوٹ دیکھ کر حریص ہو گیا تھا۔ اور میری چارپائی پر بیٹھا میری خریدی ہوئی شراب پی رہا تھا۔

"بس ایک لڑکی اور تاش — تیری جنت میں ان دو چیزوں کی کمی ہے!" میں نے ترنگ میں آ کر سرائے والے کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تاش!" اس کی باچھیں کھل گئیں: "ابھی لایا — دیسی ایک روپے اور ولایتی تین روپے کی گڈی ہے"۔

"شراب دیسی اور تاش ولایتی اچھے ہوتے ہیں"۔ میں نے اپنا جام خالی کرتے ہوئے کہا۔

جوزف اپنا نشہ مل جانے کے بعد وسیع سرائے میں کسی طرف نکل گیا تھا سرائے والا تاش لینے چلا گیا اور میں لالٹین کی یرقان زدہ روشنی میں گنگنانے لگا۔

تاش آئے، میں نے گڈی کھولی، لاشعوری طور پر سارے پتے دری پر پھیلائے اور حکم کی بیگم اٹھا کر گڈی میں سب سے اوپر لگانے ہی والا تھا کہ اچانک میرا ہاتھ کانپ گیا ذہن پر انجانا خوف چھا گیا اور آنکھیں مجرمانہ احساس کے ساتھ گردوپیش کا جائزہ لینے لگیں معاً مجھے ہوش آیا کہ میں اب نہ صرف کراچی بلکہ پاکستان سے باہر ہوں اور یہاں حکم کی بیگم کا راز جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ میں نے وہ پتہ سب سے اوپر رکھا اور کارڈ بانٹنے شروع کر دیئے۔

پتے پھیلتے رہے۔ آنوں کا کھیل اب روپوں میں بدل چکا تھا۔ کئی چارپائیوں سے

تماشائی اٹھ اٹھ کر ہمارے پاس آ پہنچے۔ ان کی نگاہوں میں شوق اور حسرت کا عجیب امتزاج تھا۔ وہ سب جُوئے کے شوقین نظر آتے تھے لیکن مفلسی راستہ روکتی تھی۔

سرائے والے چالیس رُوپے سے زیادہ ہارنے کی ہمت نہ کرسکا اور کھیل ختم ہوگیا۔

رات دھیمے دھیمے رینگ رہی تھی۔ پھوس کے چھپر کے نیچے ابھی تک چرس کی ناگوار سی بُو پھیلی ہوئی تھی کہیں کہیں ابھی بھی چرس نوشی جاری تھی۔ لالٹینوں کی مدھم روشنی میں ابھرتی کھانسی کی آوازیں، بے ربط خراٹے، چارپائیوں کی چرچراہٹ میرے مخمور ذہن پہ آوارگی طاری کر رہی تھی۔ اور سوچتے سوچتے میری آنکھ لگ گئی۔

نہ جانے وہ کیا احساس تھا جس نے مجھے بیدار کر دیا اور نیم غنودگی کے اسی عالم میں مجھے محسوس ہوا کہ میرے بستر پہ کوئی اور بھی موجود ہے۔ کوئی نرم و نازک سا دہکتا ہوا وجود جو میرے سینے سے لپٹا ہوا تھا اس سے پہلے کہ میں کچھ بولتا کسی نے اپنا ہاتھ میرے منہ پر رکھ دیا

”شور نہ کرنا“ میرے کانوں میں رس گھولتی نسوانی سرگوشی ابھری“۔ اِس سرائے میں کوئی بھی دو فریق باہمی رضامندی سے جو چاہیں کرسکتے ہیں“۔

میں نے غیر ارادی طور پر اسے اپنی باہوں میں بھینچ لیا“ تم کون ہو۔ ؟“

”میں ایک مفلس سیاح ہوں“ وہی سرگوشیانہ آواز ابھری“ میں نے تمہیں سرائے والے سے کسی لڑکی کی خواہش ظاہر کرتے سُنا تھا“

وہ خاصی ہوشیار لڑکی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر اس کا جائزہ لیا۔ بکھرے ہوئے اخروٹی رنگت کے بال، چمکیلی سحر انگیز آنکھیں، کشش انگیز چہرہ اور چادر کے نیچے چُھپا ہوا گداز بدن میرے لئے دعوت انگیز تھا اور وہ تو سپردگی کے آخری مراحل میں تھی۔

”میں کوئی سرمایہ دار نہیں ہوں“۔ میں نے بوسہ لینے سے قبل کہا۔

”تم نے سرائے والے سے جوئے میں کافی رقم جیتی ہے۔ مجھے دس پانچ بھی مل جائیں تو کافی ہیں!“

یہ سودا بہت سستا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر سرائے کا جائزہ لیا۔ ہر طرف گہرا سکوت طاری تھا۔ کھانسنے اور پہلو بدلنے کی آوازیں تک مفقود ہو چکی تھیں۔

”وہ سب نشہ میں دُھت بے ہوش پڑے ہیں ان کی فکر نہ کرو“۔ وہ جلدی سے بولی۔

ایک ثانیہ کے لئے میں جِھجکا۔ انسانی اور حیوانی جبلتوں میں پیکار ہوئی اور میں اس کا ہاتھ تھامے دبے پاؤں بستر سے اُتر گیا“ باہر کی فضا زیادہ حسین ہے!“

رات کے گھور اندھیرے میں نہائی وہ حسین —— وادی اس وقت خواب لگ رہی تھی۔ ہر طرف لامتناہی سکوت پھیلا ہوا تھا۔ بکراں اندھیرے میں کہیں کہیں نحیف سی روشنیاں لرزاں تھیں۔ ڈھلانوں پر اوپر کی طرف اٹھتے ہوئے بے ترتیب کچے مکان کسی خاموش شہر کا سماں باندھ رہے تھے۔ چند ثانیوں تک میں طلسم خیز فضا کے فسوں میں ڈوبا رہا پھر وہ میرے سینے سے آلگی۔ رات کے قدم سُست پڑ گئے، تنفس تیز سے تیز تر ہونے لگے پھر اس وادی کی ظلمتوں میں نفسانی خواہشات کا مہیب دیوتا نسائیت کے دامن پر حملہ آور ہوا اور اسے تار تار کر دیا۔ یہ نیا داغ نہ تھا، پُرانے داغوں میں بس ایک اضافہ تھا۔

صبح میں اپنی چارپائی پر بیٹھا جوزف کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا کہ ایک قوی ہیکل ہپی نوجوان میرے پاس آیا اور بغیر کسی تمہید کے اکھڑ لہجہ میں بولا“ رات تم نے اسے کتنی رقم دی تھی؟“

”رقم .... کس کو؟“ میں نے سٹپٹا کر پوچھا۔

”ریناٹے کو؟“ وہ تیز لہجہ میں بولا۔

میں سمجھ گیا کہ وہ کس کی بات کر رہا ہے اپنی صفائی کی نیت سے بولا“ میں نے اسے نہیں ورغلایا تھا، وہ خود میرے پاس آئی تھی!“

” مجھے اِس سے غرض نہیں کہ وہ خود آئی یا تم نے زبردستی کی“۔ وہ بے زاری کے ساتھ بولا“ بس یہ بتاؤ کہ تم نے اسے کتنے پیسے دیئے تھے!“

اسی وقت رات والی لڑکی اس قوی ہیکل ہپی کے عقب میں آ موجود ہوئی اور احتجاج آمیز لہجے میں بولی“ تم یقین کیوں نہیں کرتے کہ رات میں نے صرف تین رُوپے کمائے تھے“

وہ غرا کر اس کی طرف پلٹا“ تم آ ہی پہنچیں!“

اب میں سارا معاملہ سمجھ چکا تھا۔ لڑکی نے اپنے ساتھی کو دس کے تین بتائے تھے اور وہ مجھ سے اصل رقم دریافت کرنے آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا“ میں نے تو تین روپے ہی دیئے تھے، تم چاہو تو مزید دو رُوپے دے سکتا ہوں۔ یہ لڑکی اس کی مستحق ہے“۔

”لاؤ —!“ لڑکی کے بجائے اس شخص نے ہاتھ پھیلا دیا۔

اپنے جھوٹ کی پردہ داری پر اس ہپی لڑکی کی آنکھوں میں ممنونیت جھلک رہی تھی میں نے بلاتوقف دو رُوپے اس کے ساتھی کے حوالے کر دیئے۔

ناشتے وغیرہ سے نمٹ کر میں نے سرائے والے سے حساب صاف کیا اور جوزف کے ہمراہ باہر نکل پڑا۔

”پچھلی رات تم نے اس لڑکی کے ساتھ گزاری تھی؟“ باہر آکر جوزف نے پوچھا۔

”ہاں — وہ خود ہی آئی تھی!“

”تمہارے پاس جو رقم ہے اس میں سے آدھی میری ہے۔ بہتر ہوگا کہ تم یہ حساب صاف کردو“

”تمہیں رقم سے کوئی مطلب نہ ہونا چاہیئے“ میں نے رُوکھے لہجے میں کہا۔

”ڈینی سالومن اور شیکھر کے فرار کے بعد ہمارا معاہدہ ہوا تھا کہ نیپال تک میں تمہارے اخراجات پورے کروں گا اور آج ہمیں یہاں آئے دوسرا دن ہے لہٰذا اب تم اپنی راہ لو“

وہ رُک گیا اور ہونٹ بھینچ کر مجھے گھورنے لگا“ اس ننگے بھوکے شہر میں مجھے بھیک بھی نہ مل سکے گی!“

”کسی لڑکی سے یارانہ گانٹھو“ میں نے لاپروائی سے کہا اور آگے چل دیا۔

وہ کچھ کہے بغیر میرے ساتھ ہو لیا۔ میں نے کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ کسی گہری سوچ میں کھویا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔

”تم مجھے پچاس رُوپے دیدو، اس کے بعد میرا تمہارا تعلق ختم“ کچھ دیر بعد جوزف نے کہا۔

میں نے اِس تجویز پر غور کیا۔ اس مستقل جنجال سے نجات پانے کا یہ راستہ آسان

تھا۔ میں نے گن کر پچاس روپے اس کے حوالے کئے اور ہم دونوں مسکراہٹوں کے تبادلے کے بعد اپنی اپنی راہ پر ہو لئے۔

کرن سنگھ کے تشدد کے نشانات خاصے گہرے تھے۔ میرے لئے فوری طور پر آگے کا سفر جاری رکھنا خاصا مشکل تھا اس لئے میں سرائے ہی میں رکا رہا۔ وہ شہر سادہ اور فطری طرزِ زندگی کے باوجود بہت حسین تھا۔ یہاں کے لوگ بھی سادہ لوح تھے۔ سب اپنے حال میں مگن رہنے کے عادی تھے۔

میں تین دن تک اسی جراح کے زیرِ علاج رہا۔ قیام بھی اسی سرائے میں رہا۔ ایک آدھ بار جوزف سے سامنا ہوا، وہ اپنی ہی نسل کے چند لڑکے لڑکیوں کے ایک گروپ میں شامل ہو گیا تھا جو مالی اعتبار سے آسودہ نہ سہی خود کفیل ضرور تھا۔

چوتھے روز سرِ شام مجھے سرائے والے کی جانب سے ایک بند رقعہ ملا۔ میں نے پرچہ کھولا تو اس پر انگریزی میں لکھا ہوا تھا کہ میں اپنے سامان سمیت رات آٹھ بجے ہل پوائنٹ پر ملوں۔ عبارت کے نیچے نہ کسی کا نام تھا اور نہ دستخط۔ میں سرائے والے کے پاس پہنچا تو اس نے بتایا کہ ایک دراز قامت شخص اسے وہ پرچہ دے گیا تھا۔

میں گہری سوچ میں پڑ گیا، نہ جانے وہ کون تھا اور مجھے کیوں بلا رہا تھا۔ میں نے مشورے کے لئے جوزف کو تلاش کیا تو پتہ چلا کہ وہ دوپہر کی بس سے آگے روانہ ہو چکا ہے۔ اس کا نیا گروپ بھی شہر چھوڑ چکا تھا۔

میں تشویش اور تجسس میں مبتلا ٹھیک آٹھ بجے ہل پوائنٹ پر جا پہنچا۔ وہ جگہ بالکل ویران تھی۔ دور دور کسی آدم زاد کا پتہ نہیں تھا۔ بلند و بالا درختوں کے سائے میں گہری تاریکی کا راج تھا اور کہیں کہیں سے اکا دکا جھینگروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔

مجھے وہاں پہنچے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ درختوں کی اوٹ سے ایک سایہ میری طرف آتا نظر آیا۔ میں اس کے خد و خال تو نہ دیکھ سکا لیکن جثہ سے وہ قوی ہیکل اور دراز قامت لگ رہا تھا۔

میرے قریب آ کر وہ رک گیا۔ اندھیرے میں اس کی آنکھیں بلور کی طرح چمک رہی تھیں اور جب اس نے بولنے کے لئے منہ کھولا تو سفید سفید دانتوں کی قطار بھی نمایاں ہو گئی۔

"وقت کی پابندی بہت اچھی بات ہے"، وہ سپاٹ لہجہ میں کہہ رہا تھا۔

"تم کون ہو؟ اور یہاں بلانے کا کیا مقصد ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"سفید ہاتھی کی کھال والے کا ہرکارہ ——!" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ "تمہیں آج رات ہی کچھ مال لیکر موتی ہاری روانہ ہونا ہے!"

"موتی ہاری!" میں چونک پڑا۔ "نہیں میں اب سرحد کے اس پار نہیں جاؤں گا تم لوگوں سے میرا معاہدہ بس ان ڈاج اسٹیشن وگین تک محدود تھا۔ اب میں ایسے کسی کام میں گردن نہیں پھنسا سکتا۔"

وہ آہستہ سے بے رحمانہ انداز میں ہنسا۔ "یہ نہ بھولو صفدر کہ تم اب بھی ہم لوگوں کے ہی رحم و کرم پر آزادی کے سانس لے رہے ہو۔" اس کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"نہیں — میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔"

"ہم لوگوں نے ہی تمہاری ضمانت کرائی ہے اور تم نے ہمارے کام سے انکار کیا تو ایک ہی اشارے پر ہم تمہیں آہنی سلاخوں کے عقب میں پہنچا دیں گے۔"

"اوہ!" میں ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "نہ جانے میں کہاں آ پھنسا ہوں! مجھ سے اچھا تو جوزف ہی رہا جو خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل گیا۔"

"وہ کہیں نہیں جا سکتا، جب تک وہ نیپال میں ہے ہمارے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہے!" اس کا لہجہ پُر اعتماد تھا۔

"ایک بار گرفتاری کے بعد میرا سرحد عبور کرنا نا ممکن ہے!" میں کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"سرحد پر ہمارا مال کبھی نہیں روکا جاتا۔ کرن سنگھ نیا آیا تھا اسے اپنی اصول پرستی کی قیمت کے طور پر ملازمت سے ہاتھ دھونے پڑے ہیں ... اگر تم اب بھی اندازہ نہ کر سکو کہ تمہارا واسطہ کن لوگوں سے ہے تو مجھے تمہارے انجام پر افسوس تک نہ ہو گا۔"

"اب میں سب کچھ سمجھ رہا ہوں، میری قسمت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔ میں بھارت کی پولیس اور ایک فوجی افسر کیپٹن بھاٹیہ سے فرار ہو کر ادھر پہنچا ہوں۔ وہ لوگ اب بھی میری تلاش میں ہوں گے اور میں دوبارہ قید ہونا نہیں چاہتا۔ نیپال میں تم مجھ سے جو کام چاہو لے سکتے ہو۔"

اس بات پر وہ شخص کچھ چونکا۔ اس کے استفسار پر جب میں نے اسے اپنے نیپال آنے کا پس منظر بتایا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔

"میرے مقابلے میں جوزف اس کام کے لئے بہتر رہے گا۔" اس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر میں نے زبان کھولی۔

"میں جا رہا ہوں لیکن تم نے کہیں بھی ہمارے بارے میں زبان کھولی تو وہ تمہاری زندگی کے آخری لمحات ہوں گے، یہ ضرور یاد رکھنا۔" اتنا کہہ کر وہ واپسی کے لئے مڑ گیا۔ میں اپنی سوچوں میں کھویا سرائے کی طرف ہو لیا۔

مجھے سرائے میں آئے چار دن ہو رہے تھے۔ زخم وغیرہ مندمل ہو چلے تھے۔ لہٰذا اب میں اگلے سفر کے لئے تیار تھا۔ جن جرائم پیشہ لوگوں سے میرا واسطہ پڑ گیا تھا ان سے نجات کی بھی یہی صورت تھی کہ میں جلد از جلد پہاڑوں کے دامن میں پھیلی کسی گمنام آبادی میں روپوش ہو جاؤں اور وہیں سے اس رشی تک پہنچنے کی کوئی صورت نکالوں جو موسم بہار کی ابتدا میں پورے جسم پر آہنی زنجیریں لپیٹے ہرے رام ہرے کرشنا کے نعرے لگاتا فلک بوس پہاڑوں میں گم ہو جاتا ہے اور جب وہ کئی ماہ بعد پہاڑوں سے شہر میں اترتا ہے تو ساری زنجیریں سونے میں تبدیل ہو چکی ہوتی ہیں۔

بھاندرناس تک پہنچنے کے لئے مجھے جلد از جلد اس رشی کا سراغ نکالنا تھا۔ دوسری طرف مجھے ہر آن کیپٹن بھاٹیہ کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ وہ کسی بھی لمحہ انڈین آرمی سے فرار ہو کر میرے تعاقب میں نیپال آ سکتا تھا اور میرے لئے دشواریاں پیدا کر سکتا تھا۔

میں نے بہت رازدارانہ طریقے سے اپنی روانگی کا پروگرام تیار کیا۔ اگلے دن دوپہر کے وقت بیر گنج سے آنے والی لاری سرائے سے مسافر اٹھاتی املیکھ گنج کے راستے

کھٹمنڈو روانہ ہونے والی تھی۔

میں سارا دن لاری اڈے سے دُور دُور ہی گھومتا رہا تاکہ کوئی میری نگرانی بھی کر رہا ہو تو میرے عزائم سے آگاہ نہ ہو سکے۔ بارہ بجے کے قریب میں ویران پہاڑی راستوں پر جا نکلا۔ جہاں مقامی چرواہے پہاڑی ڈھلانوں پر اُگی خودرو گھاس پر اپنے مویشی چرا رہے تھے۔

کئی میل کا چکر کاٹنے کے بعد جب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ میری نگرانی نہیں کی جا رہی ہے تو میں تیزی کے ساتھ اڈّے کی طرف ہو لیا۔ وہاں بھانت بھانت کے لوگ بے چینی کے ساتھ لاری کے منتظر تھے۔ میں ان سب سے بچتا بچاتا ایک حمام میں داخل ہوا اور لاری کے بارے میں نائی کو ہدایات دے کر نہانے گھس گیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے تک میں غسل کرتا رہا پھر نائی نے دستک دے کر لاری پہنچنے کی اطلاع دی اور میں جلدی جلدی لباس پہن کر باہر آ گیا۔

لاری کے بیشتر مسافر مقامی ہی تھے جو زیادہ تر سمرا سے سوار ہوئے تھے۔ پوری بس میں آٹھ سفید فام ہپی لڑکے لڑکیاں موجود تھے۔ مجھے پچھلے حصّے میں ان ہپیوں کے درمیان ہی جگہ ملی اور میں خود کو چھپانے کی نیت سے اگلی نشست کی پشت گاہ پر سر ٹکا کر اونگھنے لگا تاکہ کوئی میرا چہرہ نہ دیکھ سکے۔

ڈرائیور وغیرہ کھانے سے فارغ ہوئے تو لاری کا انجن اسٹارٹ کیا۔ کنڈکٹر نے بس پر نظر ڈالی پوری جگہ بھر چکی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو اشارہ دیا اور لاری آہستہ آہستہ وہاں سے سرکنے لگی۔

کچھ دیر تک سمرا کے پُرپیچ، اُونچے نیچے راستوں پر گھومنے کے بعد لاری شہر کی حدود سے باہر نکل آئی اور سرسبز جنگلات کے درمیان پختہ سڑک پر دوڑنے لگی۔ سڑک کے قرب و جوار میں مویشی چرانے والی عورتیں بس کا شور سن کر جلدی جلدی اپنے ریوڑ سڑک سے دور ہانک رہی تھیں۔

جوں جوں گاڑی آگے بڑھتی جا رہی تھی، جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ پہاڑوں کے سینے کو تراش کر تعمیر کی ہوئی پختہ سڑک چکر کھاتی اوپر ہی اوپر اٹھتی جا رہی تھی۔ کئی جگہ تو اتنی کھڑی ڈھلانیں تھیں کہ بس کا انجن بھی تھکتا محسوس ہونے لگا لیکن ڈرائیور مہارت کے ساتھ گیئر بدل بدل کر لاری کو اوپر کی طرف رینگنے پر مجبور کرتا رہا۔ سڑک کی ایک جانب گہری کھائیوں میں اس قدر گھنے جنگل تھے کہ سبزے میں چھپی زمین ہی نظر نہ آتی تھی یہ جنگل ترائیوں سے اٹھتے سامنے والے پہاڑوں کی چوٹیوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ دوسری جانب سنگلاخ بھوری چٹانیں تھیں جن کے جوڑوں میں دراڑیں ڈال کر بے رنگ اور بدوضع خودرو پودے اُگے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر مجھے بے اختیار بھاندر ناس کا خیال آ گیا کیمیا گروں کی جان۔ وہ بُوٹی بھی اسی طرح دراڑوں میں اُگتی ہے اور چند جامنی رنگ کے پتے پھوٹنے کے بعد اس کی سخت جڑیں پہاڑوں کے سینے میں اُترتی اور پھولتی جاتی ہیں یہاں تک کہ پہاڑ کا سینہ شق ہو جاتا ہے اور وہ یک شاخہ جڑ لڑھک کر وادیوں میں جا گرتی ہے۔ ان ہی خیالوں میں کھوئے کھوئے سامنے نظر ڈالی تو ہمالا کی برفپوش چوٹیاں بادلوں کے اس پار نکلتی نظر آئیں۔ کینجن جنگا، مکالو، ایورسٹ، ہمال چولی، اناپورنا، کے جدامجد ہمالا کی برف میں نہائی چوٹیاں جہاں سال کے بارہ مہینے نقرئی رنگ جھلملاتا رہتا ہے اور جہاں سے دریاؤں کے سوتے پھوٹتے ہیں میری منزل ان ہی پہاڑوں میں تھی۔ کھٹمنڈو کے رشی کے تعاقب کے علاوہ میرے سامنے ایک اور بھی راستہ تھا۔ کھٹمنڈو سے شمال مغرب میں چھبیس ہزار فٹ بلند اناپورنا کے پہاڑی سلسلے میں بھاندر ناس کے پجاری بستے تھے وہاں سے مجھے اپنے گوہرِ مراد کا سراغ مل سکتا تھا مگر یہ راستہ کیپٹن بجاٹیہ کو بھی معلوم تھا۔

”میں مر جاؤں گی نک، میری حالت بہت ابتر ہوتی جا رہی ہے!“ ایک نقاہت زدہ نسوانی آواز نے میرے خیالات کا تسلسل توڑ دیا۔

وہ میرے برابر والی نشست پر دو نوجوانوں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں پریشانی و ویرانی کا راج تھا اور پیشانی پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے یوں اپنا سینہ بھینچا ہوا تھا جیسے اُس کا دَم گھٹ رہا ہو۔

”پچھلے اسٹاپ پر اتنا رش تھا کہ مجھے موقع نہ مل سکا اور چلتی گاڑی میں جھٹکوں کے باعث سرنج کی سُوئی گہری اُتر کر ٹوٹ بھی سکتی ہے۔ بس اگلے اسٹاپ تک صبر کرو۔ وہ یقیناً کوئی چھوٹا موٹا گاؤں ہو گا۔“ اس کا ساتھی اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

انجکشن اور لڑکی۔ معاً مجھے لی مارکیٹ پر ٹکرانے والی وہ ہپی لڑکی جیکولین اسمتھ یاد آ گئی جو شب بسری کی دعوت پر مجھ سے اُلجھ پڑی تھی پھر مارفیا کی طلب میں اس کی حالت اتنی غیر ہوئی کہ میں نے اسی کے کمرے میں اس کو پامال کر ڈالا اور وہ اُف تک نہ کر سکی۔

میری نگاہیں دور تک بکھرے ہوئے قدرت کے فیاضانہ شاہکاروں پر جمی ہوئی تھیں اور کان ان تینوں کی طرف۔ اس لڑکی کی حالت لحظہ بہ لحظہ غیر ہوتی جا رہی تھی اور اب وہ ہولے ہولے کراہ بھی رہی تھی۔ ایک دو مقامی مسافروں نے سرد مہری سے اس کی طرف دیکھا اور منہ موڑ لیا۔

کچھ دیر بعد اس لڑکی نے بھنچی بھنچی آواز میں ہلکی سی چیخ ماری اور اپنے ساتھیوں پر گر کر تشنج کے عالم میں کانپنے لگی جیسے سردی سے بخار چڑھ گیا ہو۔

اس کی چیخ ابھرتے ہی پوری بس میں سنسنی پھیل گئی۔ پل بھر کے لئے اسٹیئرنگ پر ڈرائیور کا ہاتھ بہکا اور اس نے گالیاں دیتے ہوئے فوراً ہی گاڑی سنبھال لی۔ لڑکی کا ایک ساتھی اشاروں اور بے ربط انگریزی جملوں کے سہارے مسافروں کو اطمینان دلانے لگا

”بس روکو.... بس روکو، چڑھائیوں کی وجہ سے ایک لڑکی کی حالت بگڑ رہی ہے!“ اچانک ایک معمر مقامی زور سے چلایا۔

”بس نہیں رُکے گی۔“ ڈرائیور جھلا کر بولا۔ ”یہ اس راستہ کی سب سے لمبی اور خطرناک چڑھائی ہے ایک دفعہ بس رک گئی تو اپنی طاقت سے اوپر نہ جا سکے گی۔“

”ٹھیک ہے .... ٹھیک ہے!“ ایک ہپی خود بخود انگریزی میں بڑبڑاتا اپنے میلے سے چرمی تھیلے میں کچھ ٹٹولنے لگا۔

چند ہی سیکنڈ بعد اس کے ہاتھ میں پیتھیڈرین کی شیشی اور ایک سرنج نظر آ رہی تھی۔ اس نے یہ سرنج صاف کرنے کی ضرورت سمجھی نہ سوئی کی۔ بس شیشی سے بے رنگ سیال

سرنج میں منتقل کیا اور تشنج کے عالم میں کانپتی ہوئی لڑکی کے برہنہ بازو میں سُوئی پیوست کردی۔ لڑکی نے کراہتے کراہتے ہلکی سی سسکی لی اور سرنج کا سیال اس کی شریانوں میں اترنے لگا۔

دیکھتے ہی دیکھتے اس لڑکی میں چونچالی آگئی۔ اور وہ اس طرح سیدھی ہو بیٹھی جیسے اسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ مقامی مسافر آپس میں سر جوڑ کر اس صورتحال پر سرگوشیاں کرنے لگے۔ ساتھ ہی وہ حقارت آمیز نظروں سے ان تینوں کو بھی دیکھتے جا رہے تھے۔

چار بجے کے قریب لاری ایک چھوٹے سے گاؤں پر رکی، تین مسافر اترے، کنڈکٹر نے سرکاری کارندے سے ڈاک کا سربند تھیلا لے کر کسی کاغذ پر دستخط کئے اور لاری آگے روانہ ہوگئی۔

راستہ میں کئی اور پہاڑی گاؤں آئے اور اندھیرا پھیلنے سے قبل لاری املیکہ گنج پہنچ گئی، انجن بند کردیا گیا اور مسافر اپنا اپنا سامان لے کر اترنے لگے۔ بس کا عملہ بھی ڈاک کے تھیلے چھانٹ کر الگ کرنے لگا۔

میں اپنی ہی جگہ بیٹھا رہا جب بس بالکل خالی ہوگئی تو لاری کا کلینر میری طرف آیا،

"بالو کیا رات اسی سیٹ پر گزارنی ہے؟"

"میں نے کھٹمنڈو کا ٹکٹ لیا ہے...... کیا یہ بس آگے نہیں جائے گی؟" میں نے پوچھا۔

"آگے بہت خطرناک راستہ ہے۔ رات میں ادھر مسافر لاریاں نہیں جاتیں صرف مال بردار ٹرک چلتے ہیں، رات گزارنے کے لئے اسی شہر میں ٹھکانا ڈھونڈ لو صبح چھ بجے لاری یہاں سے نکلے گی"۔ اس نے کہا۔

میں بس سے اُتر آیا۔

املیکہ گنج میں ان دِنوں بھی روشنی کا مناسب انتظام تھا۔ فضا میں سمر کے مقابلہ میں خاصی خنکی تھی۔ مگر رات کھُلے آسمان تلے گزاری جاسکتی تھی۔ سارے مسافر قریب کے مسافر خانوں میں جا گھُسے تھے۔ سارے ہپی ایک جگہ جمع تھے اور شاید ابھی فیصلہ نہیں کر پائے تھے کہ کدھر کا رُخ کریں۔ میں بھی ان ہی میں شامل ہوگیا۔

"تم مقامی ہو؟" ایک نے مجھ سے انگریزی میں پوچھا۔

"کہہ سکتے ہو۔۔!" میں نے کہا۔

"یہاں کی زبان ہمارے لئے اجنبی ہے"۔ ایک لڑکی کہنے لگی "اگر شب بسری کے لئے اس اسٹاپ کے قریب ہی تم کسی پبلک پارک تک ہماری رہنمائی کرسکو تو بڑا احسان ہوگا"

"سرائے میں کیوں نہیں چلے جاتے، چند آنوں میں چارپائی مِل جائے گی"،

"ہم بستر کے بغیر گزارہ کرسکتے ہیں، منشیات کے بغیر نہیں"۔ وہ بولی۔ "اگر ہم سارا پیسہ ان خرافات پر ضائع کردیں تو ذرا ہی دیر میں جولی کی حالت کو پہنچ جائیں گے"۔ یہ کہتے ہوئے وہ اس لڑکی کی طرف دیکھ کر مسکرائی جو بس میں ایک مسئلہ بنتے بنتے رہ گئی تھی "پھر یہ مقامی نشہ کو اچھا نہیں سمجھتے۔ سرائے کے مقابلے میں کسی کھلی جگہ ہم خود کو زیادہ آزاد محسوس کریں گے!"

"ٹھہرو۔ میں کسی جگہ سے اپنے لئے نشہ کا بندوبست کرلوں پھر کہیں چلتے ہیں"

میں یہ کہہ کر دوکانوں کی طرف بڑھا۔ نک بھی لپک کر میرے ساتھ ہولیا۔

میں نے ایک دوکان سے دیسی شراب کی بوتل خریدی، جو خلاف توقع سستی مل گئی پیسے ادا کرنے کے لئے میں نے نامعلوم محسن کی دی ہوئی رقم نکالی تو نک کی آنکھیں چمک اٹھیں

"میں اس وقت بالکل قلاش ہوں اگر تم مجھے تھوڑی سی چرس خرید دو تو بڑا احسان ہوگا"، اس نے خوشامدانہ لہجے میں التجا کی۔

شراب اور چرس خریدنے کے بعد میں نے اسی دوکاندار سے ایک پارک کا پتہ حاصل کیا اور اپنی ٹولی میں آملا۔

وہ پارک کیا بس ایک بڑا سا میدان تھا جس میں گھاس کے دو تین بڑے بڑے قطعات تھے۔ دو چار جگہ پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ ہاں اونچے درخت بکثرت پھیلے ہوئے تھے نک اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ٹہلتا ہوا ایک طرف نکل گیا اور باقی لوگ گھاس پر بیٹھ گئے۔ میں نے شراب کی بوتل کھولی اور شغل شروع کردیا۔

لڑکیاں اونچی آواز میں گانے لگیں۔ ذرا ہی دیر میں نک اپنے ساتھیوں سمیت لوٹ آیا۔ اس نے ایک سگریٹ سے تین چوتھائی کے قریب تمباکو نکالا اور چرس کی ٹکیہ ماچس کی تیلی کے سرے پر لگا کر دوسری تیلی سے گرم کرنے لگا تیلی جل جانے کے بعد اس نے نرم ٹکیہ تمباکو میں ملا کر چٹکی سے مسلنی شروع کی اور تمباکو دوبارہ سگریٹ میں بھر لیا۔ پہلا کش لیتے وقت اس کے چہرے پر ایسا لازوال اطمینان اور سکون جھلک رہا تھا جیسے اس نے ان لمحوں میں اپنی زندگی کی معراج پالی ہو۔

ان میں دو لڑکیاں مارفیا کی عادی تھیں۔ جولی تو راستہ ہی میں ہیتھیڈرین لے چکی تھی۔ دو بجے تک سب لوگ اپنا کوٹہ پورا کرچکے تھے۔ میں نے آخری گھونٹ لے کر خالی بوتل زمین پر دے ماری اور وہ سب بوجھل انداز میں ہنس پڑے۔ جیسے ہنسنا ان کے اعصاب پر گراں گزرا ہو۔

پھر سب وہیں دراز ہوگئے۔ میرے قریب ہی ایک لڑکی چت لیٹی ہوئی تھی، چند ثانیوں بعد اس نے میری طرف کروٹ لی۔ میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر مسکرادیا۔

نہ جانے کس وقت میری آنکھ لگ گئی۔ بیدار ہوا تو سورج سر پہ چمک رہا تھا۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ کچھ دور ایک آوارہ کتا دیسی شراب کی ٹوٹی ہوئی بوتل کو پھیپھڑوں کی پوری قوت سے سُونگھ رہا تھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھا تو داہنے بازو میں ٹیس سی اٹھی۔

آستین الٹی تو ایک ننھا سا سُرخ دھبہ بازو پر نمایاں تھا۔ میں نے جلدی جلدی اپنی جیبیں ٹٹولیں اور دل دھک سے رہ گیا۔ خبیث ہپیوں کی وہ جماعت میری ساری رقم لے اُڑی تھی۔ جو کم و بیش دو سو روپے تھے۔

میں سر پکڑ کر رہ گیا۔ انہوں نے موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔ شراب کے سُرور میں میری آنکھ لگی تو انہوں نے میرے بازو میں مارفیا یا ہیتھیڈرین کی خاصی مقدار داخل کی اور ساری رقم لے اڑے۔ یہ اسی انجکشن کا اثر تھا کہ میں اتنا دن چڑھنے تک بے خبر سوتا رہا۔

میں ایک مرتبہ پھر قلاش ہو چکا تھا۔ وہ ہپّی بس کا ٹکٹ میری جیب میں ہی چھوڑ گئے تھے لیکن اب وہ بیکار تھا۔ میں کچھ دیر تک ہیں بیٹھا اس چوٹ پر تاؤ کھاتا رہا۔ ہپّی جوڑوں کے بارے میں یہاں ہر آن میری معلومات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ لڑکیاں شرم و حیا اور آبرو کے تصور سے عاری، مرد اَنا سے محروم، منشیات، چوری، جوئے اور ڈکیتی کے عادی۔ مختصر الفاظ میں وہ باعزت معاشرے کی تمام اقدار سے باغی تھے۔

لیکن یہ وقت میرے لئے ہپّی ازم کے فلسفہ پر غور کرنے کا نہیں تھا میں پارک سے نکلا اور لاری اڈّے کی طرف چل دیا۔ وہاں پہنچا تو لوگوں میں ہیجان پایا۔ وہ کسی حادثے کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ میں اس گفتگو میں دلچسپی لئے بغیر اڈّے کے منشی کے پاس پہنچا جو ایک بوسیدہ میز کرسی لگائے لاریوں کی آمد و روانگی کے اوقات نوٹ کرتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ کچھ لوگوں میں گھرا ہوا تھا۔

میں گفتگو ختم ہونے کے انتظار میں اس کے قریب جا کھڑا ہوا اور اسی وقت مجھے پتہ چلا کہ صبح وہاں سے روانہ ہونے والی بس راستہ میں کسی حادثہ کا شکار ہو گئی ہے۔ یہ سن کر میرے کان کھڑے ہوئے۔ شاید میرے ستارے ہی اچھے تھے۔ جو میں پارک میں بے ہوش پڑا رہا۔ ورنہ ان خوفناک راستوں پر کسی حادثے کا مطلب صرف ہلاکت ہی ہو سکتا ہے۔

ان لوگوں کی گفتگو سے پتہ چلا کہ صبح روانہ ہونے والی بس کو آٹھ بجے اگلے گاؤں پہنچ کر گیہوں کی چند بوریاں اتارنی تھیں۔ جب دس بجے تک لاری وہاں نہ پہنچی تو ایک سرکاری جیپ املیکہ گنج روانہ ہوئی۔ راستے میں کہیں بھی بس کا سراغ نہیں ملا۔ اور وہ جیپ یہاں آ پہنچی اس کا یہی مطلب تھا کہ لاری کسی گہرے کھڈ میں گر چکی ہے۔ اور حادثے میں کوئی بھی مسافر اس قابل نہیں رہا کہ واپس آ کر حادثے کی اطلاع دے سکے۔ یہ خبر پاتے ہی میرے آنے سے ذرا دیر قبل مقامیوں کی کئی پیدل جماعتیں بدنصیب بس کی تلاش میں نکل پڑی تھیں۔

اس اطلاع کے بعد میری بازپرس بے سود تھی۔ لاریوں کے اڈّے سے اس وقت بھی لوگوں کی ٹولیاں جا رہی تھیں۔ میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔

سڑک کے بجائے پہاڑی پگڈنڈیوں کو عبور کرتے ہوئے وہ لوگ تیزی سے راستہ طے کر رہے تھے کہ چند میل کی مسافت کے بعد سامنے سے چند آدمی دوڑتے نظر آئے — انہوں نے ہانپتے ہوئے اطلاع دی کہ ٹھاکر نگر نامی ایک ویران گاؤں کے قریب وہ بس کھڈ میں پڑی ہوئی ہے۔ دور دور تک مسافروں کی مسخ شدہ لاشیں اور مال و اسباب بکھرا ہوا ہے کچھ لوگ زخمیوں کی تلاش میں ہیں۔ اور انہیں شہر سے مدد لانے کے لئے دوڑایا گیا ہے۔

یہ خبر ملتے ہی جانے والے خطرناک پہاڑی راستوں پر بندروں کی سی پھرتی سے دوڑتے نیچے اترنے لگے۔ درختوں اور جھاڑیوں کے گھنے جنگلوں کو عبور کرتے وہ لوگ ایک گھنٹے سے پہلے اس خون آشام وادی میں جا پہنچے۔ لاری کا پچکا ہوا سوختہ ڈھانچہ جنگل میں پڑا ہوا تھا۔ ٹنکی میں آگ لگنے کے سبب آس پاس کے سرسبز درخت بھی جھلس گئے تھے۔ درختوں کی شاخوں پر اور زمین پر دور دور تک انسانی اعضاء وغیرہ بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے سر اٹھایا تو اس وادی سے کم از کم دو ڈھائی ہزار فٹ کی بلندی پر ایک دو گاڑیاں کھلونوں کی طرح رینگتی نظر آئیں اور میں لرز کر رہ گیا۔ اتنی بلندی سے لاری گرنے کے بعد کسی کا زندہ بچ جانا یقیناً معجزہ ہی قرار پاتا۔

زخمیوں کی تلاش میں لوگ چاروں طرف پھیلتے گئے۔ پہلے سے موجود لوگ بس کا ڈھانچہ الٹ پلٹ کر دیکھ چکے تھے کہ اس میں پھنسنے والا کوئی بھی مسافر زندہ نہیں بچا تھا۔

میں بھی جنگل میں اِدھر اُدھر بھٹکنے لگا۔ اچانک میری نظر ایک درخت کی شاخوں پر جھولتے ہوئے خون آلود انسانی جسم پر پڑی۔ میں قریب پہنچا تو وہ سفید فام ہپّی نک تھامپسن تھا۔ میں پھرتی کے ساتھ درخت پر چڑھ گیا۔ اس کی نبضیں ٹٹولیں تو وہاں مدھم سی جنبش محسوس ہوئی اس کا بدن ابھی تک گرم تھا مگر سر خون میں نہایا ہوا تھا۔

میں نے چلا کر لوگوں کو اِدھر بلانے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ اچانک مجھے اپنی گمشدہ رقم یاد آئی۔ میں نے پھرتی کے ساتھ اس کی جیبیں ٹٹولیں اور پتلون کی عقبی جیب سے مڑا تڑا چرمی پرس نکال لیا۔ یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ چند تصویروں کے ساتھ میری تمام رقم جوں کی توں اس پرس میں موجود تھی۔ پل بھر کے لئے اس مہلک حادثہ کی یاد بھی میرے ذہن سے محو ہو گئی۔

پھر میں نے وہ پرس اپنی جیب میں ڈالا اور مدد کے لئے چیخنے لگا۔ ذرا سی دیر میں وہاں بھیڑ لگ گئی اور لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ نک کو درخت سے اتار کر زمین پر ڈال دیا اس وقت تک قرب و جوار سے دو زخمی اور مل چکے تھے۔ مگر وہ بھی بے ہوش ہی تھے۔ ان تینوں کی ابتر حالت کے پیش نظر فوری طبی امداد نہایت ضروری تھی لیکن کھڑی ڈھلانیں عبور کر کے زخمیوں کو سڑک تک پھر وہاں سے کسی سواری کے ذریعہ شہر لے جانا انسانی بس سے باہر تھا لے دے کے واحد راستہ یہی تھا کہ مختصر ترین کچی پگڈنڈیوں سے انہیں شہر لے جایا جاتے درختوں کی شاخوں اور مسافروں کے بکھرے ہوئے بستروں کی چادروں وغیرہ سے ہنگامی طور پر اسٹریچر تیار کئے گئے اور زخمیوں کو ان پر ڈال کر شہر روانہ کر دیا گیا۔

ان تینوں کے روانہ ہونے کے کچھ وقفہ بعد ہی فضا میں ایک امدادی ہیلی کاپٹر کا شور سنائی دیا۔ اور لوگ ہاتھ لہرا لہرا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ ہیلی کاپٹر نے وادی کا ایک چکر لگایا پھر تیزی سے نیچے آ کر درختوں سے دس پندرہ فٹ کی بلندی پر فضا میں معلق ہو گیا۔ شاید اس کے پائلٹ کو وادی میں پھیلے گھنے جنگل میں لینڈ کرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ نظر نہیں آئی تھی۔

وادی میں گونجتا ہیلی کاپٹر کا شور کانوں کے پردے پھاڑے دے رہا تھا۔ ڈھلانوں سے اوپر سڑک کے کنارے کئی گاڑیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ شاید ہیلی کاپٹر کے ساتھ پورا امدادی کارواں بدنصیب بس کی تلاش میں نکلا تھا اور ہیلی کاپٹر کو وادی میں نیچے جاتا دیکھ کر سڑک کے کنارے رک گیا تھا۔

ہیلی کاپٹر سے نائیلون کی مضبوط رسّی کا پھندا لٹکایا گیا جس میں امدادی عملہ کا ایک شخص جھول رہا تھا۔ اس نے زمین پر کودتے ہی زخمیوں کی حالت دیکھی پھر باری باری مزید چار زخمی ہیلی کاپٹر کے ذریعہ سڑک پر کھڑی امدادی گاڑیوں تک پہنچائے گئے، کیونکہ ہیلی کاپٹر بہت چھوٹا تھا اور جگہ کی تنگی کے سبب بیک وقت چار زخمیوں کو وہاں سے لے جانا محال تھا۔ تین زخمی گاڑیوں سے گئے۔ چوتھے کو لے کر ہیلی کاپٹر نیچی پرواز کرتا اس طرف بڑھ گیا جدھر لوگ عارضی اسٹریچروں پر زخمی لے جا رہے تھے۔

بس کے تیس مسافروں اور عملہ کے تین آدمیوں میں سے صرف سات افراد

بچ سکے۔ جائے حادثے پر چھپیس لاشیں اور ان کے اعضا گننے کے بعد جب یہ یقین ہو گیا کہ اب کوئی زخمی وہاں نہیں رہا تو لوگ سامان کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے یکجا کرنے لگے۔

لاری کا یہ حادثہ واقعی بہت ہی جانکاہ تھا۔ املیکھ گنج میں قیامت کا سا سماں تھا۔ عورتیں اور مرد روتے پیٹتے جائے حادثہ کی طرف چلے جا رہے تھے۔ املیکھ گنج کی آبادی اتنی قلیل اور گنجان تھی کہ ہر فرد کسی نہ کسی طرح دوسرے کا رشتہ دار تھا۔

مجھے اس مہلک حادثہ کا افسوس ضرور تھا مگر اپنی رقم دستیاب ہونے کی بے پایاں خوشی اس افسوس پر حاوی تھی۔ رقم مل جانے کے بعد میں جلد از جلد اس شہر کی سوگوار فضا سے دور نکل جانا چاہتا تھا۔

اسی سوچ بچار میں میرے ذہن میں ایک نئے خیال نے جنم لیا۔ میں اپنی دانست میں سرا سے خفیہ طریقے سے فرار ہوا تھا مگر منشیات کی اسمگلنگ کا کام کرنے والے وسیع ذرائع کے مالک معلوم ہوتے تھے۔ ان کے لیے میرا سراغ پا لینا مشکل نہیں تھا۔ میں سرا سے نکلا تو داڑھی مونچھیں صاف تھیں۔ اس گروہ کے ارکان بھی مجھے اس صورت میں پہچان سکتے تھے۔ جب ان کو بس کے حادثہ کی خبر ملتی اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ میں اسی بس سے بھاگا ہوں تو وہ فرض کر لیتے کہ میں بھی مرنے والوں میں شامل رہا ہوں گا۔ ان کے اس مفروضہ کے بعد میں کچھ دن روپوش رہتے ہوئے دوبارہ داڑھی مونچھیں رکھ کر اپنی وضع قطع بدل لیتا تو میں کسی خطرہ کے بغیر آزادانہ گھوم پھر سکتا تھا۔

خاصی سوچ بچار کے بعد مجھے یہ صورت قابلِ عمل نظر آئی اور میں نے املیکھ گنج ہی میں روپوش ہو جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اس کے بعد میں نے اپنا حلیہ آوارہ گرد بھکاریوں جیسا بنا لیا تاکہ مجھے گھومتا دیکھ کر کوئی شبہات کا شکار نہ ہو جائے۔ سارا دن میں غیر معروف راستوں اور گلیوں میں بھٹکتا رہتا اور رات میں ویسی شہر سے کراسی پارک میں پڑ جاتا جہاں پہلی رات ہپیوں نے مجھے بے ہوش کر کے لوٹا تھا۔

تیرھویں دن میرے چہرے پر اتنے بال اُگ آئے تھے کہ بادی النظر میں میرا پہچان لیا جانا محال تھا۔ میں نے ایک جگہ داڑھی مونچھیں ستھرے انداز میں ترشوائیں۔ وہیں سے معلوم ہوا کہ دوپہر میں کٹھمنڈو جانے والی بس ادھر سے گزرے گی۔

املیکھ گنج سے کٹھمنڈو کا فاصلہ زیادہ تو نہیں تھا مگر خطرناک پہاڑی راستوں کی وجہ سے سست رفتاری تاخیر کا سبب بنی۔ تازہ حادثہ کی وجہ سے ڈرائیور زیادہ ہی محتاط تھا، پھر بھی وہ بس ڈاک لیتی، سامان اتارتی چڑھاتی شام ڈھلے کٹھمنڈو میں داخل ہو گئی۔ اونچی سڑک پر سے پگوڈا کی وضع کے کئی کئی منزلہ مکانات پر مشتمل قدیم شہر نظر آ رہا تھا جو اونچی نیچی پہاڑی ڈھلانوں پر بے ترتیبی سے پھیلا ہوا تھا۔

بس کے آخری اسٹاپ پر میں اُتر گیا۔ کٹھمنڈو میری توقعات سے کہیں مختلف شہر تھا۔ یہاں جدید وضع کے مغربی ملبوسات میں مقامی مرد اور عورتوں کے ساتھ ہی آوارہ گرد ہپی نوجوانوں کے غول کے غول نظر آ رہے تھے۔ دوسری طرف روایات اور قدامت پرستوں کے بھی انبوہ موجود تھے۔ بازاروں میں مقامی اور غیر ملکی اشیاء ہر طرف بکھری پڑی تھیں۔ برطانوی کپڑا، فرانس کی خوشبویات، امریکی سگریٹیں، لکھنوی کرتے، افغانی طرے سب ہی کچھ تھا۔

میں کھوئے کھوئے انداز میں ایک طرف چلتا رہا۔ بازار کی رونق آہستہ آہستہ ماند پڑتی جا رہی تھی، پھر میں بازار سے آبادی میں آ پہنچا۔ تنگ و تاریک گلیوں میں دور دویہ مکانات ناکافی سرکاری روشنی میں قرونِ اولیٰ کے پراسرار معبدوں کا سماں باندھ رہے تھے۔

اچانک میری نظر دیوار پر چسپاں ایک بڑے سے اشتہار پر پڑی۔ جو کٹھمنڈو میں جشنِ بہار کے بارے میں تھا۔ اشتہار کے مطابق یہ میلہ تین دن سے جاری تھا اور رات گئے تک وہاں داخلے کی اجازت تھی۔ میں پورا اشتہار پڑھ کر واپس بازار کی طرف ہو لیا۔

اونچے نیچے راستوں سے گزر کر آخر کار میں میلہ کی جگہ جا ہی پہنچا۔ روشنیوں سے وہاں کی فضا بقعۂ نور بنی ہوئی تھی، اونچی آواز میں ہندوستانی گانوں اور مغربی موسیقی کے اتنے ریکارڈ بیک وقت بج رہے تھے کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ سجے ہوئے گیٹ سے بے شمار مقامی اور غیر ملکی میلہ میں آ جا رہے تھے۔

اندر عجیب سماں تھا، خورد و نوش، کھیل کود اور خرید و فروخت کے اسٹال ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ جہاں مشرقی روایات اور مغربی تہذیب کا سنگم موجود تھا۔ ایک طرف بہت سے ہپی LOVE IS GOD (محبت خدا ہے) گاتے بری طرح ناچ رہے تھے اور ان کے گرد تماشائیوں کا ہجوم اکٹھا تھا۔

ذرا اور آگے بڑھا تو ریکارڈنگ کے شور پر حاوی آہنی چمٹے کی جھنکار سنائی دی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔

اس آواز کا تعاقب کرتا میں بازار کے عقب میں دیوار کے قریب جا پہنچا۔ روشنیوں کے ہجوم میں وہ گلیارہ تاریک پڑا ہوا تھا۔ میلہ کا ملا جلا شور یہاں بھی پوری شدت سے گونج رہا تھا۔ مگر یہاں ایک سحر انگیز شخصیت موجود تھی۔ زرد رنگ کی دھوتی میں ملبوس ایک دبلا پتلا شخص آہنی کڑے اور چمٹا بجا بجا کر آفاقی ترنم کے ساتھ ہندی میں کوئی گیت گا رہا تھا اور اس کے گرد بے شمار ہپی عقیدت کے انداز میں براجمان تھے۔

فضا سے پڑنے والے روشنی کے انعکاس میں اس یوگی کے ہاتھوں کی انگلیوں میں متعدد انگوٹھیاں چمک رہی تھیں۔ بدن سے آہنی زنجیروں کی ایک زرہ سی جھول رہی تھی لمبی لمبی جٹائیں شانوں پر لہرا رہی تھیں، اس کی بڑی بڑی چمکیلی آنکھوں میں عجیب سی چمک کوندر رہی تھی۔ کبھی وہ چمٹے کے دونوں پھل بجاتا، کبھی دستہ اپنے آہنی کڑوں پر مار کر سُر بیدار کرتا اور کبھی جھوم جھوم کر اپنے استخوانی ڈھانچہ سے لپٹی آہنی زنجیروں سے ترنم بکھیرتا وہ گا رہا تھا اور رقص کر رہا تھا۔ اس کے پرستار سانس روکے زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، فضا چرس کے دھوئیں سے بوجھل ہوئی جا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ان تمام راندۂ درگاہ سفید فاموں کی روحیں جسموں کا ساتھ چھوڑ کر چرس کے کثیف دھوئیں کی صورت میں تحلیل ہو رہی ہوں۔

لکڑی کے کھڑاؤں زمین پر بج رہے تھے، زنجیریں ہل رہی تھیں، گلے میں پڑی پتھروں کی وزنی مالائیں اس کے بدن پر جھول رہی تھیں، اور وہ وجد کے سے عالم میں ہرے راما ہرے کرشنا کے درد انگیز نعروں کے درمیان کوئی الہامی ہندی گیت گا رہا تھا وہ جب بھی گیت کا بند پورا کرنے کے بعد جھٹکے کے ساتھ ہرے راما کرشنا کا نعرہ لگاتا تو بھنگ، چرس اور حشیش کے عادی سفید فاموں کی روحوں کا کرب ان کی آوازوں میں سمٹ آتا اور وہ ہم آہنگ ہو کر اس پراسرار رشی کا ساتھ دینے لگتے۔

یہ تماشا اتنا عجیب اور تاثر انگیز تھا کہ میں وہیں جم کر رہ گیا۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے مجھے اس عالم میں صدیاں بیت گئی ہوں۔ اچانک رشی

کا آہنی چمٹا تیز جھنکار کے ساتھ خاموش ہو گیا۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور سُروں کا آہنگ بدلتا بھیڑ سے باہر آنے لگا۔

اب وہ سب سے آگے گاتا بجاتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے عقب میں سارے ہپّی عقیدت سے سر جھکائے سینوں پر ہاتھ باندھے چل رہے تھے۔ ہندی نہ جاننے کے باوجود بہت سے لڑکوں اور لڑکیوں کے چہروں پر رقت کے زلزلے لرزاں تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے رشی کی خود ساختہ موسیقی اور الہامی گیتوں سے ان سب کو اپنی ذات اور کائنات کا عرفان حاصل ہو رہا ہو۔

حسین وجمیل، بے پروا، مختصر پوش لڑکیوں اور لاابالی نوجوانوں کا یہ رنگ بدا ما جلوس کھٹمنڈو کی سڑکوں سے گزرتا رہا۔ رات ہو جانے کے باوجود بازاروں میں ٹھٹ کے ٹھٹ جمع ہو گئے تھے۔ وہ رشی جلوس کی رہبری کے ساتھ ساتھ ہاتھ لہرا لہرا کر تماشائیوں کو آشیرباد دیتا جا رہا تھا۔

پھر رات کے اندھیرے میں وہ جلوس آبادی سے نکل کر ویران ڈھلانوں پر آپہنچا۔ وہ رشی تاریکی کے باوجود پورے اعتماد سے ان لوگوں کو صاف ستھرے راستوں پر لئے جا رہا تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہی وہ رشی ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔

اس عجیب وغریب سفر کا اختتام آبادی سے کافی دور پہاڑیوں سے گھری ایک وادی میں ہوا جہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چند پٹرومکس لیمپ جل رہے تھے۔ رشی نے رک کر اپنے مقلدوں کو دیکھا پھر وہ کسی بندر کی سی پھرتی کے ساتھ فضا میں کئی گز اوپر اچھلا لوہے سے لوہا ٹکرایا، وحشیانہ جھنکار ابھری اور رشی کی آواز کے ساتھ دم توڑتی ساز و آواز کا طلسم یک بیک بکھر چکا تھا۔

سارے ہپّی سسکاریاں مارتے، سیٹیاں بجاتے پہاڑوں سے گھری اس وادی میں پھیلنے لگے اور وہ رشی خانقاہ نما پہاڑی غار میں داخل ہو گیا۔ میں کچھ دیر تک ادھر ادھر ٹہلتا رہا۔ پھر ایک لڑکی کے پاس جا پہنچا جو چٹان پر تنہا بیٹھی سگریٹ پی رہی تھی۔

"یہ فقیر منش موسیقار کون ہے؟" میں نے براہِ راست بات شروع کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"واٹ؟" وہ غصیلی آواز میں حلق کے بل بولی: "یہ ہپیوں کا نجات دہندہ ہے اس کا نام احترام سے لو ورنہ یہاں تمہاری بوٹیاں بھی نہ مل سکیں گی"۔

"معاف کرنا۔ میں یہاں اجنبی سیاح ہوں!" میں معذرت آمیز لہجہ میں بولا "تم لوگوں کے اس نجات دہندہ کا نام کیا ہے؟"

"اندرام۔ مہارشی اندرام۔ یہ ہمارا پوپ ہے، ہمارے دل اسکی تعلیمات سے منور ہیں، یہ ہر آن ہمیں سکون اور راحت کی نوید دیتا ہے۔ پراسرار قوتیں اسکی تابع ہیں جن کے ذریعہ وہ ہمیں ہر قسم کا نشہ فراہم کرتا ہے۔ اگر اس شہر میں یہ پوپ نہ ہو تو یہاں کے ہپّی یتیم ہو جائیں گے اجنبی سیاح!" وہ ایک ہی سانس اور جذباتی لہجہ میں کہتی چلی گئی۔

"تم سچ کہتی ہو۔ میں خود بھی اس کے حلقۂ ارادت میں شامل ہونا چاہتا ہوں"۔

"جاؤ۔ وہ امن اور بھائی چارہ کا پیغامبر ہے، وہ کسی کو مایوس نہیں کرتا"۔ لڑکی ایک گہرا کش لے کر ترنگ میں بولی۔

میں زمین پر پڑے ہپیوں کے درمیان سے گزرتا اندرام کی خانقاہ کی طرف ہولیا۔ وادی اس وقت ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔ چیخوں، سسکاریوں، سیٹیوں اور قہقہوں کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو دیسی پوپ کے مقلدین نے چھیڑا ہوا تھا۔

غار کے دروازے پر کوئی روک ٹوک نہ تھی۔ میں جھجکتا ہوا اندر داخل ہو گیا وہاں پٹرومکس کی روشنی میں اندرام آلتی پالتی مارے زمین پر بیٹھا تھا۔ سرخ انگاروں کی طرح دہکتی نگاہیں سامنے کھڑی ہوئی ایک لڑکی کے چہرہ پر مرکوز تھیں۔ لڑکی کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا آنکھوں میں نیند کا بوجھل پن تیر رہا تھا۔ اور چہرہ پسینے میں نہایا ہوا تھا۔

"تو سو رہی ہے ..... تو سو رہی ہے!" اندرام گمبھیر آواز میں اس مقامی لڑکی سے کہہ رہا تھا۔

"میں سو رہی ہوں!" اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دی۔

"تو میرے چیلوں میں شامل نہیں ہو سکتی۔ کوئی مقامی میرا چیلا نہیں بن سکتا۔ جس دن مقامی میری راہ پر ہو لئے اس دن یہاں والے اندرام کی بوٹیاں اڑا ڈالیں گے ..... تو مجھے اور میری تعلیمات کو بھول جائے گی، تیرا گھر، تیرے ماں باپ تیرے منتظر ہیں، جا اسی وقت یہاں سے لوٹ جا!" اندرام کی آواز کرخت اور تحکمانہ تھی وہ بات اس لڑکی سے کر رہا تھا لیکن تھکن کا احساس مجھے ہو رہا تھا۔ اس کا ایک ایک لفظ سرد اور سخت آہنی سلاخ کی طرح میرے ذہن میں پیوست ہوا جا رہا تھا۔

وہ لڑکی خوابناک انداز میں چلتی ہوئی اس غار سے باہر نکل گئی۔

"تو کون ہے؟" اب اندرام کی شعلہ بار ابلی ہوئی آنکھیں مجھ پر مرکوز ہو گئیں۔ میں سمجھ چکا تھا کہ وہ مسمریزم کا زبردست عامل ہے اس لئے نظریں ملائے بغیر آہستہ سے بولا: "تمہارا ایک خادم رشی جی!"

"نہیں نہیں" وہ زور سے بولا: "جس روز میں نے یہ راستہ کھولا اس شہر کے گلی کوچوں میں خون بہہ جائے گا۔ میرا بس ایک ہی کالا چیلا ہے اور وہ بھی دربدر کی ٹھوکریں کھاتا یہاں تک پہنچا ہے اس پر رحم کھانے کے بعد میں نے عہد کیا ہے کہ اب کسی کو قبول نہ کروں گا"

"رشی جی۔ مجھ پر رحم کرو!" میں گڑگڑایا۔

اندرام نے فضا میں مکا لہرایا، آہنی کڑے آپس میں ٹکرائے اور وہ بولا: "اس سنسار میں کوئی رحم دل نہیں ہم سب بھیڑیے ہیں بزدل بھیڑیئے خود کو رحم دل کہتے ہیں، خونخوار بھیڑیئے بہادر کہلاتے ہیں۔ چلا جا تو بھی یہاں سے چلا جا ورنہ میرے چیلے تجھے اٹھا کر باہر پھینک دیں گے"۔

اندرام کے منہ سے یہ الفاظ سنتے ہی غار کے ایک کونہ میں بیٹھا ہوا شخص میری طرف پلٹا اور میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ابھی تک وہ میری طرف پشت کئے بھنگ گھوٹ رہا تھا لہٰذا میں اسے نہ پہچان سکا تھا مگر اب وہ میرے مقابل کھڑا خشمناک انداز میں مجھے گھور رہا تھا۔

یہ بات میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ انڈین آرمی کے کیپٹن بھاٹیہ سے اس قدر ڈرامائی انداز میں سامنا ہوگا۔ مگر اب تو تیر کمان سے نکل ہی چکا تھا! اندرام خاموش تھا اور بھاٹیہ میری طرف آ رہا تھا۔

صفدر علی اور بھاٹیہ کا ٹکراؤ اور اس
سلسلے کے بہت سے چونکا دینے والے
واقعات آئندہ ماہ پڑھیئے۔

سیمیں اپنے کمرے میں لیٹی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی کہ دروازہ ایک دھماکے کے ساتھ کھلا اور ساتھ ہی ایک بھاری مردانہ آواز نے کہا۔

"میں نے کہا خادم آداب بجالاتا ہے سیمیں بانو۔ پھر کوئی کتاب پڑھی جارہی ہے آپ تو بس کتابوں کا کیڑا بن گئی ہیں۔ خدا جانے آپ کو یہ احساس کب ہوگا کہ ان بے جان کتابوں کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی آپ کی نگاہِ التفات کی مستحق ہیں۔"

سیمیں آواز سنتے ہی گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ دروازے کی طرف دیکھا تو خورشید اپنی مخصوص بے تکلفانہ ادا کے ساتھ مسکراتا دکھائی دیا۔ سیمیں کی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں نمودار ہوئیں۔

"میں نے آپ سے کتنی مرتبہ کہا ہے خورشید صاحب کہ آپ اس طرح نہ آیا کریں میرے کمرے میں۔" اس نے ترش لہجے میں کہا۔

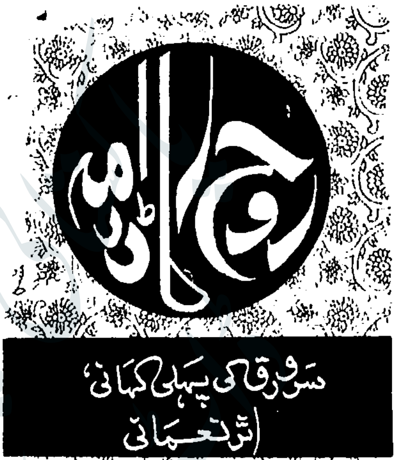

"اور میں نے بھی آپ سے کتنی بار گذارش کی ہے کہ اس طرح اعتراض کرنے سے بات ادھوری رہ جاتی ہے۔" خورشید کی مسکراہٹ کم ہونے کے بجائے کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ "اسی کے ساتھ آپ کو یہ وضاحت بھی کرنا چاہیئے کہ اگر اس طرح نہیں تو پھر کس طرح آیا کروں؟..... دیکھئے نا جب تک آپ بتائیں گی نہیں میں کیسے جان سکتا ہوں کہ آپ کو کس انداز میں میرا کمرے میں آنا پسند ہے۔"

"لیکن آخر آپ کو میرے کمرے میں آنے کی ضرورت کیا ہے۔؟"

"بات یہ ہے کہ میں جب بھی یہاں آتا ہوں تو دل نہیں چاہتا کہ آپ کو سلام کیے بغیر واپس چلا جاؤں۔ اسے آپ جس جذبے سے چاہیں موسوم کریں۔ لیکن اگر کبھی آپ سے ملاقات نہیں ہوتی تو ایک عجیب سی کمی کا احساس ہوتا ہے۔"

"پلیز خورشید صاحب۔ آپ نے اب تک اپنی جو امیج قائم کی ہے اسے خراب نہ کریں۔" سیمیں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "میں نے آپ کو اپنا بڑا بھائی سمجھ کر ہمیشہ احترام کی نظروں سے دیکھا ہے۔ اس احترام کو باقی رہنے دیں۔ آپ امی سے ملنے آتے ہیں۔ وہ غالباً باورچی خانے میں ہوں گی۔ ان کے پاس جائیں اور مجھے سکون سے مطالعہ کرنے دیں۔"

"آپ تو بہت جلد بُرا مان جاتی ہیں" خورشید نے پھر بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ آپ اپنا مطالعہ جاری رکھیں۔ میں چلا جاتا ہوں لیکن آپ کو اتنی بے رخی نہیں برتنا چاہیئے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ سردمہری آپ کے لئے شرمندگی کا سبب بن جائے"

خورشید کمرے سے نکلا تو سیمیں کی امی اسے باورچی خانے سے باہر آتی ہوئی مل گئیں۔

"ارے خورشید۔" وہ ایک دم خوش ہوگئیں۔ "میں تو دو تین دن سے روز شام کو تمہارا انتظار کررہی تھی۔ کہو خیریت سے تو ہو۔ دورے سے کب واپس آئے۔؟"

"آپ کی دعائیں ہیں امی۔" خورشید نے سلام کرتے ہوئے کہا۔ "آج دوپہر ہی لوٹا ہوں اور کل صبح پھر جارہا ہوں۔"

"ارے اتنی جلدی۔ آخر یہ تمہارے پاؤں میں چکر کیا ہے۔ کبھی ایک جگہ ٹکتے ہی نہیں۔"

"کیا بتاؤں امی کاروبار ہی ایسا ہے۔ ایک جگہ جم کر بیٹھ جاؤں تو کارندے دو دن میں کباڑا کردیں گے۔"

"سچ پوچھو۔ تمہارا کاروبار آج تک تو میری سمجھ میں آیا نہیں۔ آخر تم کرتے کیا ہو کبھی یہاں کبھی وہاں۔ تمہارے دورے ہی کبھی ختم ہونے میں نہیں آتے۔"

"اب میں آپ کو کیا سمجھاؤں۔" خورشید مسکرایا۔ "بس یوں سمجھ لیں ایک طرح کی آڑھت ہے۔ مقامی امپورٹ ایکسپورٹ۔ مختلف شہروں کی منڈیوں میں دکانیں کھول رکھی ہیں۔ ایک جگہ مال خریدتا ہوں دوسری جگہ بیچ دیتا ہوں۔ دوسری جگہ خریدتا ہوں تو تیسری جگہ بیچ دیتا ہوں۔ ویسے تو آپ کی دعا سے دسیوں کارندے کام کرتے ہیں۔ رقم کی الٹ پھیر ان ہی کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ ہیں بھی سب قابلِ اعتبار اور بھروسے کے آدمی مگر امی یہ دنیا صرف ڈنڈے کے زور سے چلتی ہے۔ جب تک انہیں یہ احساس رہتا ہے کہ میں ان کے سر پر موجود ہوں چوکس رہ کر کام کرتے ہیں۔ آج میں یہ اچانک دورے کرنا چھوڑ دوں اور کل وہ سوچنے لگیں گے کہ مالک تو اتنی دُور بیٹھا ہے کبھی پلٹ کر خبر بھی نہیں لیتا۔ پھر کیوں نہ آرام کیا جائے۔ اس کے علاوہ معاملہ جہاں رقم کا ہو اور سر پر کوئی نگرانی کرنے والا بھی موجود نہ ہو تو ایماندار سے ایماندار آدمی کا دل ڈولنے لگتا ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو بیٹا۔" سیمیں کی امی نے کہا۔ "اچھا تم کمرے میں چل کر بیٹھو میں تمہارے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"چائے کا تکلف رہنے دیں میں ذرا جلدی میں آیا ہوں۔" خورشید نے کہا۔ "کل صبح پھر جارہا ہوں۔ ساتھ میں کچھ مال بھی لے جانا ہے۔ اس کی پیکنگ کرانا باقی ہے میں نے کہا کہ آج پانچ تاریخ ہوگئی ہے۔ معلوم نہیں واپسی کب ہو۔ چل کر امی کو پیسے دے آؤں۔"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دس کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر سیمیں کی امی کی طرف بڑھا دی۔

"بیٹا تمہارا یہ قرض میں شاید ہی کبھی زندگی میں اُتار سکوں۔" انہوں نے ایک گہری سانس لے کر روپے لے لئے۔

"دیکھئے آپ نے پھر وہی بات چھیڑ دی۔" خورشید بولا۔ "میں کتنی بار تو عرض کر چکا ہوں کہ یہ رقم میں اپنی جیب سے نہیں دیتا بلکہ ایک ادارہ ہے جو....."

"میں سب جانتی ہوں بیٹے۔" سیمیں کی امّی نے بات کاٹی۔ "کون سا ایسا ادارہ ہے جو آج تین برس سے پانچ سو روپے ماہانہ دے رہا ہے۔ اور آج تک کبھی میں نے اس کا نام بھی نہیں سُنا۔ اس کا کوئی آدمی کبھی مجھ سے رقم کی کوئی رسید تک لینے نہیں آیا۔"

"اُفوہ امّی آپ تو بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتی ہیں۔" خورشید نے جلدی سے کہا۔

"نہیں بیٹے اگر میں تمہارے احسان کا اعتراف نہ کروں تو یہ انتہائی خود غرضی ہوگی۔" سیمیں کی امّی بڑی سنجیدگی سے بولیں۔ "تم نے ہمارے لئے کیا کچھ نہیں کیا۔ جب زریں ہمارے نام کو بٹہ لگا گئی اور اس کے صدمے سے سیمیں کے ابا چل بسے تو اس کڑے وقت میں وہ تم ہی تو تھے جو ہمارے کام آئے۔ تمام عزیز و اقارب نے منہ موڑ لیا۔ ملنا تک گوارہ نہیں کرتے۔ مگر تم نے غیر ہوتے ہوئے ہمارا ساتھ دیا۔ اور اب تک ہمارا بوجھ اٹھائے ہوئے ہو۔ آخر یہ ایسی باتیں تو نہیں جنہیں کوئی بھول جائے۔ میرے تو رؤیں رؤیں سے تمہارے لئے دعائیں نکلتی ہیں۔"

"آپ مجھے کیوں شرمندہ کر رہی ہیں امّی۔" خورشید نے جواب دیا۔ "میں غیر ہی سہی مگر آپ کا پڑوسی تو تھا۔ اور پڑوسی کا حق اپنوں سے کم نہیں ہوتا۔ مجھے تو ہمیشہ یہی شکایت رہی کہ میں جو کچھ آپ کے لئے کرنا چاہتا ہوں آپ نے کرنے نہیں دیا۔ اب تک آپ اسی چھوٹے سے مکان میں پڑی ہوئی ہیں جبکہ میں اپنی کوٹھی میں بالکل اکیلا رہتا ہوں۔"

"اکیلے تو تم اپنی مرضی سے رہتے ہو نا۔" سیمیں کی امّی نے کہا۔ "میں تو کہتے کہتے تھک گئی کہ اپنا گھر بسا لو۔ شادی کر لو۔ مگر تم نے کبھی میری بات پر توجہ ہی نہیں دی۔"

"کیا توجہ دیتا۔ یہ کام بزرگوں کے کرنے کا ہوتا ہے اور بدقسمتی سے میرا اس دنیا میں کوئی بزرگ ہی نہیں۔ اب میں یہ تو کر نہیں سکتا کہ ہر گھر کے دروازے پر دستک دوں کہ بھائی میں کنوارا ہوں کوئی میری شادی کرا دو۔"

"ارے پگلے تو کبھی مجھ سے کہا ہوتا۔" سیمیں کی امّی ہنسنے لگیں۔

"ایمان کی بات یہ ہے امّی کہ ارادہ تو کئی مرتبہ کیا کہنے کا مگر پھر ہمت نہیں پڑتی۔" خورشید کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ "دنیا ذرا سی دیر میں خلوصِ نیت پر شبہ کرنے لگتی ہے۔ میں اگر کچھ کہتا تو لوگ فوراً طعنہ دینے لگتے کہ میں اسی لالچ میں آپ کی مدد کر رہا ہوں۔"

بات ہر چند واضح نہیں تھی پھر بھی سیمیں کی امّی نے کچھ چونک کر خورشید کی طرف دیکھا۔ "اس میں لالچ کی کیا بات ہے۔" وہ بولیں۔ "تم کہو تو اب میں تمہارے لئے کوئی اچھی سی لڑکی تلاش کروں۔"

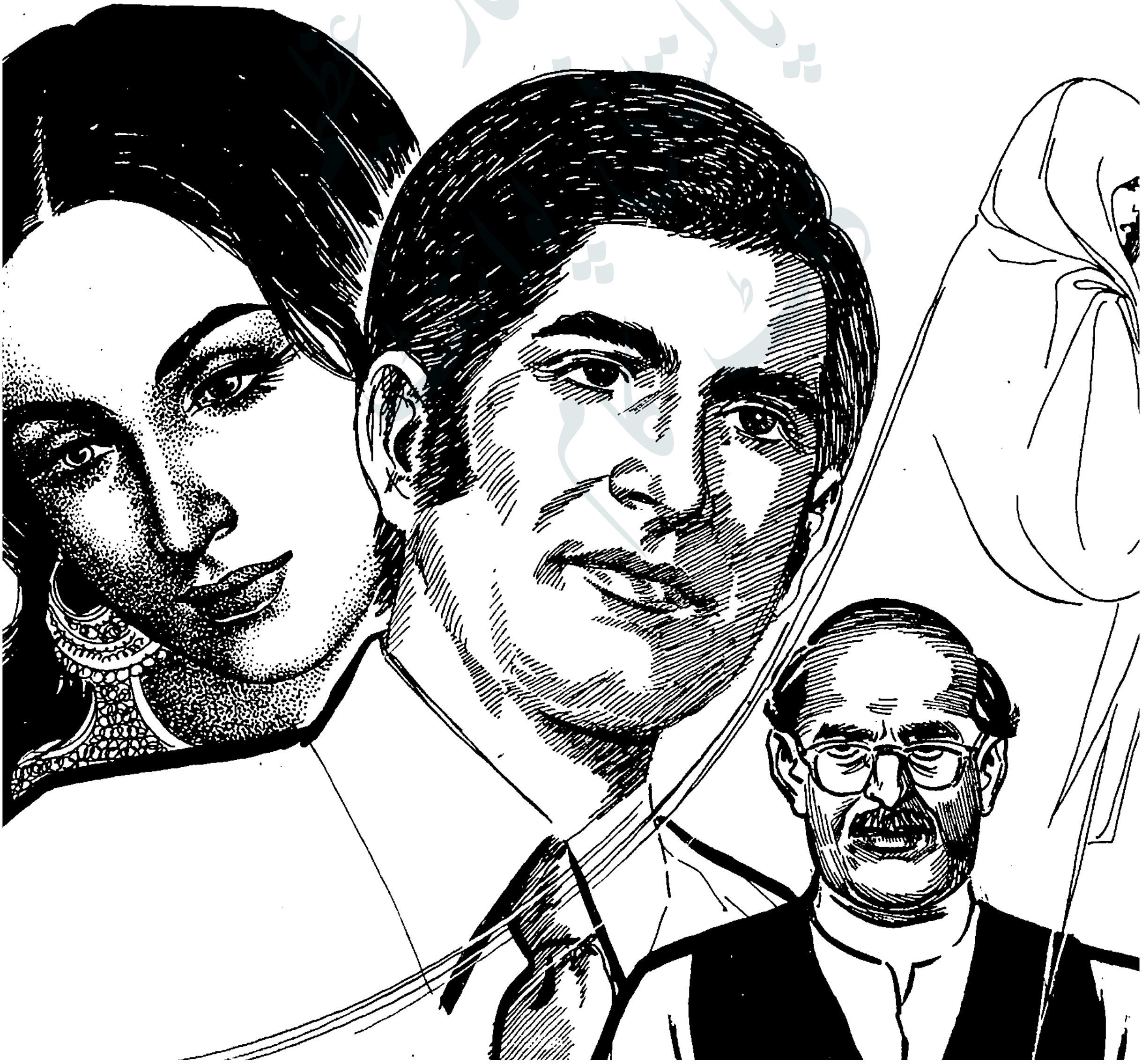

"شادی بیاہ کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ وقتی جان پہچان میں آدمی اکثر دھوکا کھا جاتا ہے۔ میں تو کسی ایسی جگہ شادی کرنا چاہتا ہوں جنھیں میں نے برسوں تک پرکھا ہو اور جو مجھے اچھی طرح دیکھ چکے ہوں۔"

یہ گویا پہلی بات کی مزید وضاحت تھی مگر سیمیں کی امّی شاید دانستہ خورشید کے اشارے سے اغماض برت رہی تھیں۔

"یہ تو قسمت کی بات ہے بیٹے جہاں قسمت لڑی ہوتی ہے وہیں رشتہ ہوتا ہے" انہوں نے جواب دیا۔ "ویسے اگر تمہاری نگاہ میں کوئی جگہ ہو تو بتاؤ میں کوشش کروں گی کہ تمہاری خواہش پوری ہو جائے۔"

"امّی میں اس نازک مسئلے پر اپنی زبان سے خود کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن اب بات چھڑ گئی ہے اور آپ نے پوچھ ہی لیا ہے تو ڈرتے ڈرتے کہنے کی ہمت کر رہا ہوں کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مجھے مستقل طور پر اپنا بیٹا بنا لیں۔؟"

سیمیں کی امّی اسی بات سے ڈر رہی تھیں۔ یہ بات نہیں کہ وہ خورشید کو پسند نہیں کرتی تھیں بلکہ وہ سیمیں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھیں۔ وہ بارہا دیکھ چکی تھیں کہ سیمیں خورشید سے اچھی طرح بات نہیں کرتی پھر خورشید اور سیمیں کی عمروں میں بھی بڑا فرق معلوم ہوتا تھا۔ سیمیں اٹھارویں سال میں تھی اور خورشید کے بارے میں ان کا اندازہ تھا کہ تیس سال سے کم کا نہیں ہوگا۔ سیمیں کے بجائے اگر اس کا رشتہ زرّیں سے ہوتا تو وہ بڑی خوشی سے حامی بھر لیتیں مگر زرّیں اب کہاں تھی۔ وہ ننگِ خاندان تو تین برس پہلے محلے کے ایک لڑکے شکیل کے ساتھ ایسی بھاگی تھی کہ اب تک اس کا کوئی پتا نہیں تھا۔

"آپ کس سوچ میں پڑ گئیں امّی۔؟" خورشید نے کہا۔ "اگر میری بات ناگوار لگی ہو تو میں معافی چاہتا ہوں۔"

"ناگوار لگنے کی کیا بات ہے خورشید۔" سیمیں کی امّی نے جواب دیا۔ "جہاں بیری ہوتی ہے ڈھیلے آتے ہی ہیں۔ مگر تم نے ایسی اُلجھن میں ڈال دیا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کیا جواب دوں۔"

"اس میں اُلجھن کی تو کوئی بات نہیں امّی۔ دو ہی جواب ہو سکتے ہیں۔ یا تو آپ کو رشتہ منظور ہے یا منظور نہیں ہے۔ اور یقین کریں کہ اگر آپ نے انکار بھی کر دیا تب بھی.....۔"

"بات میرے انکار و اقرار کی نہیں بیٹے۔" سیمیں کی امّی کچھ جھجکتے ہوئے بولیں۔ "میرا.....میرا خیال ہے کہ..... کہ شاید..... سیمیں تمہیں اس نظر سے پسند نہیں کر سکے گی۔ پھر شاید عمر کا فرق بھی کافی ہے۔ یہ بات نہ ہوتی تو....."

"ارے تو آپ میری عمر کیا سمجھ رہی ہیں۔ مشکل سے پچیس چھبیس سال ہوگی۔" خورشید نے جلدی سے بات کاٹی۔ "رہی سیمیں تو میرا خیال ہے کہ شادی سے پہلے لڑکیوں کی پسند ناپسند بڑی کچی ہوتی ہے۔ اور اس کا میں آپ کو جس طرح چاہیں یقین دلا سکتا ہوں کہ شادی کے بعد سیمیں کی ہر خوشی میری خوشی ہوگی۔"

"وہ تو میں بھی سمجھتی ہوں خورشید۔ مگر مجھے غور کرنے کی مہلت تو دو۔"

"میں تو کہتا ہوں کہ اس میں غور کرنے کی کوئی بات ہے ہی نہیں۔ آپ مجھے آج سے نہیں برسوں سے جانتی ہیں۔ اگر آپ کو میرا ذرا بھی خیال ہوگا تو انکار نہیں کریں گی۔"

سیمیں کی امّی محسوس کر رہی تھیں کہ انہیں ہاں کہہ دینا چاہیئے۔ آج کل لڑکے یوں بھی کم ملتے ہیں اور ان کا گھر تو بدنام ہو چکا ہے۔ بڑی بیٹی رسوا ہو جائے تو لوگ چھوٹی سے بھی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ انہیں ڈر تھا کہیں سیمیں ان کے گھٹنے سے لگی بیٹھی نہ رہ جائے۔ پھر خورشید شکل و صورت، مال و دولت ہر اعتبار سے ایسا لڑکا تھا کہ بیٹیوں کی مائیں اس کے رشتے کی تمنا کریں۔ اس کے علاوہ اس نے اب تک جو احسانات کئے تھے ان کا بھی تقاضا تھا کہ اس کی بات نہ ٹالی جائے۔ انکار کرنے سے وہ بُرا بھی مان سکتا ہے۔

"اچھا بیٹے جو تمہاری خوشی وہ میری خوشی۔" آخر انہیں کہنا پڑا۔ "تم نے پہلی مرتبہ کوئی چیز مجھ سے مانگی ہے تو میں انکار کیسے کر سکتی ہوں۔"

"اوہ امّی آپ کا بہت بہت شکریہ۔" خورشید کی باچھیں کھل گئیں۔ "میں زندگی بھر آپ کا خادم بن کر رہوں گا۔"

خورشید بہت خوش تھا۔ وہ یا تو جلدی جانے کو کہہ رہا تھا یا اب باتیں کرنے پر آیا تو شام کر دی۔ وہ تو شادی کی تاریخ طے کرا لینے پر بھی مصر تھا مگر سیمیں کی امّی نے کہا کہ وہ اس معاملے میں جلدی نہ کرے۔ سیمیں کو انٹر کے امتحانات سے فارغ ہو جانے دے پھر وہ آہستہ آہستہ سیمیں کو اس شادی کے لئے آمادہ کر لیں گی۔ آخر مغرب سے کچھ پہلے خورشید رخصت ہوا تو سیمیں کی امّی گھر کا کام کاج کرنے کے لئے اٹھیں۔

باورچی خانہ صحن کے آخر میں بیرونی دروازے کے بالکل مقابل بنا ہوا تھا۔ سیمیں کی امّی باورچی خانے کی طرف چلیں تو غیر ارادی طور پر ان کی نگاہ دروازے کی جانب اُٹھ گئی۔ اور وہ ایک دم چونک سی گئیں۔ ڈیوڑھی میں کوئی عورت سفید چادر اوڑھے منہ پر اسی چادر کا گھونگھٹ نکالے کھڑی تھی۔

"کیا بات ہے۔؟" سیمیں کی امّی آگے بڑھیں۔ وہ سلائی کڑھائی کا کام بھی کرتی تھیں اور اس سلسلے میں اکثر محلے کی عورتیں ان کے گھر آتی رہتی تھیں۔ وہ یہی سمجھیں کہ یہ عورت بھی کچھ اسی مقصد سے آئی ہے۔ اگرچہ انہیں فوراً ہی یہ سوچ کر حیرت بھی ہوئی کہ خورشید کے جانے کے بعد انہوں نے دروازے کی کنڈی لگا دی تھی۔ پھر یہ عورت اندر کیسے آئی؟ مگر پھر انہوں نے خود ہی جواب دے لیا کہ ممکن ہے وہ کنڈی لگانا بھول گئی ہوں۔

"کیا پڑوس سے آئی ہو۔؟" سیمیں کی امّی نے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں۔" عورت نے بہت آہستہ آواز میں جواب دیا۔ "میں بہت دور سے آئی ہوں ایک بہت ضروری کام کے سلسلے میں۔"

"تو گھونگھٹ اٹھا کر بات کرو نا۔" سیمیں کی امّی اس کی صورت دیکھنا چاہتی تھیں ویسے اپنے جسم اور اپنی آواز سے وہ کوئی نوجوان عورت بلکہ لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ چادر کے نیچے اس نے تنگ پائنچوں کی پتلون پہن رکھی تھی جس سے خیال ہوتا تھا کہ وہ کوئی ماڈرن ـــــ لڑکی ہے لیکن اسی کے ساتھ چہرے پر گھونگھٹ بڑا متضاد معلوم ہو رہا تھا۔

"میں آپ کو اپنی صورت نہیں دکھا سکتی۔" عورت نے جواب دیا۔ "لیکن یقین کریں کہ میں آپ کی ہمدرد ہوں اور آج آپ کی محبت نے ہی مجھے یہاں آنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"تمہاری محبت کا شکریہ۔" سیمیں کی امّی نے کہا۔ "تو کس ضروری کام کے سلسلے میں آئی ہو۔؟" انہیں پہلے ہی ہانڈی روٹی کے لئے دیر ہو چکی تھی اس لئے وہ چاہتی تھیں کہ

یہ جلدی سے بات کرکے چلی جائے تو وہ اپنے کام میں لگیں۔

"آپ سیمیں کی شادی خورشید سے کر رہی ہیں۔؟"

سوال اتنا غیر متوقع تھا کہ سیمیں کی امی حیرت میں رہ گئیں۔ ان کے ذہن میں بےشمار خیالات آرہے تھے۔ یہ عورت کون ہے؟۔ اسے خورشید سے کیا تعلق؟۔ پھر سب سے زیادہ یہ کہ ابھی یہ بات صرف ان کے اور خورشید کے درمیان ہوئی تھی پھر اس عورت کو کیسے پتہ چلا؟

"تم کون ہو اور تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔؟" سیمیں کی امی کی زبان سے بے اختیار نکلا۔!

"میں آپ سے یہ درخواست کرنے آئی تھی"۔ عورت نے ان کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "کہ خورشید کوئی اچھا آدمی نہیں ہے! اس کا ظاہر جتنا خوبصورت ہے اس کا باطن اتنا ہی گندا اور مکردہ ہے۔ وہ ہرگز سیمیں کے قابل نہیں۔ اس نے اب تک....."

"وہ جیسا بھی ہے"۔ سیمیں کی امی نے بات کاٹی۔ "اس بات کا تعلق ہم سے ہے تمہیں مداخلت کا حق نہیں پہنچتا"۔

"حق تو پہنچتا ہے مگر شاید میں اسے آپ سے منوا نہیں سکتی"۔ عورت نے بڑے افسردہ لہجے میں کہا۔ "میں آپ سے پھر یہی کہوں گی کہ آپ اپنا فیصلہ تبدیل کر دیں۔ یہ شادی سیمیں کو برباد کر دے گی"۔

"میں تمہاری کوئی بات سننا نہیں چاہتی"۔ سیمیں کی امی بگڑ کر آگے بڑھیں۔

"تم جا سکتی ہو۔ مگر جانے سے پہلے میں تمہاری صورت ضرور دیکھوں گی"۔

انہوں نے عورت کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عورت گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ سیمیں کی امی نے کچھ اور آگے بڑھ کر اسے پکڑنا چاہا مگر ان کا ہاتھ ہوا میں جھول کر رہ گیا۔ عورت غائب ہو چکی تھی وہ سمجھیں کہ شاید دروازے سے باہر نکل گئی۔ ہرچند انہوں نے اسے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ انکی نظر دروازے کی کنڈی کی طرف اٹھی۔ وہ اسی طرح لگی ہوئی تھی جس طرح خورشید کے جانے کے بعد انہوں نے لگائی تھی۔

سیمیں تیسرے پیریڈ کے بعد کلاس سے باہر آئی تو اطہر اس کا انتظار کر رہا تھا وہ سیمیں کا تایازاد بھائی اور بی ایس سی کا طالب علم تھا۔ تین سال پہلے سیمیں کی بڑی بہن زریں ایک دن۔ گھر سے یہ کہہ کر گئی کہ وہ اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ پکچر دیکھنے جا رہی ہے۔ اور پھر واپس نہیں لوٹی۔ دوسرے دن پتہ چلا کہ محلے کا ایک نوجوان شکیل بھی گھر سے غائب ہے زریں ماڈرن خیالات کی لڑکی تھی۔ اس کے دوستوں میں لڑکیوں کے علاوہ لڑکے بھی شامل تھے۔ اور کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ انہوں نے زریں کو شکیل سے کچھ زیادہ ہی بےتکلفی سے ملتے جلتے دیکھا تھا۔ چنانچہ یہ فرض کر لیا گیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ فرار ہو گئے ہیں۔ ایسی باتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی ہیں۔ زریں کے باپ کامل حسین صاحب جنہوں نے اپنی دونوں بیٹیوں کی پرورش بڑے ناز و نعم سے کی تھی۔ اس ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کر سکے۔ اگرچہ انہوں نے محلہ بھی چھوڑ دیا تھا۔ دوسرا مکان کرائے پر لے لیا تھا مگر یہ غم ان کی جان لے کر رہا۔ دوسروں کے ساتھ ساتھ کامل حسین صاحب کے اپنے بھائی بہنوں نے بھی انہیں چھوڑ دیا تھا۔ خاص طور سے ان کے بڑے بھائی عاقل حسین صاحب جو پہلے سے کامل صاحب کے گھر کی آزادانہ روش سے بہت نالاں تھے۔ اتنے غصے میں آئے کہ انہوں نے ہر طرح کے تعلقات منقطع کر لیے۔ اطہر ان ہی کا بیٹا تھا۔ اور اگر عاقل صاحب کو یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ اسی کالج میں پڑھ رہا ہے جہاں ان کے چھوٹے بھائی کی دوسری بیٹی سیمیں زیر تعلیم ہے تو شاید وہ کامل صاحب کے گھر کی طرح اس کالج میں بھی اطہر کا قدم رکھنا جرم قرار دیدیتے۔ لیکن اپنے والد کی مخالفت کے باوجود اطہر کو اپنی چچازاد بہن سیمیں سے گہری انسیت بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ محبت تھی۔

سیمیں نے اطہر کو دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ہیلو سیمیں"۔ اطہر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "تم دو تین دن سے کالج کیوں نہیں آئیں۔ کیا کچھ طبیعت خراب تھی۔؟"

"طبیعت تو اتنی خراب نہیں مگر قسمت ضرور خراب ہے"۔ سیمیں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔؟"

"میرا یہ پیریڈ خالی ہے"۔ سیمیں نے کہا۔ "اگر آپ بھی فرصت میں ہوں تو آیئے باغ میں چل کر بیٹھتے ہیں۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں"۔

وہ دونوں کالج کے چھوٹے مگر خوبصورت باغ میں ایک بنچ پر آکر بیٹھ گئے۔

اطہر کچھ دیر تک منتظر رہا کہ سیمیں اپنی بات شروع کرے لیکن جب وہ خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہی تو اس سے نہ رہا گیا۔

"کیا سوچ رہی ہو۔۔؟" آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"سوچ رہی ہوں کہ کیا آج کل انسان اتنا خود غرض ہوگیا ہے کہ وہ کوئی بھی کام اپنا ذاتی مفاد پیشِ نظر رکھے بغیر نہیں کرسکتا۔" سیمیں نے آہستہ لہجے میں جواب دیا۔

"یہ تو بڑا بحث طلب مسئلہ ہے۔" اطہر مسکرایا۔ "اور صرف آج کل کا بھی نہیں ہے۔ انسان کو ہمیشہ سے اپنا مفاد عزیز رہا ہے۔"

"لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ آپ کسی کی مدد کریں تو پہلے یہ سوچ لیں کہ اس مدد سے آپ کو کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے۔"

"میں نے کہا نا کہ اس مسئلے پر کافی بحث کی جاسکتی ہے۔ اور دونوں طرف سے بڑے ٹھوس اور وزنی دلائل دیئے جاسکتے ہیں۔" اطہر نے جواب دیا۔ "اگر موڈ بحث کا ہے تو بسم اللہ۔ لیکن اگر کسی خاص شخص کی طرف اشارہ ہے تو نام لے کر بات کرو تاکہ میں اس کے خلاف یا اس کے حق میں دو ٹوک انداز میں کچھ کہہ سکوں۔"

"آپ خورشید صاحب سے تو واقف ہیں۔۔؟"

"او۔ تو بات خورشید صاحب کی ہے۔ جی ہاں میں اُن صاحب سے اسی حد تک واقف ہوں جس حد تک تم نے بتایا ہے۔ ذاتی طور پر تو تم جانتی ہی ہو کہ کبھی ان سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں کہ انہوں نے ہماری بڑی مدد کی ہے۔" سیمیں نے کہا۔ "ابا جان کے انتقال سے لے کر اب تک گھر کے اخراجات کے کفیل رہے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے کبھی ان کی آنکھوں میں خلوص کی چمک نہیں دیکھی۔ مجھے اُنکے طرزِ عمل سے ہمیشہ خود غرضی اور بدنیتی کا تاثر ملتا رہا اور آخر کار میرے اندیشے درست نکلے۔ اب وہ اپنے احسانات کا معاوضہ مانگ رہے ہیں۔ اور امی کو انھوں نے کچھ ایسا مٹھی میں لیا ہے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ انکار نہیں کرسکیں گی۔ اگرچہ ابھی انھوں نے مجھ سے یہی کہا ہے کہ انھوں نے کوئی صاف جواب نہیں دیا بلکہ سوچنے کی مہلت مانگی ہے۔"

"یہ آج تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔" اطہر نے کچھ حیران ہوتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا ہے۔"

"آپ کی سمجھ میں تو کبھی کچھ نہیں آئے گا اور دوسرے ہمارے خوابوں کی تعبیر چرا کر لے جائیں گے۔"

"کون دوسرے؟"

"خورشید صاحب۔"

"وہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ آخر کیا کیا خورشید صاحب نے۔۔؟"

"اب آپ صاف ہی سننا چاہتے ہیں تو سنیئے۔" سیمیں کچھ تیزی سے بولی۔

"انہوں نے امی سے میرا رشتہ مانگا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔" اطہر نے چونک کر سیمیں کی طرف دیکھا۔ "وہ عمر میں تم سے تقریباً دوگنے بڑے ہیں۔"

"وہ ابا جان کی عمر کے ہوتے تب بھی انہیں رشتہ مانگنے سے کون روک سکتا ہے۔ مرد تو ساٹھ سال کا ہو تب بھی سولہ سال کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"پھر تمہاری امی۔۔۔ میرا مطلب ہے چچی جان نے کیا جواب دیا؟"

"وہ جواب بھی کیا دے سکتی ہیں؟"

"تمہارا مطلب ہے کہ انھوں نے منظور کرلیا؟"

"نہیں کرلیا تو اب کرلیں گی۔۔ وہ احسان کے بوجھ تلے ایسی دبی ہیں کہ انکار کر ہی نہیں سکتیں۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" اطہر ایک دم فکر مند ہوگیا۔

"وہ تو ظاہر ہے۔۔۔ میں تین دن اسی لئے کالج نہیں آسکی کہ اس مصیبت سے بچنے کی کوئی ترکیب سوچ رہی تھی۔"

"پھر کوئی بات سمجھ میں آئی؟"

"نہیں۔ اسی لئے تو آج آپ سے کہہ رہی ہوں۔"

"میں سوچ رہا تھا کہ بی ایس سی پاس کرکے کوئی ملازمت کرلوں گا اور پھر امی جان کے ذریعے ابو سے کہوں گا کہ وہ چچی جان سے تمہیں مانگ لیں۔ اولاد اپنے پیروں پر کھڑی ہوجاتی ہے تو اس کی بات میں وزن آجاتا ہے۔"

"تو آپ اب نہیں کہہ سکتے۔"

"کہہ سکتا ہوں مگر ابو کبھی تیار نہیں ہوں گے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے۔"

"تم کہو تو میں خود چچی جان کے پاس جاکر اُن کے قدموں میں گرجاؤں۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا۔" سیمیں نے افسردگی سے سر ہلایا۔ "امی چاہیں بھی تو نہیں مان سکتیں۔ ہم پہلے ہی خاندان میں بدنام ہیں۔ اب اگر تایا ابا کی رضامندی کے بغیر یہ شادی ہوئی تو سب یہی کہیں گے کہ ماں بیٹی نے مل کر لڑکے کو شیشے میں اتار لیا۔"

"پھر کیا خورشید صاحب سے بات کروں۔ ان سے کہوں کہ وہ جس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں وہ اُن سے محبت نہیں کرتی۔"

"وہ انتہائی ڈھیٹ قسم کے آدمی ہیں۔ میں ہزار بار اُن پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرچکی ہوں۔"

"تب تو پھر ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ تم ذرا ہمت سے کام لے کر چچی جان سے صاف کہدو کہ تمہیں یہ شادی منظور نہیں ہے۔"

"میں ایسا نہیں کرسکتی۔" سیمیں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ "آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اب تک ہماری زندگی کس طرح گزری ہے۔ امی اگر خورشید صاحب کے احسانات سے دبی نہ ہوتیں تو غالباً وہ میری بات مان جاتیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ جیسا اب تک محبت کرنے والوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے ہمیں بھی اس دنیا کے رسم و رواج ایک دوسرے کا نہیں ہونے دیں گے۔"

"بظاہر تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"میں اگر چاہوں تو دنیا کے رسم و رواج کے خلاف بغاوت کر سکتا ہوں۔ لیکن ہمیں اسی دنیا میں رہنا ہے اور میں رسوائیاں خرید کر محبت میں کامیاب ہونا پسند نہیں کرتا۔"

"آپ اگر کہتے بھی تو میں کسی ایسی تجویز پر تیار نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم ابھی زریں باجی کا لگایا ہوا داغ ہی اپنے دامن سے نہیں دھو سکے ہیں۔"

اسی وقت چوتھا گھنٹہ شروع ہونے کی گھنٹی بجی۔ سیمیں اور اطہر بڑی افسردہ کیفیت میں اپنی سوچوں میں گم بینچ سے اُٹھے اور کلاسوں کی طرف چل دیئے۔

"میرا خیال ہے کہ اب ہمیں ایک دوسرے سے ملنے کی کوشش نہیں کرنا چاہیئے۔" سیمیں نے بھرّائی ہوئی آواز میں کہا۔ "جب تقدیر میں جدا ہونا ہی لکھا ہے تو اِس جدائی کو مشکل سے مشکل تر بنانے سے کیا فائدہ۔ خدا حافظ۔"

اور اس سے پہلے کہ اطہر اس کی بات کا کوئی جواب دیتا۔ وہ تیزی سے اپنی کلاس کی جانب بڑھ گئی۔ اطہر نے بھی اپنی کلاس میں جانا چاہا مگر قدموں نے اس کے ارادے کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ ایک بار پھر باغ کی جانب مُڑ گیا۔ وہ باغ کے اسی گوشے کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں وہ اور سیمیں کچھ دیر قبل بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن ابھی وہ بینچ کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ایک دم رُک گیا۔ بینچ پر کوئی عورت سفید چادر اوڑھے گھونگھٹ نکالے بیٹھی تھی۔ اطہر نے کچھ حیرت سے دیکھا کہ اس نے تنگ پائنچوں کی پتلون پہن رکھی تھی۔ اُسے شبہ ہوا کہ شاید کوئی لڑکی یا لڑکا اُس سے کسی طرح کا کوئی مذاق کرنا چاہتا ہے۔ مگر وہ اس وقت کسی مذاق کے موڈ میں نہیں تھا۔

عورت اُسے دیکھ کر بینچ سے کھڑی ہو گئی۔ "آپ کا نام اطہر ہے؟" اس نے پوچھا۔ آواز سن کر اطہر کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی لڑکا نہیں ہو سکتا۔

"جی ہاں۔ مگر آپ کون ہیں۔؟"

"میں اس وقت ایک بہت اہم بات کے سلسلے میں آپ کے پاس آئی ہوں۔" عورت نے اس کا سوال نظر انداز کر دیا۔

"کیسی بات۔؟"

"آپ سیمیں سے محبت کرتے ہیں اور اُس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

عورت کا سوال اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ اطہر تعجب سے اُس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

"میری بات کا جواب دیجیئے۔"

"مگر آپ یہ کیوں پوچھ رہی ہیں۔ اس سے آپ کا کیا تعلق۔؟"

"میرا بہت گہرا تعلق ہے۔ مگر میں آپ کو سمجھا نہیں سکوں گی۔" عورت نے کہا۔ "بہر حال یہ یقین کریں کہ میں آپ دونوں کی مدد کرنا چاہتی ہوں اور اسی لئے پوچھ رہی ہوں۔"

"بالفرض آپ کا خیال دُرست ہو تو۔"

"تو یہ کہ میں آپ کو وہ طریقہ بتا سکتی ہوں جس سے آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

"آپ شاید یہیں کہیں قریب ہی چُھپی بیٹھی تھیں اور میری اور سیمیں کی باتیں سنتی رہی ہیں؟" اطہر نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ مگر میں جانتی ہوں کہ اس کی ماں اس کی شادی خورشید سے کرنا چاہتی ہیں جو بہت خراب آدمی ہے اور ہرگز ہرگز سیمیں کے قابل نہیں ہے۔"

"آپ یہ... یہ سب کچھ کیسے جانتی ہیں۔؟" اطہر نے بڑھتی ہوئی حیرت سے کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔" عورت نے کہا "تم یہ بتاؤ کہ سیمیں کو اپنانے کیلئے کچھ جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہو یا نہیں۔؟"

"اگر آپ سارے حالات سے باخبر ہیں تو یہ بھی جانتی ہوں گی کہ اب کوئی ایسی کوشش نہیں کی جا سکتی جس......"

"تمہارا خیال غلط ہے۔" عورت نے کچھ بے تابی سے اطہر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے کامیابی ممکن ہے۔"

"وہ کیا۔" اطہر نے پہلی مرتبہ کچھ دلچسپی سے پوچھا۔

"تمہارے والد سیمیں سے اسی لئے نفرت کرتے ہیں نا کہ سیمیں کی بڑی بہن زرّیں اُن کے خیال میں ایک آوارہ لڑکی تھی اور محلّے کے ایک نوجوان کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔"

"ہاں۔ یہی بات ہے۔"

"مگر یہ غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔ زرّیں آوارہ نہیں تھی۔ وہ کسی کے ساتھ فرار نہیں ہوئی۔۔۔"

"تم اس بات کو جھٹلانے کی کوشش کر رہی ہو جسے ساری دُنیا سچ مانتی ہے۔" اطہر نے ناگواری کے ساتھ بات کاٹی۔

"دُنیا کو دھوکا بھی دیا جا سکتا ہے۔ تم زرّیں کی بیگناہی ثابت کر دو۔ اپنے والد کو یقین دلا دو کہ وہ ماڈرن ضرور تھی مگر پاکباز تھی۔ اُس کا دامن کسی گناہ سے آلودہ نہیں ہوا تھا۔ اگر تم نے ایسا کر دیا تو سیمیں تمہاری ہو سکتی ہے۔"

"مگر میں ایک سچ کو کس طرح جھوٹ ثابت کر سکتا ہوں۔" اطہر نے تیزی سے کہا۔ "کیا یہ بات غلط ہے کہ وہ شکیل سے محبت کرتی تھی؟"

"ممکن ہے کہ یہ سچ ہو لیکن..."

"بس تو پھر آگے کچھ اور کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں سیمیں سے محبت کرتا ہوں۔ میں چاہتا تو اُسے اس شادی سے بچانے کیلئے اپنے ساتھ لیکر فرار ہو سکتا تھا۔ مگر میں ذلّت اور رسوائی کے بدلے محبّت حاصل کرنے پر گھٹ گھٹ کر مر جانے کو ترجیح دیتا ہوں۔ زرّیں نے محبّت کو سمجھا ہی نہیں تھا۔ وہ اپنی ہوس کو محبت کا نام دے رہی تھی۔ اور اپنی ہوس پوری کرنے کیلئے خاندان بھر کے نام پر کلنک کا ٹیکہ لگا کر چلی گئی۔ میں اس کے بارے میں ایک لفظ بھی سُننا نہیں چاہتا۔ لوگ رفتہ رفتہ اُس

ذلت کو بھول لینے جا رہے ہیں اب میں اس گندگی کو کرید کر سیمیں اور اس کی ماں کے زخموں کو تازہ نہیں کر سکتا۔"

"یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" عورت نے بڑی افسردگی سے کہا۔

"ہاں۔ مگر تمہیں زریں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے؟" اطہر نے اچانک کسی نئے خیال کے زیرِ اثر پوچھا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ اس گھونگھٹ کی آڑ میں تم اپنے پچھتاوے کو ایک نئے فریب کا روپ دے کر دوبارہ وہ مقام حاصل کرنا چاہتی ہو جسے اپنی حماقت سے تم نے کھویا تھا۔ کہیں تم خود ہی زریں تو نہیں ہو۔ ذرا یہ چادر ہٹاؤ۔ میں تمہاری صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ عورت جلدی سے پیچھے ہٹی مگر اطہر کا ہاتھ گھونگھٹ الٹنے کے لئے اٹھ چکا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے انتہائی سرد ہوا کا ایک جھونکا اس کی انگلیوں کو چھوتا نکل گیا ہو۔ دوسرے لمحے وہ عورت اس کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو چکی تھی اور اطہر جو آگے قدم بڑھا چکا تھا توازن سنبھالنے کی کوشش میں مہندی کی باڑھ سے اُلجھ کر گر گیا۔ اس نے حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر باغ کے اس گوشے میں وہ بالکل تنہا تھا۔

خورشید اپنے دفتر میں سر جھکائے بیٹھا کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔ اچانک اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ اُس نے چونک کر نظریں اُٹھائیں۔ میز کے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر کوئی عورت سفید چادر اوڑھے بڑا سا گھونگھٹ نکالے اس طرح کہ اس کے چہرے کا کوئی حصہ بھی نمایاں نہیں تھا۔ بیٹھی تھی۔ خورشید کو تعجب ہوا کہ یہ عورت کمرے میں کیسے آئی۔ اُس نے اس کے آنے کی آہٹ کیوں نہیں سُنی اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ بیرونی آفس میں بیٹھے ہوئے اس کے خاص آدمی عالم خاں نے اُسے اندر آنے کی اجازت کیوں دے دی۔

"کون ہو تم اور یہاں کیوں آئی ہو۔؟" اس نے تیزی سے پوچھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اگرچہ عورت کا منہ چادر سے چھپا ہوا تھا مگر پھر بھی خورشید کو ایسا احساس ہو رہا تھا جیسے وہ اسے دیکھ رہی ہے۔

"میں کون ہوں یہ بتانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مگر میں یہ ضرور بتاؤں گی کہ میں یہاں کیوں آئی ہوں۔" عورت نے جواب دیا اور نہ معلوم کیوں اس کی آواز سُن کر خورشید کو اپنے جسم کے رونگٹے سے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔ وہ اس طرح بول رہی تھی جیسے کہیں بہت دُور سے بات کر رہی ہو۔ اور اور اس کی آواز بھی جیسے خورشید کے کانوں کو آشنا سی معلوم ہو رہی تھی۔

"تم دفتر میں آئیں کیسے۔ تمہیں کسی نے روکا نہیں۔"

"میں جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔" عورت بولی۔ "مگر بیکار باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔ میں یہاں تمہارے فائدے کے لئے ایک اہم اطلاع لیکر آئی ہوں۔"

"کیسی اطلاع؟"

"ابھی بتاتی ہوں لیکن اس سے قبل میں جو کچھ پوچھوں اس کا سچ سچ جواب دو۔" عورت نے کہا۔ "کیا یہ بات دُرست ہے کہ تم ناجائز منشیات کا کاروبار کرتے ہو۔"

خورشید بُری طرح چونک گیا۔ یہ وہ راز تھا جسے اُس نے بڑی کامیابی کے ساتھ گزشتہ پانچ سال سے چھپا رکھا تھا۔ بظاہر وہ ایک کامیاب آڑھتی تھا۔ ملک کی مختلف منڈیوں سے سامان خرید کر دوسری منڈیوں کو فراہم کرتا تھا۔ رہی یہ بات کہ اس کاروبار کے پردے میں اور کیا کچھ ہوتا ہے اس کے خاص ساتھی عالم خاں کے علاوہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھی۔

"کیا بکواس کر رہی ہو۔؟" اُس نے سنبھلتے ہوئے تیزی سے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ میں نے یہاں آ کر غلطی کی۔" عورت کرسی سے کھڑی ہو گئی۔ "مجھے سیدھا پولیس کے پاس جانا چاہیئے تھا۔ وہ لوگ تمہارے مقابلے میں میری باتیں دلچسپی سے سُنتے۔ انھیں یقیناً یہ معلوم کرنے کا اشتیاق ہوتا کہ خورشید ٹریڈرز کے پیاز والے گودام میں اِس وقت بھی لاکھوں روپے کی چرس بھری ہوئی ہے۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"ٹھہرو۔" خورشید بھی کرسی سے کھڑا ہو گیا۔ "تم۔۔۔ تم اور کیا کچھ جانتی ہو؟"

"یہ پوچھو کہ میں کیا نہیں جانتی۔" عورت نے جواب دیا۔ "میں تو یہ بھی جانتی ہوں کہ پولیس کو پیاز نامی جس مشہور اسمگلر کی تلاش ہے وہ خورشید ٹریڈرز کے مالک کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"تم کون ہو۔۔۔ اور یہ چہرے پر گھونگھٹ کیوں ڈال رکھا ہے۔"

"میں کہہ چکی ہوں کہ یہ جان کر تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" عورت نے لاپرواہی سے کہا۔ "میں صرف تمہارا ایک پُرانا قرض چکانے یہاں چلی آئی تھی۔ لیکن جب تم میری باتوں کو بکواس خیال کرتے ہو تو پھر مزید وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"تم یہاں اپنی مرضی سے آئی تھیں مگر اب میری مرضی کے بغیر نہیں جا سکتیں۔"

"مجھے کون روک سکتا ہے۔؟"

"یہ۔" خورشید نے پھرتی سے میز کی دراز کھول کر ریوالور نکال لیا۔ "چپ چاپ کرسی پر بیٹھ جاؤ ورنہ۔۔۔"

"ورنہ تم مجھے شوٹ کر دو گے۔" عورت کی ہنسی میں گہرا طنز تھا۔ "تین سال پہلے تو تم یہ کام چاقو سے لیا کرتے تھے۔۔۔ یہ ریوالور کب سے استعمال کرنے لگے ہو۔ میں اس وقت تک تم سے کوئی مزید بات کرنا نہیں چاہتی جب تک تم میرے سوالات کے جواب میں سچ بولنے کا وعدہ نہ کرو۔" وہ ایک بار پھر دروازے کی طرف بڑھی۔

"تم یوں نہیں مانو گی۔" خورشید تیزی سے آگے بڑھا اور عورت کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ "اپنی یہ چادر اوپر اٹھاؤ۔ میں تمہاری صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

عورت نے کوئی جواب نہیں دیا خاموش کھڑی رہی۔ خورشید کو غصہ آ گیا۔ اُس نے ریوالور دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا اور سیدھا ہاتھ تھپڑ کی

شکل میں اٹھاتے ہوئے بولا۔ "میں کہتا ہوں چادر ہٹاؤ۔"

عورت اب بھی خاموش کھڑی تھی۔ تاؤ میں آکر خورشید کا ہاتھ چل گیا مگر کسی ٹھوس چیز سے ٹکرانے کے بجائے وہ ہوا میں گزرتا چلا گیا۔ خورشید کو ایک لمحے کے لئے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کا ہاتھ انتہائی برفیلی ہوا کے جھونکے سے چھو گیا ہو۔ تھپڑ پوری طاقت سے مارا گیا تھا۔ اس لئے جب وار خالی گیا تو خورشید اپنا توازن سنبھالنے کی کوشش میں کرسی سے الجھ کر گر پڑا۔ عورت نے ایک ہلکا سا قہقہہ بلند کیا۔

"کوئی اور حسرت ہے تو اسے بھی آزمالو خورشید۔" وہ بولی۔

خورشید اٹھا تو اس کی پیشانی ٹھنڈے پسینے کے قطروں سے بھیگی ہوئی تھی وہ چپ چاپ اپنی کرسی پر جاکر بیٹھ گیا۔ ریوالور دراز میں واپس رکھا اور ایک دوسری دراز سے وہسکی کی بوتل نکال کر منہ سے لگالی۔ دو تین گھونٹ بھرنے کے بعد اس نے رومال سے منہ پونچھا اور بوتل واپس دراز میں رکھدی۔ اب وہ عورت کو دیکھتے ہوئے بھی ڈر رہا تھا۔

"تت تت۔ تم.. تم کون ہو؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تم پھر لاحاصل باتوں میں الجھ رہے ہو" عورت کا لہجہ تلخ تھا۔ "صاف بات کرو۔ میرے سوالات کا جواب دینا چاہتے ہو یا میں جاؤں۔"

"جب تم جانتی ہو تو پوچھ کیوں رہی ہو۔؟"

"میں تمہارے منہ سے اعتراف کرانا چاہتی ہوں" عورت نے کہا۔ "بتاؤ تم منشیات کی ناجائز اسمگلنگ کرتے ہو۔"

"ہاں۔" خورشید نے شکست خوردہ لہجہ میں کہا۔

"اور کل بدھ کو تمہیں چرس کی ایک بھاری کھیپ قاسم گڑھ سے موصول ہونے والی ہے۔؟" خورشید ایک بار پھر چونک اٹھا۔ یہ وہ بات تھی جس کا علم ابھی عالم خاں کو بھی نہیں تھا مگر وہ انکار کرنے کی جرأت نہیں کرسکا۔

"میں یہی کہنے آئی تھی۔" عورت نے کہا "کہ تم فوراً قاسم گڑھ میں اپنے ایجنٹ کو فون کردو۔ پولیس کو اس سلسلے میں مخبری کی جاچکی ہے۔ اگر مال کل آیا تو وہ تمہارے گودام میں نہیں پولیس کی گرفت میں پہونچے گا اور چونکہ وہ ٹرک خورشید ٹریڈرز کے لئے کچھ دوسرا سامان بھی لارہا ہے اس لئے اس کے ساتھ ہی تم بھی پکڑے جاؤگے۔ اپنے ایجنٹ کو فون کرو کہ وہ مال کل کے بجائے جمعہ کے دن روانہ کرے۔"

"بہت اچھا۔ ایسا ہی ہوگا۔" خورشید نے اب حیرت ظاہر کرنا بھی چھوڑ دیا۔ "لیکن پولیس میں مخبری کس نے کی؟"

"اس سوال کا جواب تمہیں خود معلوم کرنا ہوگا۔" عورت نے کہا۔ "یہ بات نوٹ کرلو کہ مال جمعہ کے دن آنا چاہیئے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر اپنی تباہی کے تم خود ذمہ دار ہوگے۔"

"میں اسے مال جمعہ کے دن ہی بھیجنے کی ہدایت کردوں گا۔" خورشید نے وعدہ کیا

"ایک بات اور۔" عورت نے جیسے کسی نئے خیال کے تحت کہا۔ "مال قومی شاہراہ کے بجائے لارنس روڈ سے آنا چاہیئے۔ وہی سڑک جس کے راستے میں پرانی حویلی پڑتی ہے؟"

"یہ کیوں۔" خورشید نے چونک کر پوچھا۔

"اس کی مصلحت تمہیں بعد میں خود معلوم ہوجائے گی۔" عورت نے جواب دیا۔

"اب میں جارہی ہوں۔ ضرورت محسوس ہوئی تو دوبارہ رابطہ قائم کروں گی۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ خورشید ایک لمحہ تک اپنی جگہ خاموش بیٹھا رہا۔ پھر فوراً ہی چونکتے ہوئے اٹھا۔ دروازہ کھول کر بیرونی آفس میں جھانکا۔ عالم خاں ایک مقامی تھوک فروش سے کسی مال کی سپلائی کے بارے میں بات کررہا تھا۔!

"عالم خاں ذرا میرے کمرے میں آنا۔" خورشید نے کہا اور واپس اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ دوسرے لمحے عالم خاں اندر داخل ہوا۔

"کیا بات ہے باس۔" اس نے پوچھا۔

"تم نے ابھی کسی عورت کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔؟"

"عورت کو۔!" عالم خاں نے حیرت سے خورشید کی طرف دیکھا۔ "نہیں تو۔ میرے سامنے تو کوئی بھی آپ کے دفتر میں نہ آیا اور نہ گیا۔ کوئی خاص بات ہے باس۔؟"

"نہیں۔" خورشید نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے سر ہلایا۔ "تم جاؤ۔ اپنا کام کرو۔" عالم خاں باہر گیا تو خورشید اپنے قاسم گڑھ کے ایجنٹ سے بات کرنے کے لئے ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔!

جمعہ کی شام کو نیوگڈول ٹرانسپورٹ کمپنی کا ایک ٹرک قاسم گڑھ سے دارالحکومت کے لئے روانہ ہوا۔ بظاہر اس پر سیبوں کے کریٹ لدے ہوئے تھے مگر یہ بات ٹرک ڈرائیور چراغ دین بھی جانتا تھا اور اس کا کلینر فیضو بھی کہ ان سیبوں کے کریٹ میں پانچ کریٹ ایسے بھی ہیں کہ جن کے اندر سیب نہیں چرس رکھی ہوئی ہے۔ دارالحکومت آنے جانے کے لئے عام طور پر قومی شاہراہ کو استعمال کیا جاتا تھا مگر چراغ دین کو ہدایت کردی گئی تھی کہ وہ برہان پور تک قومی شاہراہ پر سفر کرے اور برہان پور سے آگے لارنس روڈ پر گھوم جائے۔ قومی شاہراہ کی تعمیر سے پہلے لارنس روڈ ہی آمدورفت کے لئے استعمال ہوتی تھی مگر جب بعد میں سیلاب نے اس سڑک کا خاصہ حصہ تباہ کردیا تو وفاقی حکومت نے اس چھوٹی سڑک کو درست کرنے کے بجائے، جو ہمیشہ سیلاب کے خطرے سے دوچار رہتی تھی .... ایک نئی اور زیادہ پختہ سڑک کی تعمیر کو مناسب سمجھا۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ لارنس روڈ کی راہ میں دریا آجانے کی وجہ سے اسے بہرحال آگے نہیں بڑھایا جاسکتا تھا جبکہ قومی شاہراہ کی دوسرے بڑے شہروں تک بھی توسیع کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ قومی شاہراہ کی تعمیر کے بعد سے دارالحکومت سے باہر جانے اور آنے والا تمام ٹریفک اس پر منتقل ہوگیا تھا۔

لارنس روڈ کی حالت بڑی خستہ تھی اس لئے ٹرک احتیاط سے چلانے کے باوجود اسے بُری طرح دھچکے لگ رہے تھے۔ کلینر فیضو بھی چراغ دین کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ برہان پور پہونچتے پہونچتے انھیں رات کے دو بج گئے تھے۔ برہان پور سے دارالحکومت کا راستہ ساٹھ ستر میل سے زیادہ نہیں تھا۔ قومی شاہراہ سے یہ فاصلہ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے میں طے ہوسکتا تھا۔ مگر لارنس روڈ پر آجانے کی وجہ سے وہ

آہستہ چلنے پر مجبور تھے اور اس طرح صبح کے ساڑھے چار بجے بھی اپنی منزل سے تقریباً دس میل دُور تھے۔

"معلوم نہیں اس سڑک سے آنے میں کیا مصلحت تھی" چراغ دین نے ایک بڑے گڑھے سے ٹرک بچاتے ہوئے کہا مسلسل دھکے کھاتے ہوئے اس کا جسم بھی دُکھنے لگا تھا۔

"ممکن ہے قومی شاہراہ پر کہیں پولیس تاک لگائے بیٹھی ہو" فیضو نے جواب دیا۔

"پولیس کبھی راستے میں چھاپہ نہیں مارتی" چراغ دین نے کہا۔ "خطرہ ہمیشہ شہر میں داخل ہوتے وقت ہوتا ہے اور وہ اس روڈ پر بھی پیش آسکتا ہے۔ میونسپل چنگی کے قریب پہنچ کر ہمیں لامحالہ قومی شاہراہ پر آنا پڑے گا۔"

"ذرا دیکھنا استاد سنبھل کے" اچانک فیضو بولا "سامنے بائیں طرف ایک بہت بڑا گڑھا نظر آرہا ہے۔"

چراغ دین نے ٹرک کی ہیڈلائٹس کی روشنی میں سڑک پر غور سے دیکھا "بائیں طرف یا دائیں طرف؟" اس نے جواب دیا۔

"دائیں جانب تو کوئی گڑھا ہے ہی نہیں۔"

"مگر مجھے تو نظر آرہا ہے۔"

"مذاق کررہے ہو استاد۔ گڑھا تو بائیں جانب ہے۔"

"نہیں دائیں جانب ہے" چراغ دین نے ٹرک کی رفتار ہلکی کردی۔

"تم ضرور مارو گے" فیضو گھبرا کر بولا "ارے ارے یہ کیا کررہے ہو۔ دیکھ نہیں رہے ہو اس طرف کتنا بڑا گڑھا ہے جلدی سے دائیں طرف کاٹو۔"

"بیکار باتیں مت کرو" چراغ دین نے کچھ جھلا کر کہا "صاف تو دکھائی دے رہا ہے کہ گڑھا دائیں طرف ہے۔"

اُس نے پھرتی سے اسٹیرنگ وہیل بائیں جانب موڑتے ہوئے ٹرک کو گڑھے سے بچا کر گزرنا چاہا لیکن اسی وقت ایک زور کا جھٹکا لگا۔ ٹرک کے اگلے دو پہیے گڑھے سے نکل گئے۔ پچھلے پہیوں کی باری آئی تو ایک اور جھٹکا لگا۔ کوئی چیز ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور ٹرک پچھلی جانب سے ایک دم نیچے جھک گیا۔ چراغ دین کا سر اسٹیرنگ وہیل سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔ فیضو نے خود کو سنبھال نہ لیا ہوتا تو ضرور سیٹ سے گر جاتا۔ "سنیا ناس" چراغ دین بڑبڑایا۔ "معلوم ہوتا ہے ایکسل ٹوٹ گیا ہے۔"

"کیوں استاد۔ میں نے کیا کہا تھا" فیضو نے منہ بنایا "گڑھا بائیں جانب نکلا کہ دائیں جانب۔"

چراغ دین تیزی سے دروازہ کھول کر نیچے اترا اور اُس نے بڑی حیرت سے دیکھا کہ گڑھا سچ مچ بائیں طرف واقع ہوا تھا۔ اتنا بڑا کہ اگر ایکسل نہ بھی ٹوٹتا تب بھی اس میں پہیے پھنس جانے کے بعد ٹرک کو باھر نکالنا مشکل ہوجاتا۔

"اور اب کیا کیا جائے استاد" فیضو نے ٹرک کے پچھلے حصہ کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ چراغ دین کے بعد وہ بھی نیچے اُتر آیا تھا "ٹرک تو دو دن تک آگے بڑھنے والا نہیں۔ کیا مال ہم اپنی کمر پر لاد کر گودام تک پہنچائیں؟"

"مذاق مت کرو" چراغ دین ناگواری سے بولا "حیرت ہے کہ مجھے گڑھا دائیں جانب کیوں نظر آرہا تھا۔"

"اپنی آنکھوں کا علاج کراؤ ورنہ زندگی بھر ٹرک نہیں چلا سکو گے۔"

"میری آنکھوں میں کوئی خرابی نہیں ہے" چراغ دین نے کچھ چڑ کر جواب دیا "یہ کوئی دوسری ہی بات معلوم ہوتی ہے۔"

"دوسری ہو یا تیسری سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔"

"ہم اس کے علاوہ اور کیا کرسکتے ہیں کہ اب صبح ہونے کا انتظار کریں۔ پھر تم ٹرک کے پاس ٹھہرو اور میں خورشید صاحب کو جا کر اس حادثے کی اطلاع دوں۔ پھر وہ جس طرح کہیں گے اسی طرح کیا جائیگا۔"

"دن کی روشنی میں ٹرک کو اس طرح سڑک پر چھوڑنا جبکہ اس میں مال بھی موجود ہو خطرناک ہوسکتا ہے" اچانک پیچھے سے آواز آئی۔

چراغ دین اور فیضو دونوں ہی اُچھل پڑے۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ بجلی کے کھمبے کے قریب ایک درخت کی آڑ سے نکل کر کوئی عورت اُن کی طرف آرہی تھی، عورت نے سفید چادر اوڑھ رکھی تھی مگر اس طرح کہ چادر کا گھونگھٹ اس کے پورے چہرے کو چھپائے ہوئے تھا۔ چراغ دین نے بڑے بوڑھوں سے جنوں بھوتوں اور چڑیلوں کی بہت سی کہانیاں سُن رکھی تھیں۔ اس وقت رات کے پچھلے پہر اس عورت کو اچانک تاریکی سے نکل کر روشنی میں آتے دیکھ کر اسے وہ تمام کہانیاں یاد آگئیں۔ اُس نے خوف زدہ نظروں سے عورت کی طرف دیکھا اور اس کی نظریں بے اختیار اس کے پیروں پر پڑیں۔ عورت کے پیروں کے پنجے چہرے کی جانب ہی تھے، اسے کچھ اطمینان ہوا۔ یہ عورت کم سے کم چڑیل نہیں ہوسکتی اس نے سوچا۔ دوسری طرف فیضو کا حال بھی اس سے کچھ مختلف نہیں تھا۔ بلکہ وہ چراغ دین سے کچھ زیادہ ہی بزدل نکلا کہ اس نے عورت کو دیکھتے ہی پیچھے ہٹ کر چراغ دین کی آڑ میں ہونے کی کوشش کی۔

"تم کون ہو؟" چراغ دین نے ہمت کرکے پوچھ ہی لیا۔

"میں خورشید صاحب کی ایک بہت ہی پرانی شناسا ہوں" عورت نے جواب دیا "تمہیں مجھ سے ڈرنے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ آج رات مال اس سڑک سے آرہا ہے اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ سڑک کی حالت بہت خراب ہے۔ ممکن ہے کوئی حادثہ پیش آجائے۔ اس لئے تمھاری مدد کے خیال سے آگئی تھی۔ معاملہ صرف سیبوں کا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی، مگر ٹرک میں پانچ کریٹ چرس کے بھی رکھے ہیں۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ جب تک ٹرک درست نہ ہوجائے یا اس مال کو کسی دوسرے ٹرک سے بھیجنے کا انتظام ہو اس وقت تک ان پانچ کریٹوں کو کہیں چھپا دیا جائے۔ تم نے پرانی حویلی کا نام سنا ہوگا۔ وہ اسی سڑک پر تقریباً ایک فرلانگ آگے جاکر دائیں طرف واقع ہے، حویلی مدتوں سے اجاڑ پڑی ہوئی ہے۔ اگر

چرس کے کریٹ وہاں چھپا دیئے جائیں تو ہر طرح محفوظ رہیں گے۔ پھر جس طرح تم نے سوچا ہے۔ فیضو کو ٹرک کے پاس چھوڑ کر تم خورشید صاحب کو اطلاع دینے جا سکتے ہو۔"

عورت کچھ اس خود اعتمادی سے بات کر رہی تھی اور اس نے کچھ ایسے پتے کی باتیں بتائی تھیں کہ چراغ دین کو پورا پورا یقین آ گیا کہ وہ ضرور خورشید صاحب کی کوئی واقف کار ہوگی۔ اگرچہ اس کی موجودگی اور پھر اس کا حلیہ اسے پراسرار ثابت کر رہا تھا مگر چراغ دین نے اس مسئلہ پر سر کھپانا بے سود سمجھا۔ اسے عورت کی رائے ہر طرح مناسب معلوم ہو رہی تھی۔ پرانی حویلی میں یہ چرس کے کریٹ واقعی محفوظ رہیں گے۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔ "ہم اسی طرح کرتے ہیں۔" اور فیضو کو ساتھ لے کر ٹرک کے پچھلے حصے کی جانب بڑھ گیا۔ اسے معلوم تھا کہ چرس کے کریٹ کہاں رکھے ہیں۔ کسی قدر دشواری سے وہ سیب کے کئی کریٹوں کے نیچے سے چرس کے کریٹ نکال کر جب ٹرک سے اترے تو وہ پراسرار عورت غائب ہو چکی تھی۔

✿

خورشید نے سر سے پیر تک چراغ دین کو بڑے غور سے دیکھا۔ وہ اس ٹرک ڈرائیور سے اچھی طرح واقف تھا۔ قاسم گڑھ سے مال لے کر عموماً وہ ہی آیا کرتا تھا اور ہر اعتبار سے بھروسے کا آدمی تھا۔

"تو پرانی حویلی کے پاس ایک گڑھے میں پھنس کر ٹرک کا ایکسل ٹوٹ گیا" اس نے کہا۔

"جی ہاں۔" چراغ دین نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس نے گڑھے کے دائیں یا بائیں ہونے کا قصہ نہیں بتایا تھا۔

"اور پھر تم نے ایک عورت کے مشورے پر مال کو پرانی حویلی میں پوشیدہ کر دیا"

"جی ہاں۔ دن کی روشنی میں وہ کریٹ ٹرک میں نہیں چھوڑے جا سکتے تھے" چراغ دین نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ اس عورت نے کہا تھا کہ وہ آپ کو جانتی ہے بلکہ برسوں کی آشنا ہے۔ اس کی باتوں سے بھی معلوم ہو رہا تھا کہ..."

"ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔" خورشید نے بات کاٹی۔ "تم نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ میں ابھی اس ٹرک کی مرمت کا انتظام کرتا ہوں لیکن مال رات ہی کو آئے گا۔ میرے پاس اپنا ٹرک بھی ہے۔ تم رات کو دس بجے میرے پاس آنا۔ میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

"لیکن جناب مجھے قاسم گڑھ واپس جانا ہے۔" چراغ دین نے کہا۔ "مختار صاحب نے تاکید کر دی تھی کہ مال پہنچا کر فوراً واپس آؤں۔ آج کل ان کے پاس ڈرائیور کم ہیں اور اس ہفتہ مال کی بکنگ کافی زیادہ ہوئی ہے۔"

"لیکن تم ٹرک درست ہونے سے پہلے کیسے جا سکتے ہو۔؟"

"میں نے مختار صاحب سے فون پر بات کی تھی۔" چراغ دین نے بتایا۔ "انھوں نے کہا تھا کہ میں ٹرک کی مرمت کا انتظار نہ کروں۔ ٹرک کو آپ کے سپرد کر کے فیضو کو لے کر واپس پہنچوں۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس سلسلہ میں آپ سے بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے اگر مختار نے مجھ سے کہا تو میں تمہیں چھٹی دے دوں گا۔" خورشید نے جواب دیا۔ "لیکن اس سے پہلے تم مجھے بتائے بغیر نہیں جاؤ گے۔ میں عالم خاں سے کہتا ہوں وہ کسی مکینک کا انتظام کر دے گا۔ تم اس مکینک کو ساتھ لے جا کر ٹرک دکھا دو۔ پھر یہاں واپس آؤ۔ اگر تمہیں جانا ہی پڑا تو تمہارے جانے سے قبل میں یہ ضرور دیکھنا چاہوں گا کہ تم نے وہ کریٹ پرانی حویلی میں کہاں چھپا کر رکھے ہیں"

✿

سیمیں ابھی کالج سے واپس آ کر اپنے کمرے میں کپڑے تبدیل کر رہی تھی کہ اس کی ماں اندر داخل ہوئیں۔

"بیٹی میں ذرا پڑوس میں بلقیس کی امی کے پاس جا رہی ہوں۔" انھوں نے کہا۔ "ان کے کپڑے سِل گئے ہیں وہ دے آؤں۔ چائے باورچی خانے میں بنی رکھی ہے۔ ٹھنڈی ہو گئی ہو تو گرم کر لینا۔ اور ہاں چائے پی کر آٹا گوندھ لینا میں آ کر روٹی ڈال لوں گی۔"

"روٹی بھی پکا لوں تو کیا حرج ہے۔" سیمیں نے کہا۔ "آپ تو مجھے گھر کے کام میں ہاتھ ہی نہیں لگانے دیتیں۔"

"اب تک تم ہی تو کرتی آئی ہو بیٹی۔ تمہارے امتحان ہونے والے ہیں۔ اس لئے میں نے تھوڑا بہت کام لے لیا ہے تاکہ تمہیں پڑھنے کے لئے زیادہ وقت مل سکے۔"

"دو آدمیوں کی روٹی پکانے میں کتنا وقت لگتا ہے امی آپ جائیے۔ میں روٹی بھی پکا لوں گی۔" سیمیں نے جواب دیا۔

سیمیں کی امی چلی گئیں۔ سیمیں نے لباس تبدیل کیا اور منہ ہاتھ دھونے کے ارادے سے غسل خانے کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک اسے دروازے کا خیال آ گیا۔ ایک دو مرتبہ ایسا اتفاق بھی ہوا تھا کہ خورشید اس کی ماں کی عدم موجودگی میں آ گیا تھا اور اپنی بے تکلفانہ باتوں سے کافی پریشان کیا تھا۔ اس لئے اس نے سوچا کہ دروازے کی کنڈی لگا لوں تو اچھا ہے۔ ورنہ ان حضرت سے کیا بعید ہے اگر وہ اس وقت آ ٹپکے تو خواہ مخواہ کی بوریت ہوگی۔ وہ اس ارادے سے ڈیوڑھی کی جانب گھومی ہی تھی کہ اس نے ایک عورت کو دروازے سے صحن کی طرف آتے دیکھا۔ عورت نے سفید چادر اوڑھ رکھی تھی اور اتنا بڑا گھونگھٹ نکالا ہوا تھا کہ اس کا پورا چہرہ چادر میں چھپ گیا تھا۔

"آپ کون ہیں؟" سیمیں نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

"میں تمہاری ایک ہمدرد ہوں" عورت نے جواب دیا۔ "اور ایک ایسے مسئلہ میں تمہاری مدد کرنے آئی ہوں جس نے تمہاری راتوں کی نیند حرام کر رکھی ہے۔"

"کیا مطلب؟" سیمیں نے کچھ چونکتے ہوئے کہا۔ "آپ ذرا یہ گھونگھٹ اٹھا کر بات کریں نا"

"اس پردے کو یونہی رہنے دو سیمیں۔ میں تمہیں یا کسی کو بھی اپنی صورت دکھانا نہیں چاہتی۔"

"وہ کیوں؟"

"اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ہم بیکار باتوں میں الجھ رہے ہیں۔ کیا

صورت دکھائے بغیر کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔"

"لیکن آپ میری کیا مدد کرنا چاہتی ہیں؟ اور کیوں کرنا چاہتی ہیں، جبکہ آپ سے کوئی جان پہچان بھی نہیں ہے۔"

"جان پہچان تو گہری ہے سیمیں لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔" عورت نے جواب دیا۔ "مجھ پر اعتبار کرو۔ میں تمھاری ہمدرد اور خیر خواہ ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تمھیں اپنے تایا زاد بھائی سے گہری انسیت ہے اور تم دونوں ایک دوسرے کی زندگی کے رفیق بننا چاہتے ہو۔ لیکن بعض حالات نے تمھارے درمیان ایک ایسی دیوار کھڑی کر دی ہے جسے عبور کرنے کی کوئی صورت تمھاری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تمھاری امی نے خورشید کے احسانات کے بوجھ سے دب کر اس کے ساتھ تمھاری شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مگر خورشید بھیڑ کے روپ میں بھیڑیا ہے، وہ اب تک نہ جانے کتنی معصوم لڑکیوں کو شادی کر کے یا شادی کے بغیر اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا چکا ہے۔"

"آپ خورشید کو جانتی ہیں" سیمیں نے دلچسپی سے پوچھا

"بہت اچھی طرح۔ میں خود اس کے ظلم کا شکار بن چکی ہوں۔" عورت نے کہا "اور اب تمھیں اس کے پنجے سے بچانا چاہتی ہوں۔ مگر اس کے لئے تمھیں کچھ کوشش کرنا پڑے گی۔"

"کیسی کوشش؟"

"ابھی تمھاری امی واپس آجائیں تو ان سے کوئی بھی مناسب بہانہ کر کے جانے کی اجازت لو۔ پھر جا کر اطہر سے ملو اور اسے اپنے ساتھ لے کر رات کے ساڑھے دس بجے پرانی حویلی پہنچ جاؤ۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"جو کچھ ہونا ہے یا جو کچھ ہوگا اسے تم مجھ پر چھوڑ دو۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سیمیں نے جواب دیا۔ "میں بے شک خورشید صاحب سے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں۔ لیکن ایک مصیبت سے بچنے کے لئے میں کسی دوسری مصیبت میں مبتلا ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جب تک مجھے خود اطمینان نہ ہو جائے کہ میرا کوئی اقدام میرے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے میں اس پر کس طرح عمل کر سکتی ہوں، اس کے علاوہ آپ نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرنا میرے لئے انتہائی مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔"

"آدمی کوشش کرنے پر کمر باندھ لے تو کوئی بات مشکل نہیں ہوتی۔" عورت نے کہا۔ "جہاں تک تمھارے اطمینان کا تعلق ہے تو میں کہہ چکی ہوں کہ تمھیں مجھ پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ تم مجھے اجنبی سمجھ رہی ہو مگر میں اجنبی نہیں ہوں۔ میرا ان تمام واقعات سے اتنا گہرا تعلق ہے کہ تم اندازہ نہیں کر سکتیں۔ خدا کے لئے مجھ پر اعتماد کرو میں تمھارا بھلا چاہتی ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے مگر آپ کا پراسرار رویہ مجھے اور مشکوک کر رہا ہے۔" سیمیں نے کہا "جب تک مجھے تفصیل نہ معلوم ہو میں خواہش کے باوجود آپ کی بات نہیں مان سکتی۔"

"کیا تمھاری محبت اتنی ہی کمزور اور کم ہمت ہے کہ اس کی خاطر تم ذرا سا خطرہ بھی مول نہیں لے سکتیں۔" عورت نے بڑے افسردہ لہجہ میں کہا۔ "آخر تمھیں کس بات کا اندیشہ ہے۔ میں تمھیں تنہا کہیں جانے کے لئے کہتی تو شاید یہ سوچا جا سکتا تھا کہ میں تمھیں کچھ نقصان پہنچانا چاہتی ہوں۔ لیکن میں تمھیں اس ہستی کے ساتھ پرانی حویلی جانے کے لئے کہہ رہی ہوں جس پر تمھیں سب سے زیادہ اعتماد ہونا چاہیئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری تمام تر جد و جہد کے باوجود تقدیر تمھیں خورشید جیسے شیطان کا لقمہ تر بنانے کے لئے تلی ہوئی ہے۔ میں نے تمھاری امی سے بات کی مگر انھوں نے میرا مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میں اطہر سے ملی مگر اسے بھی ایک بہت بڑے جھوٹ نے میری باتوں پر یقین کرنے سے باز رکھا۔"

"کیا آپ امی اور اطہر سے مل چکی ہیں۔" سیمیں نے جلدی سے بات کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ اگر مجھے ذرا بھی یقین ہوتا کہ میرے گھونگھٹ اٹھا دینے سے یا حقیقت کا اظہار کر دینے سے لوگ میری داستان کو سچ تسلیم کر لیں گے تو میں اس کے لئے بھی تیار ہو جاتی مگر میں جانتی ہوں کہ میری باتیں بظاہر اتنی عجیب معلوم ہوں گی کہ کوئی بھی انہیں سچ ماننے کو تیار نہیں ہوگا۔"

عورت کے لب و لہجہ میں اتنا خلوص اور کچھ ایسی بے بسی رچی ہوئی تھی کہ سیمیں اس کی تجویز پر عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی۔

"میں امی سے تو کسی سہیلی کے گھر جانے کا بہانہ کر دوں گی۔" اس نے کہا "مگر اس وقت اطہر پتہ نہیں کہاں ہوں گے، ان سے ملاقات کیسے ہوگی۔"

"اطہر اپنے گھر پر ہے۔" عورت نے بتایا۔ "تم اسے کسی بھی پبلک بوتھ سے فون کر کے بلا سکتی ہو۔"

"اور اگر اطہر نے پرانی حویلی جانے سے انکار کر دیا تب۔"

"تم چاہو تو اسے میرے بارے میں بتا سکتی ہو۔" عورت نے کہا۔ "مگر مجھے یقین ہے کہ اگر تم زور دے کر کہو تو وہ تمھارے ساتھ کسی بھی جگہ جانے کے لئے تیار ہو جائے گا۔"

✱

اطہر کے والد عاقل حسین صاحب کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، اور اس کاروبار میں اتنی ترقی کی تھی کہ شہر کی سب سے بڑی مارکیٹ میں ان کے مقابلہ کا کوئی دوسرا دکاندار مشکل سے ہی ہوگا۔ ہزاروں کی آمدنی تھی اور اس آمدنی کو عاقل صاحب نے بڑی عقلمندی سے صرف کیا تھا۔ ان کا اپنا بنگلہ تھا، کار تھی، ایک چھوٹی سی اسپورٹ کار اطہر کو بھی دے رکھی تھی۔ یوں تو بہت معقول قسم کے بزرگ تھے مگر پرانے خیالات کے آدمی تھے، لڑکیوں کو حد سے زیادہ آزادی دینے اور مخلوط تعلیمی اداروں میں پڑھانے کے سختی سے مخالف تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی کامل نے جب اپنی بیٹی زرین کو ایک ایسے ہی کالج میں داخل کرایا تو انھوں نے کافی مخالفت کی تھی۔ یوں بھی وہ چھوٹے بھائی کی آزاد روش کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ جب زرین کے شکیل کے ساتھ بھاگنے کا افسانہ مشہور ہوا تو انھوں نے کامل صاحب کے گھر جا کر انہیں لعنت ملامت کی اور اس دن کے بعد سے پھر کبھی بھائی یا بھائی کی اولاد سے

کوئی رابطہ نہ رکھا۔ اب یہ ان کی زیادتی تھی یا حد سے بڑھی ہوئی اصول پسندی اس کا فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔

ہفتے کے دن وہ حسبِ معمول ساڑھے نو بجے دوکان سے واپس آئے۔ بیگم صاحبہ نے ان کے لئے کھانا نکالا کھانا کھاتے ہوئے عاقل صاحب نے اطہر کے بارے میں پوچھا بیگم صاحبہ نے بتایا کہ مغرب کے وقت اس کے کسی دوست کا فون آیا تھا اس کے بعد وہ کار لے کر کہیں گیا ہے۔ عاقل صاحب خاموشی سے کھانے لگے۔ انہیں اطہر سے بھی شکایت ہو چلی تھی کہ جب سے وہ کالج میں داخل ہوا ہے اس کے طور طریقے بھی مغرب زدہ ہوتے جا رہے تھے۔

ابھی وہ کھانا کھا کر فارغ نہ ہوئے تھے کہ کسی نے اطلاعی گھنٹی بجائی۔ پھر ملازمہ نے آکر اطلاع دی کہ کوئی عورت ان سے ملنا چاہتی ہے۔ ملازمہ نے اس سے اندر آنے کے لئے کہا مگر وہ گھر میں آنا نہیں چاہتی باہر بنگلے کے برآمدے میں کھڑی ہے اور عاقل صاحب کو وہیں بلا رہی ہے۔ عاقل صاحب یہ سن کر حیران تو ہوئے مگر نجانے کیا سوچ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ برآمدے میں پہنچے تو ایک عورت کو سفید چادر اوڑھے برآمدے میں کھڑا دیکھا۔ عورت نے چادر کا گھونگھٹ اتنا آگے نکالا ہوا تھا کہ اس کا چہرہ اس میں بالکل چھپ گیا تھا۔

"تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو؟" عاقل صاحب نے اُسے حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔" عورت نے جواب دیا۔ "میں آپ کو یہ اطلاع دینے آئی تھی کہ آپ کے صاحبزادے اطہر آپ کی بھتیجی ثمین سے محبت کرتے ہیں اور چونکہ انہیں یقین ہے کہ آپ اُن کی اور ثمین کی شادی کی اجازت نہیں دیں گے اس لئے وہ آج رات ثمین کو اپنے ساتھ لے کر گھر سے فرار ہو رہے ہیں۔"

عاقل صاحب ایک لمحہ کے لئے سناٹے میں آگئے۔

"تم کون ہو اور تمہیں اس بارے میں کیسے معلوم ہوا؟" انھوں نے کچھ سنبھلتے ہوئے پوچھا۔

"میں کوئی بھی ہوں اس سے اصل معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مجھے ایک بات کی اطلاع ملی تھی اور وہ میں آپ کی ہمدردی کے خیال سے بتانے چلی آئی آگے آپ جانیں اور آپ کا کام۔"

"مگر مجھے کیسے یقین ہو کہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ ایک تہمت کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟"

"تو مت یقین کیجیے۔ کل جب لوگوں کی زبان پر اس بات کا چرچا ہو گا تو خود ہی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ مگر افسوس کی بات یہ ہوگی کہ وقت آپ کے ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔"

"مگر تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟"

"اطہر اسی کالج میں پڑھتا ہے جس میں ثمین زیرِ تعلیم ہے۔ آپ کو ممکن ہے اس سلسلہ میں کوئی علم نہ ہو مگر کالج میں ان کے معاشقہ کا چرچا عام ہے۔"

"ہوں۔" عاقل صاحب گہری سوچ میں پڑ گئے۔

"مجھے محض اتفاق سے معلوم ہو گیا ہے کہ انھوں نے شہر کے باہر پرانی حویلی میں ملنا طے کیا ہے۔" عورت نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کالج کے کچھ دوست بھی ان کے راز دار ہیں۔ پروگرام یہ ہے کہ اس حویلی میں نکاح کی تقریب کے بعد وہ دونوں کار میں مظفر آباد چلے جائیں گے۔ وہاں اطہر کے کسی دوست کا مکان خالی پڑا ہے اور اُس نے انہیں اس مکان میں اپنا ہنی مون گذارنے کی اجازت دے دی ہے مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ آج رات ساڑھے دس بجے تک پرانی حویلی سے روانہ ہو جائیں گے۔"

عاقل صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا وہ اپنی سوچ میں گم کھڑے رہے اور پھر جس وقت چونکے تو عورت ان کے سامنے موجود نہیں تھی۔ مگر اتنی دیر کی سوچ میں عاقل صاحب ایک فیصلہ کر چکے تھے اور وہ فیصلہ یہی تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے چھوٹے بھائی کے گھر کی گندگی اپنے عالیشان مکان کے صحن میں نہیں بکھرنے دیں گے۔ وہ تیزی کے ساتھ گھر میں واپس گئے۔ جلدی جلدی لباس تبدیل کیا اور پھر بیگم صاحبہ پوچھتی ہی رہ گئیں مگر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر۔۔۔ شاید تین برس میں پہلی بار۔۔۔ اپنے مرحوم بھائی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

✻

رات کے دس بج رہے تھے اور ثمین ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ ثمین کی امی اب فکر مند ہوتی جا رہی تھیں۔ یہ بالکل پہلا اتفاق تھا کہ ثمین اتنی رات گئے گھر سے باہر تھی۔ انہیں صالحہ کا گھر بھی معلوم نہیں تھا جس سے کچھ ضروری نوٹس لینے کا بہانہ کر کے ثمین نے اُن سے جانے کی اجازت لی تھی، وہ اسی فکر میں غلطاں تھیں کہ کیا کیا جائے اور کیا نہیں کہ انہیں گھر کے سامنے کوئی کار رکنے کی آواز سنائی دی کئی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ ثمین کی دولت مند سہیلیاں اُسے اپنی کار میں گھر تک چھوڑنے آگئی تھیں۔ ثمین کی امی نے اسی خیال سے دروازہ کھول کر جھانکا کہ شاید ثمین آگئی ہو مگر وہاں انھوں نے کار سے ثمین کے بجائے اپنے جیٹھ عاقل صاحب کو کار سے اترتے دیکھا۔ ثمین کی امی انہیں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

عاقل صاحب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھے ثمین کی امی جلدی سے پیچھے ہٹ گئیں۔ عاقل صاحب لاکھ بیگانے بن گئے تھے مگر آخر اُن کے مرحوم شوہر کے بڑے بھائی تھے۔

"آداب بھائی صاحب۔" انھوں نے جلدی سے سر پر دوپٹہ ڈالتے ہوئے کہا

"ثمین کہاں ہے؟" عاقل صاحب نے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

"ثمین؟" ثمین کی امی نے حیرت سے دہرایا اور پھر ان کا دل دھڑکنے لگا۔ الٰہی خیر انھوں نے دل میں کہا یہ آج بھائی صاحب ثمین کو پوچھتے ہوئے کیوں آئے ہیں

"میں پوچھ رہا ہوں ثمین کہاں ہے؟" اس مرتبہ عاقل صاحب نے کچھ تیزی سے کہا۔

"وہ۔۔۔ وہ اپنی کسی سہیلی سے ملنے گئی ہے۔"

"ہوں۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔" عاقل صاحب نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔ "تین سال پہلے جب زرین کی ذلیل حرکت کے بعد میں نے اس گھر سے ناطہ توڑا تھا تو سوچا تھا کہ میں گندگی کی ان چھینٹوں سے اپنا اور اپنے بچوں کا دامن بچا لوں گا۔ جو اس ناخلف لڑکی نے خاندان کی عزت کو گٹر میں پھینک کر اڑائی تھیں مگر

یہ معلوم نہیں تھا کہ ایک دن یہ غلاظت میری لاکھ احتیاط کے باوجود میرے بیٹے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔"

"بھائی صاحب آپ یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں کچھ نہیں سمجھی۔"

"جان بوجھ کر انجان مت بنو۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ تمہارا ہی کیا دھرا ہے۔ تم نے مجھ سے انتقام لینے کے لئے یہ منصوبہ بنایا تھا مگر یاد رکھو کہ میں تمہاری کوئی چال کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔"

"کیسی چال کیسا منصوبہ بھائی صاحب۔ آخر مجھے معلوم تو ہو کہ اب میں نے کیا کیا ہے۔"

"کیا تمہیں اس سے انکار ہے کہ تم نے اپنی بیٹی سیمیں کو اس بات پر اکسایا کہ وہ میرے بیٹے اطہر کو اپنے جال میں ....."

"بس بھائی صاحب آگے کچھ نہ کہیئے۔" سیمیں کی امی بھرائی ہوئی آواز میں بولیں "آپ نے ہمارے ساتھ جو سلوک بھی کیا مجھے اس پر آپ سے کوئی گلہ شکوہ نہیں۔ جب اپنی ہی دہی کھٹی ہو تو چکھنے والوں کو دوش کیوں دیا جائے۔ زریں کی نادانی کا خمیازہ ہم تین سال سے بھگتتے چلے آرہے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ایک ناشدنی واقعہ کی آڑ لے کر ہمیں خود اپنی ہی نظروں میں ذلیل کرنے کی کوشش کریں۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ ان تین برسوں میں میں نے ایک بار بھی اطہر کی صورت نہیں دیکھی۔"

"تو کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ سیمیں بھی اسی کالج میں پڑھتی ہے جس میں اطہر پڑھتا ہے۔"

"نہیں بھائی صاحب خدا گواہ ہے کہ یہ بات آج پہلی بار آپ کی زبان سے سن رہی ہوں۔"

عاقل صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے۔

"ہو سکتا ہے کہ سیمیں نے تمہیں کچھ نہ بتایا ہو مگر مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سیمیں اور اطہر آج پوشیدہ طور پر شادی کر رہے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ نہ اطہر گھر پر موجود ہے اور نہ سیمیں۔"

"اوہ میرے خدا۔" بے اختیار سیمیں کی امی کی زبان سے نکلا اور وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"مگر میں یہ شادی ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔" عاقل صاحب کچھ تیزی سے بولے "تم ابھی میرے ساتھ چلو۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ دونوں پرانی حویلی گئے ہیں جہاں اطہر کے کچھ دوستوں نے شادی کا انتظام کر رکھا ہے اور شادی کے بعد ان کا ارادہ مظفر آباد جانے کا ہے۔"

✲

انسپکٹر ریاض ان دنوں کافی مصروف تھا۔ پولیس کو برابر اس قسم کی اطلاعات مل رہی تھیں کہ ملک میں بہت بڑے پیمانے پر ناجائز منشیات کی اسمگلنگ ہو رہی ہے کسی بیرونی ملک سے مجرموں کے ایک بڑے سنڈیکیٹ نے چرس کی بھاری مقدار طلب کی تھی جسے پورا کرنے کے لئے بدمعاشوں اور اسمگلروں کے تین چار گروہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی باہمی جھڑپیں بھی ہوئی تھیں جن کے نتیجہ میں کئی آدمی بھی مارے گئے تھے۔ پولیس کو دوسرے نامی اسمگلروں کے علاوہ نیاز نامی ایک رسوائے زمانہ بدمعاش اور اسمگلر کی بھی تلاش تھی۔ گذشتہ پانچ سال سے یہ نام ان کے لئے باعثِ پریشانی بنا ہوا تھا۔ کتنے ہی بدمعاشوں نے پکڑے جانے پر یہ اعتراف کیا کہ وہ نیاز کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں، مگر خود نیاز کون ہے اور کہاں رہتا ہے اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔ حد تو یہ ہے کہ لوگ اس کے صورت آشنا بھی نہیں تھے۔ پولیس کے ریکارڈ میں اس کا کوئی فوٹو یا حلیہ وغیرہ درج نہیں تھا۔ صرف ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا تھا کہ شہر کے ایک شراب خانے میں دو آدمیوں کی باہمی گفتگو سن کر وہاں کے بارمین کو ان میں سے ایک آدمی پر نیاز ہونے کا شبہ ہوا۔ وہ دونوں اسکاچ وسکی کی ایک پوری بوتل خرید کر بیٹھے تھے اور اس وقت تک نہیں اٹھے جب تک بوتل خالی نہیں ہو گئی۔ بارمین نے بڑی ذہانت سے کام لیا۔ اس نے ان کے جاتے ہی بوتل اور گلاس دونوں اٹھا کر بڑی حفاظت سے رکھ دیئے اور پولیس کو فون پر اس بات کی اطلاع کر دی۔ پولیس نے اس بوتل اور گلاس پر پائے جانے والے انگلیوں کے نشانات کو محفوظ کر لیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بوتل سے دونوں گلاسوں میں شراب صرف ایک ہی شخص لوٹ رہا تھا کیونکہ بوتل پر صرف ایک ہی شخص کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ گلاسوں میں البتہ نشانات مختلف تھے۔ ان میں سے ایک گلاس پر چار اور دوسرے پر صرف دو یعنی انگوٹھے اور پہلی انگلی کے نشانات تھے۔ خیال تھا کہ نشانات کے ان دو سیٹوں میں سے کوئی ایک سیٹ نیاز کی انگلیوں کے نشانات کا ہے۔ مگر کون سا یہ معلوم نہیں تھا۔

انسپکٹر ریاض کا تعلق اگرچہ سنگین فوجداری جرائم کی تحقیقات سے تھا اور اسمگلنگ کی روک تھام اس کے دائرۂ کار سے باہر تھی لیکن اس سلسلے میں کئی قتل ہو گئے تب سے اسے بھی تحقیقاتی ٹیم میں شامل کر لیا گیا تھا۔ ہفتہ کی رات کو کیس کی تازہ ترین صورتِ حال پر افسرانِ بالا کی ایک خاص میٹنگ میں شریک ہونے کے بعد جب وہ ہیڈ کوارٹر کی عمارت سے باہر نکلا تو دس بج کر چند منٹ ہوئے تھے۔ وہ خود کو بے حد تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ سوچا کہ ہیڈ کوارٹر کے کینٹین میں ایک کپ کافی پی لے مگر پھر ارادہ بدل دیا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر آرام کرنا چاہتا تھا۔ سیڑھیوں سے اتر کر وہ پارکنگ شیڈ کی طرف چلا۔ جہاں اس کا اسکوٹر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن ابھی شیڈ میں داخل ہی ہوا تھا کہ اچانک پتہ نہیں کہاں سے نکل کر ایک عورت جس نے سفید چادر اوڑھی ہوئی تھی اس کے سامنے آ گئی۔ ریاض اس کی صورت نہیں دیکھ سکا کیونکہ چادر کا گھونگھٹ اتنا آگے نکلا ہوا تھا کہ چہرے کا کوئی حصہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" ریاض نے کچھ ناگواری سے پوچھا۔

دن رات میں مختلف افراد جن میں زیادہ تر عورتیں شامل ہوتی تھیں اس کے اور دوسرے پولیس افسروں کے پاس کسی نہ کسی قسم کی سفارش کے لئے آتی رہتی تھیں۔ وہ اپنے بیٹے، شوہر، باپ یا ایسے ہی کسی قریبی رشتہ دار کے لئے رحم و ہمدردی کی طالب ہوتی تھیں۔ ریاض سمجھا کہ شاید اس عورت کا بھی بھائی یا شوہر

وغیرہ گرفتار کر کے ہیڈکوارٹر لے آیا گیا ہے۔

"مجھے آپ کو ایک اہم اطلاع دینا ہے انسپکٹر ریاض" عورت کا جواب ریاض کے لئے قطعی غیر متوقع تھا۔

"کیسی اطلاع" اس نے چونک کر عورت کو زیادہ گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا

"آپ مشہور اسمگلر نیاز کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں؟" عورت نے کہا

ریاض کو حیرت کا دوسرا جھٹکا لگا۔ اس کا ذہن تیزی سے سوچنے میں مصروف تھا۔ اس عورت کا نیاز سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟ شاید یہ نیاز کی بیوی ہے یا اس کی کوئی داشتہ اور اس کے کسی برتاؤ سے بگڑ کر پولیس میں مخبری کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اس کا نیاز سے کوئی بھی تعلق ہو اس کی گواہی پولیس کے لئے اہم ہو سکتی ہے۔

"تم نیاز کے بارے میں کیا جانتی ہو" ریاض نے پوچھا

"بہت کچھ" عورت نے جواب دیا" اور اس کے علاوہ یہ بھی جانتی ہوں کہ وہ آج رات دس گیارہ بجے کے درمیان کسی وقت لارنس روڈ پر شہر سے باہر واقع پرانی حویلی میں آئے گا۔ وہاں اس کے ایک ساتھی نے چرس کی پانچ پیٹیاں چھپا کر رکھی ہیں۔ وہ انہیں لینے کے لئے جائے گا۔ آپ اگر فوراً پولیس کے کچھ جوانوں کے ساتھ وہاں پہنچ جائیں تو نیاز کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر سکتے ہیں۔"

"تمہیں یہ اطلاع کیسے ملی کہ نیاز پرانی حویلی جائے گا؟"

"انسپکٹر صاحب یہ تفصیلات آپ بعد میں بھی معلوم کر سکتے ہیں۔" عورت نے کچھ بیتابی سے کہا" اس وقت پہلی ضرورت نیاز کو پکڑنے کی ہے۔ یہ ایک سنہری موقع آپ کو مل رہا ہے۔ اگر اس وقت آپ نے سستی کی تو نیاز پھر ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"اچھی بات ہے" ریاض نے جیسے کسی فیصلہ پر پہنچتے ہوئے کہا" میرے ساتھ آؤ، میں تمہیں اپنے آفس میں ......"

"نہیں انسپکٹر صاحب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتی" عورت نے بات کاٹ دی۔

"لیکن ہمیں تمہارے بیان کی ضرورت ہوگی۔"

"نیاز کی گرفتاری آپ کے بہت سے سوالات کا جواب دے دیگی مجھے امید ہے کہ اس کے بعد میرے بیان کی ضرورت نہیں رہے گی۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب اس کے بعد آپ کیا کرتے ہیں یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔ میں جا رہی ہوں۔"

"تم اس طرح نہیں جا سکتیں" ریاض نے عورت کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ایک لمحہ کے لئے ریاض کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی انتہائی برفیلی ہوا کا ایک جھونکا اس کے ہاتھ کو چھوتا ہوا گزر گیا ہو۔ دوسرے لمحہ عورت غائب تھی اور ریاض کی انگلیاں ایک قریب کھڑی کار کے ہینڈل کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھیں۔

*

اطہر اور سیمیں پرانی حویلی کے باہر کار کے قریب کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

"اس وقت دس بج کر بیس منٹ ہوتے ہیں" اطہر نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔" میں زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ اور انتظار کروں گا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ عورتیں دماغ کے بجائے دل سے سوچتی ہیں۔ معلوم نہیں وہ عورت کیا جال پھیلا رہی ہے اور تم اس کی باتوں میں آگئیں۔ ذرا سوچو تو اس وقت اگر کوئی ہمیں یہاں دیکھ لے تو کیا رائے قائم کرے گا۔"

"اس کی فکر تم سے زیادہ مجھے ہونا چاہیئے" سیمیں نے جواب دیا" لیکن میں اس اندیشے کے باوجود صرف اس لئے یہاں چلی آئی کہ مجھے اس عورت کے لب و لہجہ میں خلوص کی گہرائی محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت ہی دکھی اور زمانے کی ستائی ہوئی عورت ہے اور پوری نیک نیتی سے میری بھلائی کی خواہاں ہے۔"

ابھی سیمیں نے اپنی بات پوری ہی کی تھی کہ دور سے کسی کار کی ہیڈلائٹس چمکتی نظر آئیں۔ اطہر چاہتا تھا کہ سیمیں کے ساتھ کار کے پیچھے چھپ جائے مگر سیمیں مضبوطی کے ساتھ وہیں کھڑی رہی۔ کار قریب آ کر رک گئی اور سیمیں نے اس میں سے خورشید کو اترتے دیکھا۔ کار میں اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا مگر وہ اندر ہی بیٹھا رہا۔

"بہت خوب" خورشید نے ایک طنزیہ مسکراہٹ سے کہا" تو تم بھی اپنی بڑی بہن کے نقش قدم پر چل پڑی ہو۔"

سیمیں اسے دیکھ کر کچھ گھبرائی ضرور مگر فوراً ہی سنبھل گئی۔

"تمہیں مجھ سے ایسی بات کرنے کا کوئی حق نہیں ہے" اس نے تیزی سے جواب دیا

"حق کا پتہ تو اس وقت چلے گا جب میں تمہیں تمہاری ماں کے سامنے لے جا کر کھڑا کروں گا" خورشید نے غصے سے کہا" چلو کار میں بیٹھو۔"

اطہر جلدی سے آگے بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا خورشید کے ساتھ ہی اس کی توجہ بھی ایک اور آتی ہوئی کار کی طرف مبذول ہو گئی جو تیزی سے ان کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی مگر جلد ہی ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ کار تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے کچھ اور ہیڈلائٹس بھی چمک رہی ہیں۔

جلد ہی عاقل صاحب اور سیمیں کی امی کے علاوہ انسپکٹر ریاض اور اس کے ساتھ آٹھ دس کانسٹیبل بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ عاقل صاحب بڑے غصہ میں تھے مگر ان کا غصہ اتنے بہت سے دوسرے لوگوں کی موجودگی دیکھ کر حیرت میں تبدیل ہو گیا۔ انسپکٹر ریاض جو کسی ایسی صورتِ حال کا قطعی متوقع نہیں تھا تعجب سے تمام لوگوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر کی الجھی الجھی باہمی گفتگو کے بعد جلد ہی یہ بات واضح ہو گئی کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے آپ وہاں نہیں آیا تھا بلکہ سب کسی پُراسرار عورت کے بھیجے ہوئے آتے تھے۔ خورشید نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور یہی عذر پیش کر دیا کہ اسے ایک عورت نے یہ اطلاع دی تھی کہ سیمیں اطہر کے ساتھ فرار ہونا چاہتی ہے اور وہ اسے روکنے اور سمجھانے کے لئے ہی آیا تھا۔"

"میں سمجھتا ہوں" ریاض نے کچھ سوچتے ہوئے کہا" کہ اس طرح ہم سب کو یہاں جمع کرنے سے اس عورت کا ضرور کوئی اہم مقصد تھا ہمیں کچھ دیر تک اس کی آمد کا انتظار

کرنا چاہیئے، اور میں اس دوران پرانی حویلی کی تلاش لینا چاہتا ہوں ممکن ہے حویلی میں اس الجھن کا کوئی حل مل جائے۔"

"میرا خیال ہے کہ وہ کوئی پاگل عورت تھی۔" خورشید جلدی سے بولا۔ وہ دفعتاً کچھ پریشان اور مضطرب سا نظر آنے لگا تھا۔ "یہ حویلی ایک طویل مدت سے یونہی ویران اور شکستہ حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ آپ وہاں جاکر محض اپنا وقت ضائع..."

ابھی اس کا فقرہ مکمل نہ ہوا تھا کہ روشنی کا ایک زبردست جھماکا ہوا۔ ایک لمحے کے لئے اس تیز و عجیب روشنی کے سامنے ان سب کی آنکھیں جھپک گئیں پھر انہوں نے دیکھا کہ اس روشنی نے پرانی حویلی کو اس طرح اپنے حلقے میں لے لیا جیسے کسی تھیٹر کے اسٹیج پر اسپاٹ لائٹ کا دائرہ کسی اداکار یا اداکارہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اور پھر سچ مچ کسی تھیٹر ہی کی طرح ان کی حیران نظروں کے سامنے جیسے کوئی ڈرامہ اسٹیج کیا جانے لگا۔

پہلے حویلی سے باہر کسی جانب سے ایک کار کے رُکنے اور پھر اس کا دروازہ بند ہونے کی آوازیں سنائی دیں۔ اور پھر ایک مرد اور ایک لڑکی روشنی کے دائرے میں داخل ہوئے جاننے والوں نے فوراً پہچان لیا کہ یہ خورشید اور زرّین تھے۔ زرین کسی خوفزدہ ہرنی کی طرح چاروں طرف گھبرائی گھبرائی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور خورشید اسے ہاتھ سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے حویلی کے اندر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ... آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔؟" زرین نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ "آپ نے تو کہا تھا کہ میری امی کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی ہے اور وہ ہسپتال میں موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا مجھے یاد کر رہی ہیں لیکن... یہ ہسپتال تو نہیں ہے۔"

جواب میں خورشید نے ایک قہقہہ بلند کیا۔

"تم کتنی بھولی ہو زرین۔" اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اتنی ماڈرن اور ترقی پسند ہونے کے باوجود تمہارا ذہن کسی گھریلو لڑکی سے مختلف نہیں۔ میں نے تمہیں یہاں لانے کے لئے تمہاری امی کی بیماری کا بہانہ کیا تھا۔"

"مگر کیوں۔؟"

"تم خود اندازہ نہیں لگا سکتیں۔" خورشید نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔ "میری بھولی گڑیا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں نے بارہا اشاروں اشاروں میں تمہیں اپنی محبت کا احساس دلانا چاہا۔ موقع ملنے پر کھل کر بھی بات کی مگر تم ہمیشہ مجھ سے دور بھاگتی رہیں۔ میں تم سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن تمہاری بے رخی نے مجھے اس اقدام پر مجبور کر دیا۔ میرا اصول ہے کہ جو چیز مجھے سیدھی طرح نہیں ملتی۔ اسے حاصل کرنے کے لئے میں اپنی انگلیاں ٹیڑھی بھی کر لیا کرتا ہوں۔"

"محبت زبردستی حاصل نہیں کی جاسکتی خورشید۔ براہِ مہربانی مجھے فوراً گھر چھوڑ آئیں ورنہ....."

"ورنہ تم کیا کرو گی میری بلبل۔؟"

"میں... میں اپنی جان دے کر بھی اپنی عزّت کی حفاظت کروں گی۔"

"یہ معصومیت کا ڈھونگ میرے سامنے نہ رچاؤ۔ میں خوب جانتا ہوں کہ شکیل سے تمہارے کس قسم کے تعلقات ہیں۔"

"میں شکیل سے محبت ضرور کرتی ہوں مگر ہمارے تعلقات ہر آلودگی سے پاک ہیں۔" زرین نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

خورشید نے پھر ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"مگر میں محبت میں حد بندیوں کا قائل نہیں ہوں۔" اس نے کہا اور زرین کو زبردستی اپنی آغوش میں لینا چاہا زرین پوری قوت سے مچلی اور خورشید کی گرفت سے آزاد ہوگئی اس نے بھاگنا چاہا لیکن خورشید نے اسے پھر دبوچ لیا۔ کتنی ہی دیر تک ان دونوں میں زور آزمائی ہوتی رہی۔ اچانک زرین کو موقع مل گیا۔ اس نے زور سے خورشید کے بازو میں کاٹ لیا۔ خورشید کے منہ سے گالیوں کی بوچھاڑ نکلی۔

"تو تم یوں نہیں مانو گی۔" اس نے دانت کچکچاتے ہوئے اپنے جیکٹ کی جیب سے چاقو نکال لیا۔ "سچ کہتا ہوں زرین۔ اگر تم نے خود کو میرے حوالے نہیں کیا تو میں بلا تامّل تمہیں قتل کر دوں گا اور یہ میرے لئے کوئی نئی بات نہ ہوگی۔"

وہ ایک بار پھر زرین پر ٹوٹ پڑا۔ زرین اس کی گرفت میں تڑپ رہی تھی مچل رہی تھی اور خورشید کسی بھی طرح اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ زرین نے ایک بار پھر اپنے دانتوں کو آزمایا اور اس مرتبہ غصّے سے پاگل ہو کر خورشید نے اپنا چاقو والا ہاتھ بلند کیا اور تیز دھار چاقو کا پھل دستے تک زرین کے سینے میں اُتر گیا۔

رات کے سناٹے میں ایک دردناک چیخ ابھری۔ زرّین کے سینے میں چاقو اُتار کر خورشید الگ ہٹ گیا۔ زرّین نے ایک ہاتھ سینے پر رکھ کر اٹھنے کی کوشش کی مگر گر پڑی۔

"مجھے خوشی ہے۔" اس نے خورشید کو گھورتے ہوئے آواز میں کہا۔ "کہ تم اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر یاد رکھو خورشید مجھے قتل کر کے تم اس کی پاداش سے نہیں بچ سکتے۔ میں مرنے کے بعد بھی تم سے اپنا انتقام لے کر رہوں گی۔" اور یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں بند ہوگئیں۔ فوراً ہی ایک اور شخص گھبرایا ہوا سا روشنی کے دائرے میں داخل ہوا۔ خورشید نے جو تین سال قبل گذرے ہوئے اس منظر کو دیکھ کر پیلا پڑ گیا تھا ——— اسے پہچان لیا۔ وہ اس کا دستِ راست عالم خاں تھا۔

"یہ آپ نے کیا کیا باس۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میرے ارادوں کی راہ میں حائل ہونے والوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔" خورشید نے بڑی نخوت سے جواب دیا۔ "یہ خود اپنی جان کی دشمن بن گئی تھی۔ اس کا یہی انجام ہونا تھا۔"

"مگر اب کیا ہوگا۔؟"

"کچھ نہیں ہوگا۔ ہم اسی پرانی حویلی کے کسی گوشے میں اس کی لاش دفن کر دیں گے۔"

"لیکن اس کی گمشدگی....."

"گمشدگی کا جواز پیدا کیا جا سکتا ہے۔" خورشید نے بات کاٹی۔ "تم ابھی شہر واپس جاؤ شکیل اپنے گھر پر ہی ہوگا۔ اس سے کہو کہ زرین سینما سے واپس آتے ہوئے ایک کار کی زد میں آگئی ہے۔ وہ ہسپتال میں لبِ دم ہے اور اسے بلا رہی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم نے ہوشیاری سے کام کیا تو شکیل فوراً تمہارے ساتھ آنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ پھر جب وہ اپنے گھر سے نکل کر کار میں بیٹھ رہا ہو تو تمہارے ریوالور کے دستے کی ایک ضرب اسے بیہوش کرنے کے لئے کافی ہوگی۔"

عالم خاں نے اثبات میں سر ہلایا اور تیز قدم اٹھاتے ہوئے جلد ہی روشنی کے حلقے سے باہر نکل کر غائب ہوگیا۔

سیمیں، اطہر، عاقل صاحب سیمیں کی امی اور انسپکٹر ریاض بڑی حیرت سے سارا

کھیل دیکھ رہے تھے۔ ان سب نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ اس وقت سیمیں نے جو ٹنگ پائنچوں کی پتلون پہن رکھی ہے وہ بالکل ایسی ہی ہے جیسی اس چادر پوش عورت نے پہن رکھی تھی۔ ... یہ یاد آتے ہی وہ ایک خوف و حیرت کے عالم میں سوچ رہے تھے کہ کہیں زریں کی روح ہی تو ان سے ملنے نہیں آئی تھی۔

خورشید جیسے ان سے سب سے پہلے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ زریں کی روح کسی پراسرار طریقے سے کام لیتے ہوئے اب سے تین سال پہلے گزرنے والے واقعات کا عکس دکھا رہی ہے۔ اب اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے وہاں سے کھسکنے کی فکر میں تھا۔ حویلی کے باہر کھلے میدان میں صرف تاروں کی مدھم روشنی تھی یا پھر ریاض کی پولیس کار کی ہیڈ لائٹس جنہیں اس نے روشنی کے خیال سے جلتا چھوڑ دیا تھا۔ مگر یہ دونوں روشنیاں اتنی ناکافی تھیں کہ وہ لوگ ایک دوسرے کی نقل و حرکت صرف غور سے دیکھنے پر ہی محسوس کر سکتے تھے۔ خورشید نے اس نیم تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے نکل جانا چاہا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ اپنی کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ دوسرے تمام افراد روح کے ڈرامے میں اتنے محو تھے کہ انہیں خورشید کی حرکت کا احساس نہیں ہو سکا۔ مگر ریاض اس کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ خورشید اپنی کار کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ریاض کے اشارے پر اس کے ساتھ آئے ہوئے مسلح کانسٹبلوں نے خورشید اور اس کی کار کو گھیر لیا۔

"نہیں دوست۔" ریاض نے سرگوشی میں کہا۔ "تم اس حیرت انگیز ڈرامے کے ڈراپ سین سے پہلے یہاں سے نہیں جا سکتے۔ اور بعد میں بھی میرا خیال ہے کہ پولیس ہیڈ کوارٹر کی حوالات کے علاوہ تمہاری کوئی دوسری منزل نہیں ہو گی۔"

خورشید بے حس و حرکت کھڑا رہ گیا۔ ریاض نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا اور پھر کار میں بیٹھے ہوئے عالم خاں کی تلاشی لے کر اسے بھی ایک چاقو اور ایک ریوالور کے بوجھ سے ہلکا کر دیا گیا۔

دوسری طرف حویلی کا ڈرامہ اب دوسرے ایکٹ میں داخل ہو چکا تھا۔ عالم خاں بیہوش شکیل کو اپنے کندھے پر اٹھائے ہوئے روشنی کے دائرے میں داخل ہوا اور اسے بڑی بیدردی کے ساتھ ایک طرف زمین پر ڈال دیا۔

"شاباش۔" خورشید نے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی۔ "کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی۔"

"نہیں باس۔" عالم خاں نے جواب دیا۔ "یہ تو زریں کا نام سنتے ہی بدحواس ہو کر میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ مگر باس اب آپ کیا کریں گے۔ ؟"

"خاتمہ بالخیر۔" خورشید نے بڑی سنگدلی سے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "کل جب زریں اور شکیل دونوں اپنے گھروں سے غائب پائے جائیں گے تو میرے لئے یہ افواہ پھیلانا کچھ مشکل نہ ہو گا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ فرار ہو گئے ہیں۔ اپنا ریوالور نکالو عالم خاں اور اس کمبخت کے جسم پر خالی کر دو۔"

مگر خورشید کے جرم و گناہ کا ساتھی اور خود کئی خون کرنے والا عالم خاں بھی ایک بیہوش شخص کو قتل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اس پر طیش میں آ کر خورشید نے خود ہی اپنا خون آلود چاقو ایک اور بے گناہ انسان کے دل میں اتار دیا۔ منظر اچانک تبدیل ہوا اور پھر لوگوں نے دیکھا کہ خورشید اور عالم خاں ایک بڑے سے گڑھے میں زریں اور شکیل کی لاشیں ایک سفید

چادر میں لپیٹ کر ڈال رہے ہیں۔ لاشوں کو گڑھے میں ڈالنے کے بعد انہوں نے اسے مٹی سے بھر کے زمین ہموار کر دی اور روشنی کے حلقے سے نکل کر رات کی تاریکی میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اور پھر اس کے ساتھ ہی وہ روشنی بھی جس نے حویلی کو منور کر رکھا تھا جس طرح نمودار ہوئی تھی اسی طرح بالکل اچانک غائب ہو گئی۔

سیمیں، اس کی امی، عاقل صاحب اور اطہر کے ردِعمل کا اندازہ کرنا کچھ ایسا زیادہ مشکل نہیں ـــــ اس سوال سے قطع نظر کہ جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا وہ ان کی نگاہوں کا کوئی فریب تھا یا کسی مافوق الفطرت طریقے سے زریں کی روح کو یہ قدرت حاصل ہو گئی تھی کہ وہ مرنے کے بعد اپنے اہلِ خاندان اور دنیا پر نہ صرف اپنی بیگناہی ثابت کر دے بلکہ اصل مجرم کو بھی قانون کی گرفت میں لانے میں معاون بنے۔ ان کے لئے خورشید کا اعترافِ جرم ہی وہ تمام نفرت و کدورت دھونے کے لئے کافی تھا جسے ایک شیطان کے جھوٹ اور افترا پردازی نے ان کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا۔ خورشید کی حالت آخری منظر تک اتنی خراب ہو چکی تھی کہ وہ کسی بات سے انکار کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکا تھا۔ اسی کی نشاندھی پر حویلی سے چرس کی وہ پیٹیاں بھی برآمد کر لی گئیں جو گذشتہ رات چراغ دین اور فیضو نے وہاں چھپا دی تھیں۔ اتنا ہی نہیں خورشید نے اس بات کا بھی اقرار کر لیا کہ اسی نے پولیس کو فریب دینے کے لئے نیاز کی ایک فرضی شخصیت کو جنم دیا تھا تاکہ اس کے ہر جرم کا بار ایک فرضی نام کے حساب میں لکھا جاتا رہے اور وہ خود قانون کی گرفت سے آزاد ایک شریف اور معزز بزنس مین کی حیثیت میں زندگی بسر کرتا رہے۔ اس نے اپنے گروہ کے ان تمام لوگوں کے نام و پتے بھی پولیس کو بتا دیئے جو اس کاروبار میں اس کے معاون و مددگار تھے۔

زریں کی بے گناھی ثابت ہونے کے بعد ظاہر تھا کہ اب عاقل صاحب کو سیمیں اور اطہر کی شادی پر کوئی اعتراض ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ ویسے وہ ذاتی طور پر اپنے گذشتہ طرزِ عمل پر اتنے نادم تھے کہ انہوں نے اس وقت تک اپنے جڑے ہوئے ہاتھ نہیں کھولے جب تک سیمیں کی امی نے بہتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ انہیں معاف نہیں کر دیا۔

سرورق کی دوسری کہانی

اجنبی ہمدرد

نسیم اقبال

میرا نام ظفر ابراہیم ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں میں شیر محمد عرف شیرو ہوں۔ جی ہاں وہی شیرو جس نے نکیا پور کے چودھری دھرماتند کے پورے خاندان کو نذرِ آتش کر دیا تھا۔ بات تو ظالمانہ تھی، لیکن کمبخت تھا بھی اسی قابل' درندہ تھا پورا' انسان کو انسان نہیں سمجھتا تھا۔ اپنے سامنے کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ دوسروں کی بہو بیٹیوں کی عزت کو عزت نہیں سمجھتا تھا' حالانکہ آپ خود انصاف کریں۔ ہر انسان کی عزت ہوتی ہے' غریب ہو یا امیر ــ اور پھر ہم تو اس کی رعایا تھے' ہم تو اس کے لئے زمین کا سینہ چیر کر اناج نکالتے تھے ہمارے ہی بل بوتے پر تو وہ دھرماتند نکیا کہلاتا تھا۔ ہمارے ہی دم سے تو اس کی زمینداری قائم تھی۔ پنڈت کاشی لال نے اُسے سمجھایا کہ بیٹا' گاؤں والوں کی عزت کا تو رکھوالا ہے' اگر تو ہی ان کی عزت لوٹنا شروع کر دے تو وہ کس سے فریاد کریں گے۔ تو جانتے ہیں اس نے کیا کیا ــ؟ اس مردود نے پنڈت جی کے جنتو کو پکڑ کر پاؤں سے جوتا اتارا اور اُن کی گنجی کھوپڑی پر گن کر پچاس جوتے لگائے۔ پنڈت جی کو بے ہوشی کے عالم میں اُٹھا کر گھر لایا گیا تھا اور جب چودھری کے آدمیوں نے اُسے اٹھایا تو اس نے کہا تھا۔ "پنڈت جی کو چوک پر پھینک آؤ ــ میں نے آن کی کافی عزت افزائی کر دی ہے۔"

حالانکہ پنڈت جی کی ہم سب عزت کرتے تھے ـــ وہ محبت کے پتلے تھے۔

غریب نے اُسی رات نکیا پور چھوڑ دیا تھا اور پھر کبھی اس کی شکل نکیا پور میں نظر نہیں آئی۔ یہی سلوک اس نے مولوی تفضل حسین سے کیا تھا۔ اس کے بعد گاؤں میں اسے سمجھانے والا کوئی نہ رہا' جس جگہ دھرماتند کا نام لیا جاتا' وہاں سے لوگ سر جھکا کر گزر جاتے۔ گاؤں کی کنواریوں نے کنوؤں پر جانا چھوڑ دیا تھا۔ نہ جانے کب بد نظر چودھری کی نگاہ اس پر پڑ جائے۔ اور پھر اس کے غنڈے رات کی تاریکی میں آئیں اور اسے اُٹھا کر لے جائیں' دوسری صبح اس کی زندہ لاش گھر پہنچ جائے۔

بہت سے ایسے واقعے ہو چکے تھے' لیکن چوہدری دھرماتند تھوڑا سا چالاک بھی تھا اُس نے ابھی تک کسی مسلمان لونڈیا پر ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔ زیادہ تر نچلے طبقے کی ہندو لڑکیاں ہی اُس کی بھینٹ چڑھی تھیں گو مسلمان انہیں بھی اپنی مائیں اور بہنیں سمجھتے ہیں' لیکن ذات برادری کی بات بھی تھی' کون کسی کے پھٹے میں الجھتا ہے' اور پھر ہندو مسلمان کا چکر بھی چل سکتا تھا' ہم لوگ بھی دھرماتند کی رعایا تھے لیکن سینہ تان کر رہتے تھے۔ محنت مزدوری کرتے تھے اور روٹی کھاتے تھے۔ بلا وجہ کسی سے الجھنا بھی ٹھیک نہیں تھا۔!

لیکن بدبخت دھرماتند نے ایک دن یہ تجربہ بھی کر ڈالا ــ اور تجربے کی ابتدا بھی اس گدھے کی اولاد نے کس سے کی' رجّو ــ یعنی شیر محمد عرف شیرو کی بہن سے ــ!

رجو لائی کا گھان سر پر رکھے آ رہی تھی کہ چوہدری نے اُسے دیکھ کر گھوڑا روک لیا۔ اور رجو سے اس کے بارے میں پوچھا۔ "اوہو ــ تو رجب محمد کی لڑکی ہے" شیر محمد کی بہن ــ؟"

"ہاں چوہدری جی ــ!" رجو نے جواب دیا۔

"خوب' خوب ــ ٹھیک ہے۔" اُس نے کہا اور گھوڑا دوڑاتا چلا گیا۔

رجو نے واپسی پر پوری تفصیل مجھے بتا دی' خون ہی تو گرم ہو گیا' ساری رات لاٹھی لئے دروازے پر بیٹھا رہا' لیکن چوہدری اس طرح ہماری عزت پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا' اس کے لئے وہ لمبا پلان ہی بنا رہا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن میرا بلاوا آ گیا اس کے ہاں سے ــ اور میں پہنچ بھی گیا۔ پہلی بار چوہدری نے اپنے سامنے مونڈھے پر بٹھا کر لسی پلائی تھی ــ میں نے بھی تین تین گلاس پیئے۔ چوہدری سے نپٹنے کے لئے جان جو بنانی تھی۔!

"نیسر کھیت کیسے ہو رہے ہیں شیرو ــ؟" دھرماتند نے پوچھا۔

"بہت بڑھیا چوہدری جی ــ!" میں نے جواب دیا۔

"ہم تجھ سے ایک اور کام لینا چاہتے تھے۔"

"حکم کرو چوہدری ــ؟"

"میں چاہتا ہوں تو گیہوں کے چھکڑے لے کر منڈی چلا جا ــ اور اچھے بھاؤ فروخت کر دے ــ آئندہ بھی تو یہی کام کرے گا' اور میں تجھے اناج کے علاوہ بیس روپے مہینہ بھی دیا کروں گا۔"

"بڑی مہربانی چوہدری جی' جیسا کہو گے ویسا ہی کروں گا۔"

"بس تو تیاری شروع کر دے ــ چھکڑے لد رہے ہیں' کل تک تیار ہو جائیں گے اور ہاں تیری بہن رجو گھر میں پڑی پڑی کیا کرتی ہے ــ؟"

"کچھ نہیں چوہدری جی ــ گھر کا کام کاج کرتی ہے۔"

"تو جب منڈی چلا جائے گا تو وہ اکیلی رہے گی ــ؟"

"چاچا کے ہاں رہے گی چوہدری۔"

"تو ایسا کر ــ اُس سے کہہ دے کہ یہاں چلی آئے ــ چودھرائن کی طبیعت خراب رہتی ہے' اوپر کے کام کر دیا کرے گی' بیس روپے میں اُسے بھی دے دوں گا' جمع کرتا رہیو' اُس کے ہاتھ بھی تو پیلے کرنا ہوں گے تجھے۔"

تو اس بار یہ رنگا سیار ذرا داؤ پیچ چل کر کام کرنا چاہتا تھا' دل چاہا کہ ابھی اس کی دونوں آنکھیں نکال لوں کہ اس نے بری نگاہ سے رجّو کو دیکھا تھا' لیکن میں نے صبر سے کام لیا۔!

"ہمارے ہاں کی لڑکیاں نوکری نہیں کرتیں چوہدری جی۔" میں نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔

"ایسے تو وہ نوکری کہاں ہوگی۔ تیری مرضی ہے۔ میں نے سوچا تیری مدد

ہو جائے گی! بہر حال کل تو مال لے کر جا رہا ہے۔؟"

"ہاں چوہدری جی۔" میں نے کہا۔ اور وہاں سے چلا آیا۔ خون بری طرح کھول رہا تھا۔ لیکن پھر بھی سیانوں سے مشورہ لینا مناسب سمجھا اور چند خاص خاص لوگوں کو جمع کر لیا' جن میں میرے مہربان چاچا خیر محمد بھی تھے۔! سب اس طرح کے چوری چھپے بلاوے پر حیران تھے۔ تب میں نے مسئلہ ان کے سامنے رکھا۔

"بزرگو۔ تم چوہدری دھرمانند سے پوری طرح واقف ہو۔ گاؤں کی عزت کس طرح مٹی میں مل رہی ہے' تمہیں پتہ ہے؟"

"ہاں شیرو۔ مگر ہوا کیا۔؟"

"مجھے بتاؤ فضلو ماموں۔ کیا ہندو لڑکیاں ہماری مائیں بہنیں نہیں ہیں؟"

"ہیں۔ بالکل ہیں۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ ہندو مسلمان کا چکر چل چکا ہے' اور ابھی تک چوہدری نے ہم لوگوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اگر ہم ان کے لئے بولیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے اور بات بگڑ سکتی ہے۔ سب ہمیں قائل کریں گے"

"لیکن بزرگو یہ مت بھولو کہ چوہدری کے ہاتھ اور بھی بڑھیں گے۔ اور ضرور بڑھیں گے۔!"

"تب ہم ان ہاتھوں کو توڑ دیں گے شیرو۔!" میرے چاچا نے کہا۔

"تو پھر اٹھو' اور توڑنے کی کوشش کرو ان ہاتھوں کو' ہاں چاچا جی۔ زمیندار چوہدری دھرمانند ہماری عزت کی طرف میلی نگاہیں ڈال چکا ہے' اور اس نے سب سے پہلے میری غیرت کو للکارا ہے۔ اور میں خون کے گھونٹ پی کر تمہارے پاس آیا ہوں' تاکہ تم یہ نہ کہو کہ شیرو نے بزرگوں سے مشورہ نہیں کیا۔" میں نے غراتے ہوئے کہا۔ اور سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے' پھر چاچا نے کہا۔

"مگر ہوا کیا شیرو۔؟"

اور میں نے الف سے لے کر ے تک پوری کہانی اُن لوگوں کو سنا دی۔ پھر میں نے کہا۔ "چوہدری نے جب دیکھا کہ میں نے رجّو کو اس کے گھر بھیجنے سے انکار کر دیا ہے' تو اس نے سوچا کہ پہلے میں یہاں سے چلا جاؤں' اس کے بعد وہ کوئی ترکیب کرے گا۔"

"ہماری زندگی میں وہ رجّو کی عزت پر ہاتھ ڈالے' یہ ناممکن ہے۔"

"اس کے لئے تمہارے اس غلام کی زندگی کافی ہے بزرگو۔ اگر تمہارے دماغ میں کوئی ترکیب ہے' تو بتاؤ۔ ورنہ پھر میں نے بھی ایک ترکیب سوچ لی ہے۔"

"کیا ترکیب ہے؟" سب بیک وقت بولے۔

"نہیں ۔۔ پہلے میں تمہاری تجویز سنوں گا' اگر تمہارے پاس کوئی حل نہ ہوا تو پھر تم میری تجویز سنو گے' لیکن وہ آخری ہوگی اور اس میں کسی ترمیم کی گنجائش نہیں ہوگی ۔" میں نے کہا اور وہ سب میری شکل دیکھنے لگے ۔ کافی دیر تک وہ غور و خوض کرتے رہے' پھر انھوں نے گردن اُٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم ہی بتاؤ شیرو' ہم نے کاشی لال اور تفضل حسین کا حشر دیکھا ہے' اس لئے یہ بات اس مردود کو کون سمجھانے جائے ۔۔ ہمارے دماغ میں اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے بزرگو ۔ مگر تم یہ بات بخوبی جانتے ہو کہ آج چوہدری کی نگاہ رجو کی طرف اُٹھی ہے' کل شمیمہ کی طرف اٹھے گی اور پرسوں رانی کی طرف' یہ سب میری بہنیں ہیں ۔۔ میں ان سب کی عزت کا محافظ ہوں' سنو ۔۔ اگر میں ان سب کی عزت ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دوں' تو تم مجھے اس کی قیمت دو گے ؟"

"قیمت ۔۔ ؟" سب حیرت سے بولے۔ "مگر تم کرو گے کیا ۔ ؟"

"پہلے سودا طے کرو بزرگو ۔ اس کے بعد بات ہوگی ۔!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم چاہتے کیا ہو شیرو ۔۔ ؟" آخر لال خاں نے پوچھا۔

"چاچا ۔۔ میں چاہتا ہوں کہ گاؤں کی بیٹیوں کی عزت ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنے کے بدلے ۔۔۔ تم سب میری رجو کے سر پہ ہاتھ رکھو ۔ اگر میں نہ ہوں تو اُسے میری کمی کا احساس نہ ہو ۔ تمہیں بڑی کتاب پہ ہاتھ رکھ کر قسم کھانا ہوگی کہ تم میری رجو کو کمتر نہ سمجھو گے' اُسے کوئی تکلیف نہ ہونے دو گے ۔۔ اور مناسب بر دیکھ کر اس کے ہاتھ پیلے کر دو گے ۔ بولو ۔۔ تمہیں سودا منظور ہے ۔۔ سوچ لو تمہاری عزتوں کے بدلے یہ سودا مہنگا نہیں ہے ۔ !"

اور بوڑھوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔ "شیرو ۔۔!" فضلو چاچا نے کہا "رجو ہماری بھی تو ہے' اس میں سودے کی کیا بات ہے ۔۔ ؟"

"نہیں چاچا ۔۔ سودا کھرا ہوگا' میں بھی تمہارا ہوں' رجو بھی تمہاری ہے اور بڑی کتاب بھی ہم سب کی ہے ۔۔ لیکن سودا کھرا ہوگا۔"

تب تمام بزرگوں نے قسم کھائی کہ وہ رجو کو اپنی بچیوں کی طرح رکھیں گے اور اُسے کوئی تکلیف نہ ہونے دیں گے ۔ اور میں خوش ہوگیا۔

"بے فکر رہو بزرگو ۔۔ اب گاؤں کی تمام بچیوں کی عزت محفوظ ہو جائے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر تم کرو گے کیا شیرو ۔۔ یہ تو بتا دو ۔۔ ؟"

"ابھی نہیں چاچا ۔۔ میں جو کچھ کروں گا ٹھیک کروں گا ۔۔ ہاں ۔ کل میری غیر حاضری میں اگر چوہدری کے بدمعاش رجو کو اُٹھانے آئیں تو ان کا راستہ مت روکنا ۔" اور میں نے بوڑھوں کو حیران چھوڑ کر بات ختم کر دی۔

دوسرے دن اناج کے چھکڑے تیار تھے' اور دوسری طرف میں نے بھی تیاریاں کر لی تھیں ۔ زمیندار کے آدمی مجھے بلانے آئے تو میں سعادتمندی سے چل پڑا ۔ اور چوہدری دھرماند نے چھکڑے میرے حوالے کر دیئے ۔ مجھے ایک تندرست گھوڑا بھی دیا گیا تھا ۔۔۔ مال لے جانے والے گھوڑے پر ہی جاتے تھے ۔ تقریباً ساڑھے تین بجے میں چھکڑے لے کر نکل گیا اور سُست رفتار بیلوں کے ساتھ چلتا رہا' جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا' میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔

یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا ۔ ہم گاؤں سے تقریباً دس میل نکل آئے تھے تب میں نے چھکڑے والے جمو سے کہا ۔ "جمو بھیا' تم چلتے رہو' میں ذرا بانسی کا بنگلہ ہو کر آتا ہوں ۔ تھوڑی دیر میں پہنچ جاؤں گا' اگر دیر بھی ہو جائے تو تم فکر مت کرنا اور چلتے رہنا!" یہ کہہ کر میں نے چار بیڑیاں جمو کو دیں اور وہ خوش ہوگیا ۔ بانسی کا بنگلہ ایک میل پیچھے تھا اس لئے اُسے فکر نہیں تھی ۔۔ میں نے گھوڑا واپس گاؤں کی طرف موڑ دیا' اور پوری رفتار سے چل پڑا ۔ لیکن اس بات کا میں نے خیال رکھا تھا کہ کوئی مجھے دیکھ نہ لے' اس لئے میں نے گاؤں جانے والی پگڈنڈی پر سفر نہیں کیا تھا' بلکہ کھیتوں میں چل رہا تھا ۔! تاہم رات کی تاریکی زیادہ گہری نہیں ہوئی تھی' جب میں گاؤں میں داخل ہوگیا ۔ میں نے گھوڑا ماما کے ڈیرے سے تھوڑے فاصلے پر پیپل کے درخت سے باندھا' اور پھر منہ پر کالا ڈھاٹا باندھ کر چل پڑا ۔ !

چوہدری کی حویلی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی' میں اس میں داخل ہوگیا اور چور کی طرح چھپتا ہوا اندر اس حصے میں پہنچ گیا' جہاں چوہدری کے اہل خاندان رہتے تھے' سب لوگ سونے لیٹ گئے تھے' میں نے اُن کے دروازوں کی کنڈی باہر سے چڑھا دی اور اس کام سے فارغ ہو کر میں حویلی کے دوسرے حصے کی طرف چل پڑا' جہاں صرف چوہدری رہتا تھا ۔ میرے پاس لوہے کا موٹا سریا تھا ۔ جو میں نے چوہدری کی حویلی کے پیچھے درخت کی جڑ میں چھپا دیا تھا ۔ درخت کی جڑ میں اور بھی بہت سی چیزیں تھیں ۔ جو میرے کام کی تھیں ۔ !

تھوڑی دیر کے بعد میں چوہدری کے کمرے پر تھا ۔ میں نے کواڑوں سے اندر جھانکا' چوہدری ایک آرام کرسی پر بیٹھا ہوا شراب پی رہا تھا اور اس کا ایک مصاحب اس کے پاؤں دبا رہا تھا ۔ پھر چوہدری نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور بے چینی سے بولا ۔ "ابھی نہیں آئے وہ لوگ ۔۔"

"آتے ہوں گے چوہدری جی ۔۔"

"کہیں ان مسلّوں نے مقابلہ تو شروع نہیں کر دیا ۔۔"

"کس کی ہمت ہے چوہدری' اور پھر بندوق کی شکل دیکھ کر کون رُکتا ہے ؟" مصاحب نے جواب دیا۔

"چل دیکھ' ابھی تک کیوں نہیں آئے ۔؟" چوہدری نے مصاحب کو لات مار کر ایک طرف ڈھکیلتے ہوئے کہا اور وہ ہنستا ہوا باہر چلا گیا۔

"ہوں ۔۔ تو میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا اور ایک بار پھر نکل گیا ۔ گھاس پھونس میں چھپے ہوئے تیل کے بھاری پیپے دونوں ہاتھوں میں لٹکائے میں اندر آگیا ۔۔ اور پھر چوہدری کے کمرے کی پشت پر پہنچ گیا ۔ لیکن چوہدری کسی کام سے باہر نکل گیا تھا ۔ بہترین موقع تھا' میں چالاکی سے چوہدری کے کمرے میں داخل ہو کر الماری کے پیچھے چھپ گیا۔

مجھے تقریباً آدھے گھنٹے چھپے رہنا پڑا تھا' پھر چوہدری اندر آگیا اور اس کے پیچھے چار آدمی اور بھی آئے' اُن میں سے ایک اپنے کندھے پر کوئی سیاہ سا بنڈل لادے

ہوئے تھا۔

"بے ہوش ہے کیا۔؟" چوہدری نے پوچھا۔

"ہاں چوہدری جی۔"

"اتنی دیر کیسے ہوئی۔؟"

"بس چوہدری جی۔ ذرا ہوشیاری سے کام کرنا پڑا۔ تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔"

"کسی نے گڑبڑ تو نہیں کی۔؟"

"کسی نے دیکھا ہی نہیں چوہدری۔" اس دوران یتدل کو مسہری پر کھول دیا گیا تھا۔ اور یہ رجو ہی تھی، میری بہن۔ میرے پورے جسم میں چنگاریاں بھر گئیں، لوہے کی سریا پر میری گرفت سخت ہو گئی۔

"ہوں، ٹھیک ہے، چلو بھاگ جاؤ۔" چوہدری بھاری آواز میں بولا اور وہ سب باہر نکل گئے، چوہدری نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ایک بار پھر اس نے شراب کا ایک پیگ پیا اور پھر راجو کے پاس پہنچ گیا۔ چند منٹ وہ جھکا اور پھر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگا، اور راجو ہوش میں آ گئی۔!

"اٹھو میری جان۔ میں نے تو تمہیں غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ تم تو سب بازی لے گئیں۔"

"چچ۔ چوہدری جی۔" رجو کے منہ سے سہمی ہوئی آواز نکلی۔

"ہاں۔ہاں۔ پرواہ مت کرو۔ تم چاہو تو اپنا مقدر بنا سکتی ہو۔ شیرو منڈی گیا ہوا ہے۔ میں نے اس کی بیس روپلے تنخواہ باندھ دی ہے۔ تم الگ دوسرے تیسرے دن میرے پاس آتی رہو، اور اس سے کچھ نہ کہو تو میں اس کی تنخواہ پچاس روپلے کر دوں گا، اور تمہارا خرچ الگ۔ کیا سمجھیں۔؟" چوہدری ہنسنے لگا۔

"مجھے جانے دو چوہدری جی۔ مجھے جانے دو۔ ورنہ۔ ورنہ۔" رجو بپھر گئی۔

"چلی جانا۔ چلی جانا۔ جیون بھر رکنے کے لئے نہیں بلایا، دو گھڑی بیٹھو۔" چوہدری نے دست درازی شروع کر دی۔

"دور ہو جا کمینے۔ ورنہ۔" رجو اچھل کر ہٹ گئی۔

"اوں ہوں۔ وہی پرانی ضد۔ یہاں سے کون لڑکی صاف نکل کر گئی ہے رجو۔ ضد نہ کرو۔ مقدر بناؤ۔!" چوہدری نے اسے گرفت میں لینے کی کوشش کی اور اب میں برداشت نہیں کر سکتا تھا، برداشت کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، میں الماری کے پیچھے سے نکل آیا۔

"رجو مسلمان ہے چوہدری۔ اور مسلمان کی پاکیزگی کی حفاظت ہمارا خدا کرتا ہے۔ سن چوہدری۔ آج رجو کی حفاظت کے طفیل وہ گاؤں کی ساری لڑکیوں کو تیرے ستم سے بچا رہا ہے۔" میں نے کہا اور چوہدری لرز کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔

"تت۔ تو۔ تو واپس کیسے آ گیا شیرو۔؟" اس کے منہ سے نکلا۔

"میں شیرو نہیں ہوں چوہدری۔ ان کنواریوں کی عزت کا رکھوالا ہوں۔ وقت کم ہے۔ اور میرا ارادہ اٹل۔ سنبھل۔" میں نے کہا اور لوہے کا سریا پوری قوت سے چوہدری کے سر پر دے مارا۔ چوہدری کا منہ کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ خون سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور خون منہ میں بھر گیا۔ تب میں نے دوسرا وار کیا اور اس کا بھیجہ نکل پڑا۔ پھر میں اسے اس وقت تک کوٹتا رہا، جب تک کہ اس کا قیمہ نہیں بن گیا۔ رجو دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ میں نے سریا وہیں پھینکا، اور رجو کا ہاتھ پکڑے باہر نکل آیا پھر میں نے اسے حویلی کی پچھلی دیوار پر چڑھایا اور دوسری طرف کود گیا۔

"تو سیدھی گھر جا رجو۔ چلی جائے گی نا۔؟" میں نے پوچھا اور رجو نے گردن ہلا دی۔ "بس تو جا۔ میں کل واپس آؤں گا۔" اور رجو کو روانہ کرنے کے بعد میں واپس حویلی میں آ گیا۔ تیل کا ایک پیپا میں نے چوہدری کی لاش اور اس کے کمرے کے ارد گرد خالی کر دیا۔ دوسرے پیپے کو میں نے اس کے دوسرے گھر والوں کے دروازوں پر چھڑکا، اور پھر پوری طرح اطمینان کرنے کے بعد دونوں جگہ ماچس لگا دی اور پھر میں پھرتی سے باہر نکل آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد میرا گھوڑا سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ اور پھر میں جمو کے پاس پہنچ گیا۔!

"بہت دیر کر دی شیرو بھیا۔؟" جمو نے کہا۔

"ہاں۔ میں ایک ضروری کام میں مصروف تھا جمو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور جمو نے گردن ہلا دی۔

منڈی سے مال بیچ کر رقم لے کر دوسرے دن دوپہر کو میں گاؤں واپس آیا، پورے گاؤں میں کہرام مچا ہوا تھا، تحصیل سے پولیس بھی پہنچ گئی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ چوہدری اور اس کے گھر کے سارے لوگ جل کر ہلاک ہو گئے۔ گاؤں والوں نے آگ بجھانے کی بہت کوشش کی، لیکن آگ نہیں بجھ سکی۔ اب پولیس لوگوں کو پکڑتی پھر رہی ہے۔!

پولیس کو مجھ تک پہنچنے میں دقت نہ ہوئی۔ چوہدری کے ہرکاروں نے بتا دیا تھا کہ رات کو انھوں نے رجو کو اغوا کیا تھا، رجو سخت سہمی ہوئی تھی۔ پولیس نے اسے حراست میں لے لیا۔ پھر میرے بارے میں تحقیقات ہوئی، جمو نے بتا دیا کہ راستے میں اتنی دیر تک میں غائب رہا تھا۔ بہرحال۔ تھانیدار کو کسی نتیجے پر پہنچنے میں دقت نہ ہوئی، اور جب میں نے کوئی چارہ نہ دیکھا تو اقرار کر لیا۔ ہاں ایک خاص بات کی مجھے آج تک مسرت ہے، کہ بستی والوں نے اس مسئلے پر ہندو مسلمان کا سوال نہیں اٹھایا تھا چوہدری کی موت سے سب مطمئن تھے۔ میں بھی مطمئن تھا اور اس وقت بھی میں مطمئن رہا جب مجھے موت کی سزا سنائی گئی، پورے گیارہ انسانوں کے قاتل کو معاف نہیں کیا جا سکتا تھا۔!

تو صاحب یہ کہانی تھی، شیر محمد عرف شیرو کی۔ اور اب میں ظفر ابراہیم ہوں کیسی دلچسپ بات ہے۔ میں ایک مفرور قیدی ہوں۔ گیارہ انسانوں کا قاتل ہوں اپنے جرم کا اقرار کر رہا ہوں، لیکن اگر قانون نے میرے اوپر کوئی گرفت کی، تو میں اس پوری داستان کو ایک دلچسپ کہانی قرار دے کر اپنی جان بچا سکتا ہوں کوئی مجھے شیرو نہیں ثابت کر سکتا۔ میں تو ظفر ابراہیم ہوں۔ خالص ظفر ابراہیم۔ آپ مجھے شیرو ثابت کر دیں۔ دس ہزار روپے نقد انعام دوں گا۔ جی ہاں

کیونکہ اب میں لکھ پتی ہوں۔ بلکہ آپ مجھے کروڑ پتی کہہ سکتے ہیں۔ دس بیس ہزار کی میری نگاہوں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ بڑی کوٹھی ہے تین تین کاریں ہیں۔ درجنوں ملازم ہیں، عیش کرتا ہوں۔ کان میں سُنیں، تین کاروں کے ساتھ تین ہی محبوبائیں بھی پال رکھی ہیں آتی جاتی رہتی ہیں، مجھ سے محبت جتاتی ہیں۔ میرے اوپر پورا پورا بھروسہ کرتی ہیں لیکن اچھی طرح جانتی ہیں کہ کل دوسری کا دن ہے۔ اور پرسوں تیسری کا ـــ بہرصورت یہ میرے راز ہیں۔ ان میں آپ کو کیوں شریک کروں۔ میں تو آپ کو شیرو کی کہانی سُنا چکا اور اب ظفر ابراہیم کی کہانی سُنا رہا ہوں۔

بے چارہ شیرو ـــ جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا دیا گیا لیکن وہ بے حد خوش تھا عزت کی موت مر رہا تھا۔ گاؤں کی کنواریاں ایک عفریت کے پنجے سے نکل گئی تھیں۔ وہ مرگیا تو کیا ـــ گاؤں والوں کے دل میں اس کی یاد چٹکیاں لیتی رہے گی۔ کنواریاں اسے اپنے گیتوں میں سمو لیں گی۔

شیرو کو کوئی فکر نہیں تھی لیکن گاؤں والے اس کو بچانے کی کوششوں میں مصروف تھے جب چاچا نے اسے بتایا کہ اس کی سزائے موت کے خلاف اپیل دائر کردی گئی ہے، اور اس کی زندگی بچانے کی کوششوں کے سلسلے میں جو چندہ ہوا ہے اس میں گاؤں کے ہندوؤں نے بھی بھرپور حصہ لیا ہے تو اس کا سینہ خوشی سے پھول گیا۔

"میری زندگی بچے نہ بچے چاچا ـــ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ گاؤں والوں نے میرے خلوص کا یقین کرلیا ہے .... اور شیرو ان کے کسی کام آگیا۔"

ایک طرف ایک زمیندار کے پورے خاندان کی موت کا معاملہ تھا اور دوسری طرف ایک غریب کسان تھا جس کی زندگی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ گاؤں کے زمیندار چودھری دھرماند نے گاؤں کی نوخیز کنواریوں کی عزت لوٹ کر انہیں زندہ درگور کردیا تھا یہ کوئی ظلم نہیں تھا لیکن میں نے جس طرح اس کے پورے خاندان کو آگ میں جلا کر بھسم کردیا۔ یہ ایک انتہائی ظالمانہ فعل تھا چنانچہ ہائی کورٹ سے میری اپیل رد کردی گئی اور سزائے موت کی توثیق ہوگئی۔

تب مجھے سزائے موت کے قیدیوں کی کوٹھری میں پہنچا دیا گیا۔ یہ کوٹھری جیل کے الگ تھلگ حصّوں میں ہوتی ہے۔ اس کے گرد پہرہ بھی سخت ہوتا ہے۔ سزائے موت کے قیدیوں سے کوئی کام نہیں لیا جاتا۔ ان کی زندگی کی تو گھڑیاں مقرر ہوچکی ہوتی ہیں چنانچہ میں اس ویران کوٹھری میں موت کا انتظار کرنے لگا۔

موت کا تصوّر عجیب ہوتا ہے کیسی انوکھی بات ہے۔ انسان سے کہا جاتا ہے کہ موت کا علم کسی کو نہیں ہوتا، کوئی نہیں جانتا کہ اسے کب موت آئے گی۔ لیکن جو جانتا ہو، جسے اپنی موت کی ساعت کا علم ہو ـــ اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ میں بھی عجیب و غریب تصوّرات میں گھرا ہوا تھا۔ نیند کا آنکھوں میں کوئی وجود نہ تھا۔ بھوک مٹ چکی تھی۔ میرے لئے کھانا لایا گیا تو کیسی حیرت ہوئی۔ کیا محسوس ہوا مجھے ـــ غذا زندگی کی ضرورت ہوتی ہے ـــ اور جب موت قریب آگئی ہو تو زندگی سے لپٹے رہنے کی آخری کوشش کیا معنی رکھتی ہے؟ نیند ـــ یہ بھی زندگی کی علامت ہے۔ لیکن زندگی کہاں ہے؟

بس دماغ میں عجیب و غریب خیالات تھے۔ موت کی کوٹھری بھی موت کی طرح بھیانک تھی۔ خاصی عریض تھی، میرے علاوہ یہاں کوئی نہ تھا فرش گندہ تھا۔ در و دیوار گندے تھے۔ ان پر طرح طرح کر مختلف نام کندہ تھے۔ ان لوگوں کے نام جو اس کوٹھری میں آچکے تھے۔ موت کی سزا پانے کے لئے ـــ اور موت کی سزا پا چکے تھے لیکن ـــ وہ اپنے نام دیواروں پر ثبت کر گئے تھے۔ اور یہ نام کم از کم اس وقت تک زندہ تھے جب تک دیواروں پر نیا روغن نہ ہو جائے۔ اور شاید روغن کبھی نہ ہو۔ اس طرح یہ نام امر رہیں گے۔ بیساختہ میرا دل چاہا کہ میں بھی کسی نوکدار چیز سے اس دیوار پر اپنا نام کندہ کردوں۔ بس ـــ ایک بے تکی خواہش تھی اور میں اپنی خواہش کیوں پوری نہ کرتا۔ میں نے کسی نوکیلے پتھر کی تلاش میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ کوئی اور ہی چیز مل جائے۔ کوئی کیل ـــ کوئی لکڑی ـــ کوٹھری کے ایک کونے میں گلے ہوئے خستہ بوسیدہ کمبلوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ خاصا اونچا ڈھیر تھا۔ ممکن ہے اس کے نیچے کوئی چیز مل جائے۔ میں اس ڈھیر کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن ابھی میں اس کے نزدیک پہنچا ہی تھا کہ اچانک ڈھیر میں جنبش ہونے لگی ـــ جیسے کوئی کروٹ بدل رہا ہو ـــ مجھے اس کوٹھری میں آتے ہوئے چودہ گھنٹے گذر چکے تھے۔ ان چودہ گھنٹوں میں میں نے پہلے یہاں اپنے علاوہ کسی اور کے وجود کو محسوس نہیں کیا تھا لیکن کمبلوں کے ڈھیر میں ـــ!

میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ خوف وغیرہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ میں بتا چکا ہوں موت کا تصور آنے کے بعد مجھے زندگی کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہ گئی تھی۔ البتہ حیرت و تعجب کا تعلق سانسوں سے ہے۔ جب انہیں فراموش نہ کرسکا، تب ایک ہلکی سی کراہ کے ساتھ ایک پاؤں کمبلوں کے ڈھیر سے نکل آیا۔ اب کسی سوچ بچار کی ضرورت نہیں تھی۔ کمبلوں میں کوئی موجود تھا۔ میں نے جھک کر کمبلوں کو منتشر کردیا۔ اور اس نے اس طرح آنکھیں پٹپٹائیں جیسے روشنی میں انہیں کھول نہ پا رہا ہو ـــ پھر اس نے ایک طویل جماہی لی اور بولا۔

"کیا وقت ہوا ہے ـــ؟"

"تقریباً پانچ بجے ہوں گے مگر تم کب سے سو رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"شام کے پانچ ـــ" اس نے میرے سوال کا جواب دیئے بغیر اپنا سوال کیا۔

"ہاں ـــ" میں نے جواب دیا اور اس نے ایک گہری سانس لی پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے بال سنہرے گھنگھریالے تھے عمر تیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ چھریرا بدن تھا، ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں بھوری اور ہونٹ گلابی تھے۔

"کیا تم بھی سزائے موت کے قیدی ہو ـــ؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ـــ" اس نے بیزاری سے کہا اور کھڑا ہوگیا۔ اس کے انداز سے کاہلی اور لاپرواہی ٹپک رہی تھی۔ وہ اس طرح کوٹھری میں ٹہلنے لگا جیسے بدن گرم کر رہا ہو۔ پھر اچانک جیسے وہ چونک پڑا اور رک کر مجھے گھورنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے ایک مدھم روشنی سی نکل رہی تھی۔

"تم ..... تم کون ہو ـــ؟"

"جو تم ہو ـــ؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سزائے موت کے قیدی ـــ؟"

"ہاں ـــ" میں نے جواب دیا۔

"خوب ـــ تمہیں سزائے موت کب ہوگی ـــ؟"

"پرسوں صبح ساڑھے پانچ بجے ـــ" میں نے جواب دیا۔

"خوب۔" وہ پُرمسرت انداز میں بولا جیسے اُسے اس بات سے خوشی ہوئی ہو۔ میں اس عجیب و غریب نوجوان کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔

"اور تم اس دنیا سے رفوچکر ہو رہے ہو۔؟" میں نے پوچھا۔

"ہیں۔" اس نے بایاں گال کھجاتے ہوئے کہا۔ اُس کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے۔" اس نے جملہ پورا کیا۔

"کیا مطلب۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"مطلب بھی بتا دوں گا۔ بیٹھو۔ آؤ اس کمبلوں کے ڈھیر میں آجاؤ۔ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" وہ پھر کاہلوں کے سے انداز میں کمبلوں کے ڈھیر میں جا گھسا۔ میں ایک لمحے کچھ سوچتا رہا، حالانکہ تھوڑی دیر قبل میرے ذہن و دل کی عجیب کیفیت تھی۔ میں بیزاری سی محسوس کر رہا تھا لیکن اس وقت اس دلچسپ نوجوان کی موجودگی نے مجھے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ یہ تو طے شدہ بات تھی کہ وہ بھی سزائے موت کا قیدی تھا اور مجھ سے پہلے یا کچھ بعد میں اس دنیا سے جانے والا تھا۔ لیکن اس کی طویل نیند اور پھر بے فکری میرے لئے دلچسپ تھی۔ اس نے ایک کمبل پیروں پر ڈال کر دیوار سے ٹیک لگالی۔ اور میں بھی اسی کے انداز میں اس کے قریب جا بیٹھا۔

وہ فلسفیوں کے سے انداز میں چھت کو گھورتا ہوا کچھ سوچ رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد اس نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا اور بولا۔ "زندگی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

"دلچسپ چیز ہوتی ہے لیکن اس کا احساس موت کے قریب جا کر ہوتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ زندگی میں زندگی کی وقعت نہیں ہوتی — انسان بعض اوقات اس سے بیزار ہو جاتا ہے لیکن موت کو قریب دیکھ کر زندگی سے محبت محسوس ہونے لگتی ہے۔ تم نے سڑکوں پر گھسٹتے ہوئے معذور فقیروں کو دیکھا ہوگا، شدید بیماریوں سے مفلوج انسانوں کو دیکھا ہوگا۔ زندگی ان کے لئے ایک بوجھ ہوتی ہے لیکن وہ اس سے چپٹے رہنا چاہتے ہیں۔ اور کوئی ان سے کہے کہ وہ مر کیوں نہیں جاتے تو وہ اسے پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھیں گے اور ان کے مشورے پر مرنے مارنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔"

"بے شک۔" میں نے تائید کی۔

"تم سزائے موت پانے والے ہو۔ کیا تمہیں زندگی کی آرزو نہیں ہے؟"

"تھی۔ کوشش کی، ناکام ہو گیا۔ اور پھر موت سے سمجھوتہ کر لیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ناکامی کے بعد نا۔؟"

"ہاں۔"

"لیکن زندگی کسی چور دروازے سے، چپکے سے تمہارے قریب آجائے تو کیا تم اسے ٹھکرا دو گے۔؟"

"اس بارے میں نہیں سوچا۔ اور اب سوچنے کے لئے وقت بھی نہیں ہے۔ موت زیادہ دُور نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم حیرت انگیز ہو۔ موت پانے والے یوں مطمئن نہیں ہوتے۔ تم مطمئن کیوں ہو؟" اس نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"دنیا کی ضرورت پوری کر چکا ہوں۔ اور زندگی نے خوشی سے موت کی اجازت دے دی ہے۔ دل میں کوئی تردد نہیں ہے۔"

"یہ تو دنیا کا معاملہ تھا۔ خود اپنے بارے میں کیا سوچا؟ کیا یہ زندگی صرف دنیا کے لئے تھی۔؟"

"دنیا اگر زندہ رہنے کی مہلت دیتی تو اپنے بارے میں سوچتا لیکن بس۔ کہانی یہیں تک تھی۔" میں نے بے بسی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہانی آگے بڑھ سکتی ہے۔" اس نے پُراسرار انداز میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔!

"وہ کس طرح۔؟" بالآخر میں نے سوال کیا۔

"سنو۔ میں نے تم سے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ میں نے یہ نہیں معلوم کرنا چاہا کہ دنیا نے تمہیں یہاں تک کیوں پہنچا دیا؟ تم بھی مجھ سے میرے بارے میں کچھ مت پوچھنا۔ تم نے خود کو دنیا پر قربان کر کے، اپنے آپ کو موت کے حوالے کر دیا۔ اگر موت کے جبڑوں کے نزدیک سے ایک اور کہانی شروع ہو جائے تو اس کا پچھلی کہانی سے تعلق بالکل نہ ہونا چاہیئے۔ تم پُرانی دنیا کو بھول جاؤ۔ ہم نئی دنیا تلاش کریں۔"

"شاید موت کی قربت سے تم ذہنی توازن کھو بیٹھے ہو۔ یہ چند سانسیں ذہنی انتشار میں نہ گزارو۔ سکون سے وقت کاٹو اور دائمی سکون حاصل کر لو۔"

"میرا ذہنی توازن درست ہے۔ بالکل درست۔ اگر تم خود کو میرے حوالے کر دو تو میں تمہیں نئی زندگی میں لے جا سکتا ہوں۔"

"وہ کس طرح۔؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہم یہاں سے فرار ہو جائیں گے۔"

"فرار۔ کس طرح۔؟" اس بار میرے دل کی دھڑکنوں میں کچھ تیزی آئی تھی۔

"یہ سوچنا میرا کام ہے۔ پہلے تم آمادگی ظاہر کرو۔"

"آخری وقت میں ان حماقتوں میں وقت ضائع کرنا فضول ہے۔"

"ہمت مت ہارو نوجوان۔ موت آنی ہے فرار ہونے کی کوشش کرتے ہوئے کسی سپاہی کی گولی سے یا پھانسی کے پھندے پر۔" اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور میری آنکھوں میں عجیب سے چراغ جل اٹھے۔ زندگی کے چراغ۔ لیکن پھر اس کے بعد۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ کیا ایک مفرور کی زندگی بھی کوئی دلکش زندگی ہوگی۔ ہر وقت موت کا دھڑکا ہر ساعت پکڑے جانے کا خدشہ۔ لیکن ان باتوں کے باوجود زندگی کی کشش سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"کیا ہم فرار ہونے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔"

"نہایت آسانی سے۔؟"

"وہ کس طرح۔؟"

"یہ میرے اوپر چھوڑ دو۔ میں تمہیں جیل کی اس کوٹھری سے صاف نکال لے جاؤں گا۔" اس نے پورے اعتماد سے کہا۔ اور میں اسے پریشانی سے دیکھنے لگا۔ موت کے راستوں پر چلتے چلتے میں اچانک زندگی کی طرف لوٹ آیا تھا۔ اور زندگی خوف اور پریشانی کے راستے دکھاتی ہے۔

"لیکن اس کے بعد۔ کیا چپے چپے پر میری تلاش نہ شروع ہو جائے گی؟ کیا زندگی برقرار رکھی جائے گی؟ کیا سکون مل سکے گا۔؟"

"ہاں۔ یہ تمام چیزیں فراہم کرنا میرا کام ہوگا۔ تمہیں ان کی فکر نہیں کرنی چاہیئے۔ میں تمہاری زندگی کے نئے راستے متعین کروں گا۔ خود کو مکمل طور سے میرے حوالے کر دو۔" اس کے لہجے میں ایک عجیب سا اعتماد تھا۔ نہ جانے کیوں اس پر اعتبار کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ اور میں نے دھڑکتے دل سے کہا۔

"میں تیار ہوں۔"

"ویری گڈ۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تمہیں ایک سوال کرنا چاہیئے۔ وہ یہ کہ میں تمہارے لئے یہ سب کچھ کرنے پر کیوں آمادہ ہوں۔؟"

"مجھے بتاؤ۔" میں نے کہا۔

"میں تم سے اس محنت کا معاوضہ طلب کروں گا۔"

"معاوضہ۔ بھلا میں کیا معاوضہ دے سکوں گا۔"

"معاوضہ وصول کرنا بھی میری ذمہ داری ہوگی لیکن تمہیں ایک وعدہ کرنا ہوگا۔ یہاں سے نکلنے کے بعد۔ ایک مخصوص عرصے تک تم میرے ساتھ رہو گے۔ اور صرف میرے احکامات کی تعمیل کرو گے۔ جب میرا کام مکمل ہو جائے گا تو میں تمہیں ایک بہتر زندگی دے کر اپنا راستہ پکڑوں گا۔ اور اس کے بعد تم عیش کرو گے۔"

"تمہارا کام کیا ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"اس کے بارے میں تم کبھی سوال نہیں کرو گے۔ نہ ہی کسی کام سے انکار کرو گے۔ جو کچھ میں کہوں گا اس پر عمل کرو گے، خواہ تمہارا ضمیر اس کے لئے تیار نہ ہو۔"

"اور اگر میں اس سے انکار کر دوں تو۔؟"

"کر سکتے ہو۔ لیکن یہاں۔ ابھی۔ میری کوششیں شروع ہونے سے پہلے، اس کے بعد اگر تم نے انکار کرنے کی کوشش کی تو وہ تمہارے بس میں نہیں ہوگی۔ میں تمہیں خون کے بندھن میں جکڑوں گا، لیکن اسی وقت، تمہاری منظوری کے بعد۔"

"ہوں۔" میں گردن جھکا کر سوچنے لگا۔ آپ خود غور کریں۔ میری زندگی کے چند لمحے باقی تھے بس سورج ڈوبے گا، شام ہوگی۔ اور پھر اس کے بعد صبح طلوع نہ ہوگی اور میں ہمیشہ کے لئے یہ دنیا خیرباد کہہ دوں گا۔ مجھے یقین تھا گاؤں والے میری روح کو تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ میں نے ان ہی کے لئے تو قربانی دی تھی لیکن۔ میرے بھی تو کچھ ارمان تھے میں نے تو ابھی اس رنگ و بو کی دنیا سے ایک پھول بھی نہیں چنا تھا۔ ایسی حالت میں اگر زندگی واپس مل رہی ہے تو اس کے حصول سے کیوں منہ موڑا جائے۔ کیوں نہ زندگی کی باگیں پکڑ لی جائیں۔ وہ جو کچھ بھی کہے اسے مان لیا جائے۔ کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ موت تو بہرحال آنی ہے۔ رسی سے لٹک کر یا پھر کسی سپاہی کی گولی سے۔

چنانچہ چند ساعت خیالات میں گم رہنے کے بعد میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن تمہیں کامل بھروسہ کیوں ہے کہ ہم یہاں سے صاف نکل جائیں گے۔؟"

"یہ کوئی سوال نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس کے جواب کی ضرورت ہے۔ اگر تم تیار ہو تو اپنی رضامندی کا اظہار کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔"

"میں نے جو کچھ شرائط پیش کی ہیں ان پر پورے اترو گے۔؟"

"یقیناً۔" میں نے جواب دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔ اپنا ہاتھ آگے لاؤ۔" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے اپنی کلائی اس کے ہاتھ میں دیدی۔ وہ آہستہ آہستہ اسے ہونٹوں کے قریب لے آیا لیکن اچانک اس نے جھک کر میری کلائی میں دانت گاڑ دیئے۔ تکلیف کی ایک آواز میرے منہ سے نکل گئی اور میں نے کلائی چھڑانے کی معمولی سی جدوجہد کی لیکن اس کے تیز دانت اپنا کام کر چکے تھے۔ اس نے میری کلائی کی کھال ادھیڑ دی تھی اور اس سے خون کے قطرے نیچے ٹپک رہے تھے۔

اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر خون کے قطروں کو نیچے گرتے دیکھتا رہا۔

"یہ کیا؟۔ یہ کیا حرکت تھی۔؟" میں نے کلائی کے زخم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ہونٹوں پر آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارا خون گلابی مائل سرخ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہارے خون میں ان ذرات کی مقدار بہت زیادہ ہے۔ اور تم اچھے دوست ثابت ہو گے۔ لیکن برا دوست میں بھی نہیں ہوں۔" اس نے اپنی کلائی کا بھی وہی حشر کیا جو میری کلائی کا کیا تھا اور اس کی کلائی سے بھی خون کے قطرے ٹپکنے لگے۔ اس کے خون کی مقدار زیادہ تھی۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اس کا خون میرے خون پر حاوی ہو گیا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی میں جسم میں ایک عجیب سی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ نہ جانے یہ کیسی کیفیت تھی جسے میں الفاظ نہ دے سکا بس جسم میں عجیب سی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ کانوں میں پراسرار آوازیں گونج رہی تھیں۔ کھنکتے ہوئے قہقہے۔ بھدی اور بے ہنگم آوازیں۔ اس کی پراسرار نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور ان میں ایک عجیب سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔ کئی منٹ تک یہ کیفیت رہی۔ اور پھر میں پرسکون ہو گیا۔

تب اس نے ایک گہری سانس لی اور میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔
"کیا کیفیت محسوس کر رہے ہو۔؟"
"ٹھیک ہے۔ ذہن ہلکا پھلکا سا ہو گیا ہے۔"
"ہاں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ایک دوسرے کا سہارا ہو گیا ہے۔ اور اب ہم ان کے بندھنوں میں جکڑ گئے ہیں۔ ان بندھنوں میں جن کا دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب کیا پروگرام ہے۔؟"
"یہاں سے نکلیں گے۔"
"کیا یہ اسی قدر آسان ہے؟"
"ہر مشکل آسان بنائی جا سکتی ہے۔ تھوڑی سی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔"

میرے پراسرار ساتھی نے کہا۔ اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ میں اب بھی اس کے بارے میں حیران تھا۔ انوکھا شخص تھا۔ انوکھی شخصیت کا مالک۔ بے فکر۔ لاپرواہ۔ نہ جانے اس کی کہانی کیا ہے۔ لیکن دلچسپ بات تھی کہ ہم دونوں نے اپنے یہاں تک پہنچنے کے بارے میں ایک دوسرے سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

رات ہونے تک ہم دونوں مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ میری معلومات صفر تھیں لیکن وہ دنیا کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔ میں ایک گاؤں کا سیدھا سادا دہقان تھا۔ اور وہ بہرحال ایک تعلیم یافتہ نوجوان ــــ بڑا فرق تھا اس میں اور مجھ میں ــ میں اس سے کافی مرعوب ہو گیا تھا۔

بہرحال ــــ رات کو ہمارے لئے کھانا آیا۔ لیکن وہ کمبلوں کے ڈھیر پر جا بیٹھا تھا۔ اور کھانے سے لاتعلق نظر آ رہا تھا۔ سپاہی میرے ساتھ کافی ہمدردی سے پیش آ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ میں ایک آدمی کا کھانا دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ تاہم نہ جانے کیوں میں سپاہی سے کوئی سوال نہ کر سکا۔

"کھانا کھا لو نمبرو ــ اور کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔؟" سپاہی نے ہمدردی سے پوچھا۔
"نہیں ــ" میں نے گردن ہلا دی۔
"میں تھوڑی دیر کے بعد چائے بھجوا دوں گا۔ یہ سگریٹ رکھ لو۔" اس نے سگریٹ کا ایک پیکٹ اور ماچس مجھے دیتے ہوئے کہا۔
"میں سگریٹ نہیں پیتا۔" میں نے کہا۔
"اوہ ــ!" سپاہی نے گردن ہلائی اور واپس چلا گیا۔ تب میں کھانے کی ٹرے اٹھائے اس کے قریب پہنچ گیا۔
"آؤ۔ کھانا کھا لیں۔" میں نے اس سے کہا۔ اور اس نے بُرا سا منہ بنا کر گردن ہلا دی۔
"تم کھاؤ۔ میں نے کھانا چھوڑ رکھا ہے۔"
"کیوں۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"بس میں نہیں کھاتا۔ میری بھوک مر چکی ہے۔ تم نے دیکھا، سپاہی میرے لئے کھانا نہیں لائے۔ بہرحال غیر ضروری سوالات کر کے الفاظ اور وقت نہ ضائع کیا کرو۔ کھانا کھاؤ اس کے بعد ہمیں یہاں سے نکلنے کا بندوبست کرنا ہے۔" اور میں شانے اچکا کر کھانے بیٹھ گیا۔

سچ بتا دوں، اس سے قبل میرے ذہن میں کھانے کا تصور بھی نہ ابھرتا، کیونکہ میرے جسمانی اعضا بھی موت کے سائے قبول کرنے لگے تھے اور مضمحل ہو گئے تھے لیکن اس وقت میرے دل کی دھڑکنیں معمول پر تھیں۔ نہ جانے ذہن کے کون سے گوشوں نے زندگی کا تعین کر لیا تھا ــ اور اس کا اثر پورے جسمانی نظام پر پڑا تھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر میں نے پانی پیا اور پھر برتن ایک طرف کھسکا دیئے اور اس نے چائے بھی نہیں قبول کی۔ وقت گزرتا رہا، اور پھر خاصی رات ہو گئی۔ تب وہ ایک بار پھر کمبلوں کے ڈھیر سے نکل آیا اور سلاخوں کے نزدیک پہنچ گیا۔

"نمبرو۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ "موقع غنیمت معلوم ہوتا ہے تم جلدی سے کمبلوں کے ڈھیر کو اس انداز میں اکٹھا کر دو جیسے کوئی انھیں اوڑھے سو رہا ہے۔ میں تالا کھولنے کی کوشش کرتا ہوں۔" اور میں برق کی سی تیزی سے کمبلوں کے نزدیک پہنچ گیا۔

پھر جب میں کمبلوں کے ڈھیر کو انسانی جسم کی شکل دے کر واپس آیا تو کوٹھری

ایک عجیب جنگ

مرہٹوں سے جنگ میں ایک مرتبہ حیدر علی نے انکے لشکر پر شبخون مارا اور سامانِ رسد لیجانے والے کئی ہزار بیلوں پر قبضہ کر لیا۔ کچھ بیل اِسے اُدھر اُدھر سے بھی مل گئے۔ حیدر علی کے حکم سے سپاہیوں نے دس ہزار بیلوں کے سینگوں پر چیتھڑے باندھے، اور انہیں مٹی کے تیل میں بھگو دیا۔ جب آدھی رات ہونے کو آئی تو سینگوں پر لپٹے ہوئے کپڑوں کو آگ لگا دی اور بیلوں کو مرہٹہ سردار ترمک راؤ کے لشکر کی طرف ہانک دیا۔ مرہٹہ سپاہی آرام کی نیند سو رہے تھے جل انکے خیموں میں گھس گئے اور وہ بھگدڑ مچی کہ خیمے جل اٹھے اور سواری کے گھوڑے رسیاں تڑا کر بھاگ گئے۔ اسی افراتفری میں حیدر علی نے حملہ کر دیا اور مرہٹوں کو عبرتناک شکست ہوئی۔ اس جنگ میں حیدر علی کے پاس چند ہزار سپاہی تھے جبکہ مرہٹوں کا لشکر ایک لاکھ سے متجاوز تھا۔ حیدر علی نے اپنی چھوٹی سی فوج لیکر زندگی بھر بڑی کامیابی سے دشمنوں کا مقابلہ کیا، اس میں اُسکی ذاتی ہمت و جرأت کے ساتھ ساتھ اس طریقِ جنگ کا بھی دخل تھا جسے "گوریلا جنگ" کہا جاتا ہے۔ چھاپہ مار دستے دشمن کی اہم چوکیوں پر اچانک حملے کر کے اُسے بہت پریشان کرتے ہیں۔ گوریلا جنگ اس وقت لڑی جاتی ہے جب دشمن طاقت اور تعداد میں زیادہ ہو۔ اور اس کے وسائل بے اندازہ ہوں۔

(مرسلہ: حمید ہمدانی۔ لانڈھی۔ کراچی)

کے باہر لگا ہوا تالا اس کے ہاتھ میں تھا۔ میری آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اتنا بڑا تالا بغیر کسی اوزار کے کھول لینا معمولی بات نہ تھی۔ وہ کوئی ماہر چور معلوم ہوتا تھا لیکن اس وقت حیرت کا اظہار کرنے کی فرصت کسے تھی۔ تالا کھل چکا تھا۔ اس نے بے آواز دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا پھر اس نے راہداری میں دونوں سمت نگاہ دوڑائی۔ گارڈ کے جوتوں کی آواز دور سے سنائی دے رہی تھی۔ اس نے تالا واپس کنڈی میں اٹکایا اور اسے بند کرلیا اور پھر میرے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"میری بالکل پشت پر آجاؤ۔ اپنی طرف سے کچھ نہ کرنا، بس جس طرح میں کہوں کرتے رہنا۔ اور ہاں اپنے جسم کو بالکل میری آڑ میں رکھنا۔ اس طرح کہ اگر کوئی سامنے سے آئے تو اسے صرف میں نظر آؤں۔ ایسا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ میں تمہاری ذمہ داری نہیں لے سکتا، اس بات کا خیال تمہیں ہی رکھنا ہے۔" اور میں نے گردن ہلادی۔ ہم راہداری میں گارڈ کی مخالف سمت چل پڑے۔ گارڈ واپس آرہا تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ فوری طور پر اسے شبہ نہ ہوگا۔ تالا اسی طرح بند کردیا گیا ہے اور کمبلوں کے ڈھیر کو دیکھ کر وہ سوچے گا کہ ہم اس میں سو رہے ہیں۔

راہداری کے دوسرے سرے پر پہنچ کر ہم مڑے اور پھر ایک دم سے آڑ میں ہوگئے۔ اس طرف کا گارڈ سامنے ہی موجود تھا اور مستعد کھڑا تھا۔ میرا دل اچھل کر حلق سے باہر نکل جانے کی کوشش میں سرگرداں تھا۔ اس وقت میں زندگی کا طالب تھا۔ ہر قیمت پر۔۔۔ وہ میرے سامنے تھا اور ہمارا فاصلہ گارڈ سے دس فٹ سے زیادہ کا نہ تھا۔ چھپنے کی جگہ بھی معقول نہیں تھی بس چوہے اور بلی کی سی کیفیت تھی۔ یعنی ہم اس کے سامنے کھڑے تھے اور بھاگ نہیں سکتے تھے۔ کسی بھی لمحے اس کی نگاہ ہم پر پڑ سکتی تھی۔ چند ساعت کے بعد گارڈ مڑا اور میں کسی ہنگامے کے لئے تیار ہوگیا۔ کیونکہ گارڈ کا رخ ہماری طرف ہی تھا۔

لیکن۔۔۔ گارڈ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا، یا شاید اس پر نیند کا شدید غلبہ تھا اور اسکی پلکیں آپس میں جڑی جا رہی تھیں پھر اس نے ہمارے ہیولے کو نظرانداز کردیا تھا اور سوچا تھا کہ اس روشن راہداری میں کون آسکتا ہے؟ ان تمام باتوں میں سے کوئی بات ضرور تھی ورنہ وہ اس بے تعلقی سے ہمارے سامنے سے نہ گزر جاتا۔ وہ آگے بڑھ کر راہداری کے دوسرے موڑ پر چلا گیا اور ہم نے موقع سے فوری فائدہ اٹھایا۔ ہم تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ اور اب ہم نے راہداری میں دوڑنا شروع کردیا تھا۔ میں بس اس کی نقل کر رہا تھا۔

یہاں تک کہ ہم کھلی فضا میں نکل آئے۔ وہ شاید فرار کے راستے کو پہلے سے منتخب کر چکا تھا۔ اس لئے بڑے اعتماد سے آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم جیل کی عقبی دیوار کے نزدیک اس حصے میں پہنچ گئے جہاں سے ایک زمین دوز نالہ نہ جانے کہاں تک جاتا تھا۔ نالہ خشک پڑا تھا اور اس میں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر نظر آتے تھے۔ اس کا اوپری حصہ سیمنٹ کا تھا اور جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا وہ پھرتی سے نالے میں اتر گیا اور اس کی دیکھا دیکھی میں نے بھی ایسا ہی کیا۔

"میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔" اس نے کہا اور دونوں ہاتھ نیچے ٹکا دیئے۔ چنانچہ ہم چوپایوں کی طرح گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل چلنے لگے کیونکہ کوڑے کرکٹ کی وجہ سے جگہ تنگ تھی۔ بڑی گھٹن تھی لیکن اب زندگی کی خواہش پوری طرح عود کر آئی تھی اس لئے سب کچھ برداشت کرنا تھا۔

ہم آگے بڑھتے رہے۔ بڑا خوفناک سفر تھا۔ جہاں جہاں نالے کی چھت کھلی تھی۔۔۔ وہاں کوڑے کے زبردست ڈھیر تھے اور راستہ بے حد تنگ ہوتا۔ بعض جگہ تو ہمیں دونوں ہاتھو سے کوڑے میں سوراخ کر کے گزرنے کا راستہ بنانا پڑتا۔ ہاں جہاں پختہ چھت ہوتی وہاں راستہ کشادہ مل جاتا۔ لیکن وہاں دوسری آفات تھیں۔ کتے بلیوں کی سڑی ہوئی لاشیں یا چوہوں کے گروہ، جو اس علاقے کے حکمراں تھے اور ہم سے بالکل خوفزدہ نہیں تھے۔ چنانچہ وہ فطری بزدلی سے کام لیتے ہوئے عقب سے کبھی کبھی حملہ بھی کردیتے تھے اور مجھے پورا پورا اندازہ تھا کہ انہوں نے میرے جسم میں کتنی جگہ کاٹا تھا۔ اس وقت تو صرف زندگی کا جنون طاری تھا

نہ جانے یہ بھیانک سفر کتنا طویل تھا۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے پوری زندگی اسی خوفناک جدوجہد میں گزری ہو۔۔۔ اب ہم کسی ایسے علاقے سے گزر رہے تھے جہاں نالہ کسی پختہ سڑک کے نیچے سے گزرتا تھا۔ کیونکہ اب کوڑوں کے ڈھیر نہیں مل رہے تھے۔ ہاں گھٹن اور بدبو بڑھ گئی تھی۔ اس پورے سفر کے دوران ہم نے ایک بار بھی ایک دوسرے سے گفتگو نہیں کی تھی لیکن۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ رک گیا۔

"ٹھیرو۔" اس کی آواز ابھری اور میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ وہ نالے کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا جو ہمارے قد سے دو فٹ اونچی تھی۔ "میرا خیال ہے ہم اپنی منزل پر آگئے ہیں۔"

"اوہ۔" میرے منہ سے نکلا۔ وہ چھت پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ پھر لوہے کا ڈھکن سرکنے کی آواز سنائی دی۔ اور ہوا کا ایک تازہ جھونکا اندر داخل ہوگیا۔ پھیپھڑوں کو گویا نئی زندگی مل گئی تھی میں گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ وہ سوراخ کے دونوں کناروں پر ہاتھ جما کر اوپر اٹھ رہا تھا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔

"آؤ۔" اس نے جھک کر نیچے ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا لیکن میں نے دونوں ہاتھ اسی کے انداز میں کناروں پر جمائے اور اطمینان سے باہر نکل آیا

"خوب۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "میرا خیال تھا تم تھک گئے ہوگے۔" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کوئی چوراہا تھا لیکن جیل کی عمارت کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ وہ شاید میرا مقصد سمجھ گیا اور بولا۔ "نہیں۔ ہم جیل کی عمارت سے بہت دور نکل آئے ہیں۔" میں نے ایک گہری سانس لی اور وہ جھک کر گٹر کا ڈھکن برابر کرنے لگا۔ گٹر کا ڈھکن برابر کرنے کے بعد وہ میری طرف مڑا اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

میری کیفیت ایک معمول کی سی تھی۔ اس کے ہر اقدام پر میں غور تو کر رہا تھا۔ اس کی پراسرار شخصیت سے متاثر بھی تھا لیکن اس کی مرضی کے خلاف کچھ کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں اس کے ساتھ چلتا رہا۔ چوراہے سے ایک سمت مڑ کر وہ ایک ایسے علاقے کی طرف چل دیا جہاں درمیانے درجے کے لوگوں کے مکانات تھے۔ اور پھر گلیوں در گلیوں چلتا ہوا وہ ایک بوسیدہ سے مکان کے سامنے رک گیا۔ مکان کے دروازے پر تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے ایک چابی نکالی اور تالا کھولنے لگا۔ پھر اس نے کواڑ کھولے اور اندر داخل ہوگیا۔

"آجاؤ۔" اس نے بھاری آواز میں کہا اور میں اندر داخل ہوگیا۔ مکان کے اندر نیم کا درخت تھا۔ درخت کے نزدیک کی ایک ایک فٹ زمین کچی تھی باقی صحن پکا تھا لیکن ایسا لگتا تھا جیسے عرصہ دراز سے یہ مکان خالی پڑا ہو۔ پورے صحن میں نیم کے خشک پتے بکھرے ہوئے تھے۔ مکان میں دو کمرے تھے۔ کچن باتھ روم وغیرہ تھا۔ کمروں میں تالے نہیں لگے ہوئے تھے۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر ایک کمرے کا دروازہ کھولا اندر داخل ہوگیا۔ پھر اس نے تاریک کمرے میں کوئی الماری کھولی اور چند منٹ کے بعد ماچس گھسنے کی آواز سنائی دی اور پھر

کمرے میں ایک زرد سی روشنی پھیل گئی۔

میں نے زرد روشنی میں کمرے کا حال دیکھا۔ پورے ماحول پر اداسی اور ویرانی طاری تھی۔ کمرہ طویل عرصے سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ ظاہر ہے وہ جیل میں تھا۔ صفائی وغیرہ کون کرتا۔۔؟

"یہ تمہارا مکان ہے۔۔؟" میں نے پوچھ لیا

"ہاں۔۔ بے تکلفی سے بیٹھو۔ میں ابھی تمہیں لباس نکال کر دوں گا۔ لباس بدل کر یہ جیل کے کپڑے اتار پھینکنا۔"

اور میں ایک گہری سانس لے کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب بھی میری نگاہیں کمرے میں چکرا رہی تھیں اور ذہن میں بہت سے سوال مچل رہے تھے۔

"یہاں تم تنہا رہتے تھے۔۔؟" میں اپنے تجسّس پر قابو نہ پا سکا۔

"ہاں۔۔ بالکل تنہا۔" اس نے پھیکے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیوار میں سوئچ بورڈ ہے۔ شاید لائٹ کٹ چکی ہو۔" میں نے کہا۔

"نہ بھی کٹی ہو تب بھی بتی جلانا مناسب نہیں ہے۔ لوگ متوجہ ہوں گے، مکان بہت دن سے خالی ہے۔ پولیس تک اطلاع پہنچ سکتی ہے۔"

"اوہ۔۔ ہاں۔ مگر۔ کیا پولیس۔ اوہ، سنو۔ پولیس ہمیں یہاں تلاش کرنے ضرور آئے گی۔" میں نے تشویشناک لہجے میں کہا۔

"تم فکر مت کرو۔ پولیس ابھی بہت دیر تک یہاں نہیں آئے گی۔" اس نے بڑے سکون سے کہا۔ "اور پھر ہمیں زیادہ دیر تک یہاں نہیں رکنا ہے۔"

"اوہ۔ کہاں چلنا ہے۔۔؟"

"بتا دوں گا۔" اس نے خشک سے انداز میں کہا۔ اور میں خاموش ہو گیا۔ مجھے اس کے خشک لہجے پر کسی ناگواری کا احساس نہیں ہوا تھا۔ میں بھی گردن جھکا کر خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک ہم کرسیوں میں پڑے رہے۔ پھر اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"تم رکو۔ میں تمہارے لئے لباس کا بندوبست کر لوں اور خود بھی لباس تبدیل کر لوں آج رات ہم یہاں قیام کریں گے۔ کل دن میں یہاں سے چلنے کا پروگرام بنائیں گے۔ اس بار میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ کمرے کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں اسی طرح کرسی میں دھنسا رہا۔ برابر کے کمرے سے آہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک سلیپنگ سوٹ تھا۔ عمدہ کپڑے کا تھا۔ نہ جانے میرے بدن پر آئے گا بھی یا نہیں؟۔۔ بہرحال قیدیوں کے لباس سے تو پیچھا چھڑانا ہی تھا چنانچہ میں نے لباس اس کے ہاتھ سے لے لیا اور وہ باہر نکل گیا۔ میں نے لباس پہن کر دیکھا۔ اتفاق ہی تھا کہ لباس میرے جسم پر ٹھیک تھا۔

"کیا تم لباس بدل چکے۔۔؟" باہر سے اس کی آواز آئی۔

"ہاں۔" میں نے کہا اور وہ اندر آ گیا۔ اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"میرا اندازہ درست ہی تھا۔ کبھی میری اور تمہاری جسامت یکساں تھی۔"

"اب تو تم بہت کمزور ہو گئے ہو۔"

"ایں؟۔۔ ہاں۔۔ شاید۔" اس نے مختصراً کہا۔ "بس تم اسی کمرے میں آرام کرو۔ اب صبح ملاقات ہو گی۔" اس نے میرے جواب کا انتظار بھی نہیں کیا اور باہر نکل گیا۔ میں نے ایک بار پھر کمرے کے خاموش ماحول پر نگاہ دوڑائی۔ اور اٹھ گیا۔ زمین دوز نالے کے تکلیف دہ سفر نے نڈھال کر دیا تھا۔ پورا بدن تھکن اور چھوٹے چھوٹے زخموں سے چور تھا لیکن اس وقت زخموں کی پرواہ کسے تھی۔ عجیب حالات میں زندگی نے سنبھالا لیا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی چارپائی پر بچھی میلی دری کے دونوں کونے پکڑ کر میں نے جھاڑا اور اس سے ڈھیروں گرد نکل پڑی۔ کمرے کا ماحول گرد آلود ہو گیا۔ لیکن یہ جگہ جیل کی کوٹھری سے بہرحال بہتر تھی۔ میں چارپائی پر لیٹ گیا۔ نیند آنکھوں سے بہت دور تھی۔ دل کی حالت بھی عجیب تھی۔ کبھی اس پُراسرار ہمدرد کا خیال آتا جو مجھے جیل سے نکال لایا تھا۔ کبھی اندیشہ ہوتا کہ مکان کے باہر پولیس جیپ رُکی ہے۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ اور دم سادھ کر جوتوں کی آواز کا انتظار کرتا۔ لیکن پوری رات گذر گئی۔ پولیس نہیں آئی کبھی بار نیند آئی، کئی بار چونکا! اسی طرح صبح ہو گئی۔ عجیب سی صبح۔۔ ویران اور اداس۔۔۔ پریشانیوں سے بھری ہوئی۔۔ بستر پر لیٹے لیٹے بھی میں سوچ میں ڈوبا رہا۔۔ اب کیا ہو گا؟۔ یہی ایک سوال سب سے ذہن میں چکرا رہا تھا۔ پولیس ہم دونوں کی تلاش میں ہو گی۔ سزائے موت کے قیدیوں کا فرار معمولی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ بہرحال۔۔ تیسرے دن مجھے پھانسی دیدی جاتی۔ اور میں دنیا کے جھمیلوں سے نجات حاصل کر لیتا۔ زندگی ملی ہے تو ہمت کرنی چاہیئے۔ آخر وہ بھی تو میرے ساتھ ہے۔ وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ کیا میں اس سے گیا گذرا ہوں۔ وہ میری بزدلی کا مذاق اڑائے گا۔ چنانچہ میں نے خود کو سنبھال لیا اور بستر سے اٹھ گیا منہ ہاتھ دھونے کے لئے باہر جانا پڑتا تھا۔ میں دروازے سے باہر نکل آیا۔ دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی وہ مجھے نظر آیا۔ اور مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"کہو؟۔ رات کیسی گذری۔۔؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بے چین۔۔ رات بھر پولیس کا دھڑکا لگا رہا۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ۔۔ بے وقوفی ہے تمہاری۔۔ پولیس اتنی آسانی سے تمہیں نہیں پا سکتی۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ بے فکر رہو۔"

"ٹھیک ہے۔۔ مجھے فکر نہیں ہے۔ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔" میں نے کہا۔

"منہ ہاتھ دھو لو۔ وہ غسل خانہ ہے۔ اور اس کے بعد ناشتے کے لئے کچن میں چلے جاؤ۔ انڈے اور ڈبل روٹی وغیرہ موجود ہیں۔ ناشتہ خود تیار کرو اور کھاؤ۔"

"کیا تم نے ناشتہ کر لیا۔؟" میں نے پوچھا۔

"آئندہ اس بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے اور نہ کھانے پینے کے لئے مجبور کرو گے۔" اس نے خشک لہجے میں کہا اور اپنے کمرے کی طرف مڑ گیا۔ اس وقت بھی میں نے اس کے لہجے کا برا نہیں منایا تھا۔ ہاں میں کچھ سوچتا ہوا غسل خانے کی طرف گیا تھا۔ کیا یہ پراسرار شخص۔۔ کھائے پئے بغیر ہی زندہ ہے؟۔ یہ تو ناممکن ہے۔ پھر؟.... لیکن غسل خانے پہنچ کر میں نے سر خیال جھٹک دیا۔ مجھے کیا پڑی ہے جہنم میں جائے۔ جب تک دل چاہے گا اس کے ساتھ رہوں گا۔ اس نے میرے اوپر احسان کیا ہے کہ مجھے جیل سے نکال لایا۔ جو کچھ کام بتائیگا، وہ کروں گا اور اس کا احسان اتار دوں گا۔ پھر خود اپنی زندگی کے راستے تلاش کروں گا۔

اور کچن میں انڈے تلتے وقت بھی میں یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ کچن میں تمام سامان موجود تھا۔ چائے بناتے وقت میرے ذہن میں خیال بھی آیا کہ چائے کی ایک پیالی اسے میں دے آؤں۔ لیکن پھر اس کے خشک لہجے نے یہ خیال بہت جلد ذہن سے نکال دیا۔ ہاں چائے پینے کے بعد میں اس کے کمرے کی طرف چل پڑا۔

"کیا میں اندر آسکتا ہوں۔؟" میں نے سوال کیا۔

"آجاؤ۔" اندر سے اس کی سپاٹ آواز سنائی دی۔ اس آواز میں کوئی جذبہ نہیں تھا، کوئی تاثر نہیں تھا لیکن رفتہ رفتہ میں اس آواز کا عادی ہوتا جارہا تھا۔ میں اندر پہنچ گیا۔ اس کے سامنے ایک چمڑے کا سوٹ کیس کھلا ہوا تھا اور وہ اس میں سوٹ اور دوسرے کپڑے وغیرہ رکھ رہا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"یہ اچھی بات ہے کہ میرے لباس تمہارے جسم پر درست آئیں گے۔ ان میں سے ایک کوٹ فوری طور پر پہننے کے لئے منتخب کرلو۔ اور ہاں یہ مکمل شیونگ سیٹ ہے۔ شیو وغیرہ کرکے تیار ہوجاؤ۔"

"تم شیو نہیں کروگے۔ تمہارا شیو بھی تو بڑھ رہا ہے۔؟" میں نے کہا اور وہ خشمگیں نگاہوں سے مجھے گھورنے لگا۔

"شیرو۔ میں نے تم سے کتنی بار کہا ہے کہ صرف اپنے بارے میں سوچو، میرے بارے میں کچھ مت سوچو۔ میں جس حال میں ہوں ٹھیک ہوں۔ میں اسی حال میں رہوں گا۔ اگر تم اسی طرح میرے بارے میں کرید کرتے رہے تو معاف کرنا میرے دوست۔ میرا تمہارا ساتھ قائم نہ رہ سکے گا۔" اور میں اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔

میں اس کی آنکھوں میں کرب یا کوئی اور تکلیف تلاش کررہا تھا۔ نہ جانے کن حالات کا شکار ہے یہ شخص۔ جس نے اسے زندگی سے اس قدر دور کردیا ہے۔ بہرحال میں اس سے واسطہ رکھنا چاہتا تھا۔ کچھ بھی تھا۔ وہ ایک چالاک اور ذہین نوجوان تھا اس کے اندر کچھ پراسرار صلاحیتیں تھیں جو میرے کام آسکتی تھیں۔ اور اس وقت، ان حالات میں مجھے اس کی دوستی عزیز تھی۔ اس لئے میں نے دل میں آخری فیصلہ کرلیا کہ اس کی ہدایات پر عمل کروں گا، اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہوں گا، اس کے بارے میں کچھ نہیں سوچوں گا۔

چھوٹے سے آئینے کو سامنے رکھ کر میں نے شیو کیا اور پھر باتھ روم میں جاکر منہ ہاتھ دھویا۔ لباس پہن کر بال سنوارے۔ اور میری شخصیت بھی بحال ہوگئی۔ حالانکہ اس سے قبل میں نے یہ لباس نہیں پہنا تھا لیکن دوسروں کو پہنتے دیکھا تھا۔ اور پھر نہ جانے کیوں مجھے اپنے ذہن میں بھی کچھ عجیب تبدیلیاں محسوس ہورہی تھیں۔ میں ایک سیدھا سادا دیہاتی نوجوان تھا لیکن جیل کی زندگی، اور پھر اس کے ساتھ نے میرے اندر نمایاں تبدیلیاں کردی تھیں۔ لباس وغیرہ بدلنے کے بعد میں واپس اس کے کمرے میں آگیا اور وہ ناقدانہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر وہ اٹھا اور اس نے میری ٹائی کی ناٹ درست کی۔ کوٹ کے بٹن وغیرہ درست کئے اور اس کے بعد میرے کندھے پر ہاتھ مار کر مسکرا کر بولا۔

"شیرو۔ آئینے میں خود کو دیکھو۔ کون کہہ سکتا ہے کہ تمہارا تعلق کسی دیہات سے ہے۔ تمہاری شخصیت بھی بدل گئی ہے۔"

"میں بھی محسوس کررہا ہوں۔ لیکن یہ سب کچھ مجھے اجنبی نہیں محسوس ہوتا۔۔۔۔ نہ جانے کیوں۔"

"ہم روانگی کے لئے تیار ہیں۔" وہ سنبھل کر بولا اور میں نے گردن ہلادی اور پھر وہ میرے ساتھ باہر نکل آیا۔ نہ جانے وہ مجھے کہاں لے جانا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں تھی۔ میں اس سے وعدہ کرچکا تھا۔ پہلے اس کا کام کروں گا۔ اس کے بعد اپنی زندگی کے بارے میں سوچوں گا، بشرطیکہ پولیس کے چنگل سے بچ سکا۔

باہر آکر ہم نے ایک ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئے۔

"اسٹیشن۔" اس نے کہا اور ڈرائیور نے ٹیکسی آگے بڑھادی۔ اس نے جیب سے ایک پرس نکال کر میری طرف بڑھادیا۔ "لو۔ ڈرائیور کو بل وغیرہ ادا کردینا۔" میں نے پرس لے کر جیب میں رکھ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اسٹیشن پر اتر گئے۔ لیکن اسٹیشن کے گیٹ پر پولیس کے سپاہی تعینات تھے جنہیں دیکھ کر میں اچھل پڑا۔

"پولیس۔" میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"جھجکنے کی ضرورت نہیں۔ میرے جسم کی آڑ میں رہو۔ اور اطمینان سے چلے آؤ۔" اس نے مضبوط آواز میں کہا اور ٹائی کی ناٹ میری گردن پر سخت ہوگئی۔ میں اس کے جسم کی آڑ میں آگے بڑھ گیا۔ اور ہم دونوں اسٹیشن کے اندر داخل ہوگئے۔ اندر بھی پولیس والے گھوم رہے تھے۔ یقیناً وہ ہم دونوں کی تلاش میں تھے۔ لیکن وہ بالکل بے فکر تھا۔ پھر ریلوے باتھ روم کے نزدیک پہنچ کر اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا۔ "میں ٹکٹ کا بندوبست کرلوں۔ تم اس وقت تک باتھ روم میں چلے جاؤ۔ میں دستک دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور باتھ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ پھر میں نے دروازہ اندر سے بند کردیا۔ دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ پولیس والوں کے جوتوں کی دھمک کنپٹیوں پر ٹھوکریں ماررہی تھی۔

دروازے کی دستک پر میں اچھل پڑا تھا۔ پھر اس کی آواز سنائی دی۔ "شیرو۔" اور میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

"آؤ۔" اس نے اسی پراسرار انداز میں کہا اور میں پھر اس کے جسم کی آڑ میں چل پڑا۔ حالانکہ وہ سزائے موت کا مفرور مجرم تھا۔ پولیس اس کی بھی تلاش میں تھی لیکن میری بہ نسبت وہ کس قدر بے فکر تھا۔ اور بار بار مجھے اپنی آڑ میں چلنے کے لئے کہہ رہا تھا جیسے وہ مفرور ہی نہ ہو۔

بہرحال پولیس والوں کی نگاہوں سے بچتے ہوئے ہم ٹرین تک پہنچ گئے۔ اس نے تھرڈ کلاس کے کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا اور ہم دونوں اندر داخل ہوگئے۔ پولیس ٹرین کے ڈبوں کے نزدیک بھی موجود تھی۔ بعض اوقات پولیس والے کمپارٹمنٹ میں بھی آجاتے تھے۔ اس وقت تک میرا دل دہلتا رہا۔ جب تک ٹرین نے پلیٹ فارم نہ چھوڑدیا اور جب وہ کافی دور نکل آئی تو میں نے ایک گہری سانس لی تھی۔ کمپارٹمنٹ میں زیادہ رش نہیں تھا۔ لوگ اپنے اپنے مشاغل میں مصروف تھے۔ کوئی ہماری طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے جیب سے ٹکٹ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اسے رکھو۔" اور میں نے ٹکٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ میں نے ٹکٹ پر لکھے ہوئے اسٹیشن کا نام دیکھا تب مجھے اندازہ ہوا کہ ہم کہاں جارہے ہیں۔ ٹکٹ ایک خاصے دور شہر صغیر آباد

کا تھا۔ صغیر آباد کافی بڑا اور ترقی یافتہ شہر تھا۔ بہرحال اس کے باوجود میں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم صغیر آباد کیوں جا رہے ہیں؟

ٹرین کا سفر جاری رہا۔ اب ہم پرسکون تھے۔ ایک بار اس نے جھک کر میری طرف دیکھا اور میں بھی اس کی طرف جھک گیا۔ "دیکھو، پرس تمہاری جیب میں ہے۔ اس میں اچھی خاصی کرنسی ہے۔ بھوک لگے تو اپنے لئے کھانا منگوا لینا۔ چائے پینے کو دل چاہے تو چائے پی لینا۔ مجھ سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ دل چاہا تھا کہ اس سے پوچھ تو لوں۔ آخر وہ کب تک بھوکا پیاسا رہے گا اور اس طرح کتنے عرصے تک زندہ رہ سکتا ہے۔ دوسرے اس کھانے پینے کی ہڑتال کے کیا معنی ہیں؟ کیا اس نے ایسا کوئی عہد کیا ہے کہ جب تک وہ اپنا کام مکمل نہ کرلے گا، کھانے پینے کو ہاتھ نہیں لگائے گا۔ اور اس کے علاوہ ـــ اس نے کب سے کھانا نہیں کھایا ہے۔؟ لیکن اس کی ناراضگی کا خطرہ تھا۔ اس نے اپنے بارے میں کرید کرنے سے منع کر دیا تھا۔

چنانچہ میں نے صبر کیا اور خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد کوئی دقت نہیں پیش آئی۔ اور سفر جاری رہا۔ میں نے وہی کیا جو اس نے کہا تھا۔ سفر دن بھر جاری رہا۔ میں نے دوپہر کا کھانا ایک اسٹیشن سے خرید کر کھایا۔ کئی بار چائے منگوائی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

وہ بدستور آنکھیں بند کئے، سیٹ سے ٹیک لگائے سو رہا تھا، یا جاگ رہا تھا۔ اس کے بارے میں میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ ایک بار ٹکٹ کلکٹر آیا اور اس نے مجھ سے ٹکٹ طلب کیا۔ میں نے اسے ٹکٹ دیدیا اور پھر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بدستور سو رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ ٹکٹ کلکٹر خود اُسے جگالے گا، لیکن شریف ٹکٹ کلکٹر نے اسے سوتے سے جگانے کی زحمت نہیں کی تھی اور خاموشی سے آگے بڑھ گیا تھا۔

رات کے تقریباً ساڑھے چار بجے تھے، جب ٹرین صغیر آباد ریلوے اسٹیشن پہنچی، وہ ہوشیار ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ ٹرین رُکنے پر ہم اتر آئے، اب میں بھی مطمئن تھا۔ چنانچہ اپنا سوٹ کیس لٹکائے میں اس کے پیچھے چل پڑا ـــ وہ گیٹ سے بھی یونہی گزر گیا۔ جبکہ میرا ٹکٹ، گیٹ پر کھڑے چیکر نے لے لیا تھا۔ باہر کھڑی ہوئی ٹیکسی میں بیٹھ کر ہم چل پڑے۔!

"ارجن پورہ ـــ!" اُس نے ڈرائیور سے کہا اور ڈرائیور نے گردن ہلادی۔ تب وہ سرگوشی کے انداز میں مجھ سے بولا۔ "شیرو۔ کیا تم میرا کام کرنے کے لئے تیار ہو۔؟"

"ہاں ـــ میں تیار ہوں!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"جی صاحب ـــ" ڈرائیور نے پلٹ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ تم سے بات نہیں ہو رہی ـــ" اس نے جواب دیا اور ڈرائیور نے گردن ٹیڑھی کر کے شانے اچکائے، پھر سامنے دیکھنے لگا! "آہستہ بات کرو۔" وہ مجھ سے بولا، اور میں نے گردن ہلادی۔ "ارجن پورہ میں ہوٹل گلباز ہے، تم وہاں کمرہ با آسانی حاصل کرسکتے ہو۔ اپنے کمرے میں آرام کرنا اور کسی کو کوئی شک نہ ہونے دینا۔ کمرے سے باہر نہ نکلنا، میں کل دن میں کسی وقت آؤں گا، اور اس کے بعد تمہیں اپنا آئندہ پروگرام بتاؤں گا!"

"اوہ ـــ تم کہاں جا رہے ہو۔؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہمت کرو یار ـــ کیسے انسان ہو ـــ میں اپنے کام کے سلسلے میں جاؤں گا، تم فکر مت کرو۔!" اُس نے جھلّائے ہوئے انداز میں کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

"ابھی چلے جاؤ گے۔؟" تھوڑی دیر کے بعد میں نے پوچھا۔

"ہاں ـــ کیوں۔؟"

"میرا مطلب ہے، رات گزار کر صبح چلے جانا۔"

"نہیں شیرو ـــ میں تمہارا ابھی زیادہ وقت نہیں برباد کرنا چاہتا۔ ابھی دو ایک دن میں تمہاری تصاویر اخبارات میں چھپ جائیں گی اور یہاں کے لوگ بھی تمہاری شکل سے واقف ہو جائیں گے ـــ اس کے بعد تمہیں مشکلات پیش آئیں گی۔ میں چاہتا ہوں، یہ مشکلات پیش آنے سے پہلے تمہاری حفاظت کا بندوبست کردوں۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔!" میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم ارجن پورہ پہنچ گئے۔

گلباز درمیانہ درجے کا ہوٹل تھا۔ میں نے اس میں ایک کمرہ حاصل کرلیا۔ اور پھر وہ مجھے تسلی دے کر چلا گیا۔ میں ہوٹل میں مقیم ہو گیا۔ رات تو گزر ہی چکی تھی۔ صبح کو میں نے غسل کر کے لباس تبدیل کر لیا ـــ اور پھر بیرے کو بلا کر ناشتہ طلب کیا، ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے برتن اٹھوائے اور پھر دروازہ بند کر کے مسہری پر پہنچ گیا۔

چوبیس گھنٹے کی تھکن تھی۔ گو عجیب و غریب خیالات کی وجہ سے دماغ پریشان تھا، لیکن نیند نے تمام الجھنوں سے آزاد کر دیا۔ آنکھ کھلی تو دن ڈھل چکا تھا اور خوب زور کی بھوک لگ رہی تھی۔ منہ ہاتھ دھویا، اس کا خیال آیا اور میں پریشان ہو گیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آیا ہو اور آوازیں دے کر چلا گیا ہو ـــ لیکن جاتا کہاں ـــ پھر آئے گا ـــ میں نے دوبارہ بیرے کو بلا کر چائے اور ہلکے پھلکے کھانے کا آرڈر دیا ـــ چائے ہی ٹھیک تھی، کھانے کا وقت گزر گیا تھا اور پھر چونکہ میں دن بھر سوتا رہا تھا اس لئے معدہ بھی صحیح کام نہیں کر رہا تھا۔ چائے کی دو پیالیوں نے ذہن صاف کر دیا۔

تقریباً پانچ بجے تھے جب وہ واپس آیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے، آنکھوں میں ایک خوفناک سی چمک تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ بڑا پُرجوش نظر آ رہا تھا۔!

"شیرو۔ قدرت کے انتقام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔؟"

"شدید ہوتا ہے۔" میں نے جواب دیا، اور مجھے اپنی کہانی یاد آگئی۔ ظالم دھرمندر کو میرے ہاتھوں اذیت ناک سزا ملی تھی، اُس نے بہت سے دل دکھائے تھے۔ بہت سی جوانیوں کو پامال کیا تھا۔

"ہاں ـــ قدرت انتقام ضرور لیتی ہے شیرو۔ آج میں نے وہ دیکھا ہے، جو میرے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا۔ ہاں، جس کا میں نے تصوّر بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن کیا میں احمق ہوں ـــ کیا میں اپنے انتقام کا ارادہ ترک کردوں۔؟ ہرگز نہیں ـــ وہ اپنے کئے کی سزا بھگت رہی ہے۔ میرا انتقام تو ابھی باقی ہے۔ دونوں سے۔ میں نے جو کچھ سوچا ہے اسے مکمل کردوں گا، ہر قیمت پر۔!" اس کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا تھا آج کی کیفیت میرے لئے انوکھی تھی۔ اس سے قبل میں نے اسے اس رنگ میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اس کی بات کا ایک بھی لفظ میری سمجھ میں نہیں آیا تھا اور

میں احمقوں کی طرح اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ چند ساعت کے بعد اسے بھی احساس ہو گیا کہ وہ جو کچھ مجھ سے کہہ رہا ہے، حماقت ہے۔ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم۔! اور اس کے چہرے کے تاثرات معمول پر آنے لگے۔ اور پھر وہ بالکل نارمل ہو گیا اور پشیمانی سے مسکرانے لگا۔

"آرام سے بیٹھو دوست۔ کیسی انوکھی بات ہے، تم نے آج تک مجھے اپنے نام سے بھی واقف نہیں کیا۔ میں بھی اس لئے مجبور نہیں کر سکا تھا، کہ تمہاری حیثیت ایک ہمدرد مددگار یا آقا کی سی تھی اور یہ درست ہے کہ وقتی طور پر ہی، لیکن تم مجھے موت کے شکنجے سے نکال لائے ہو۔ چنانچہ میں تمہیں کسی ایسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گا، جو تم پسند نہ کرو۔ لیکن میری کہانی تو سُن لو۔ اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"ہاں۔ تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ ویسے تم مجھے نعمان کہہ کر مخاطب کر سکتے ہو۔"

"شکریہ نعمان۔ میں ایک غریب دیہاتی ہوں۔ کسان سمجھ لو۔ والدین زندہ تھے تو گاؤں سے دُور قصبے کے اسکول میں پڑھنے جاتا تھا۔ چھ کلاسیں پڑھی تھیں لیکن پھر حالات اجازت نہ دے سکے اور پڑھائی چھوڑ دی اور باپ کے ساتھ کام کرنے لگا، جو بیمار تھا۔ پھر ایک دن باپ ساتھ چھوڑ گیا۔ اس کی موت کے آٹھ سال تک ماں زندہ رہی اور پھر ایک دن وہ بھی چھوٹی بہن کو میرے سپرد کر کے چل بسی۔ رجو میری زندگی تھی۔ پھر جب بوالہوس کتّے دھرما نند نے اُس کی طرف بُری نگاہ ڈالی تو۔۔۔۔"

اور میں نے پوری کہانی اسے سُنا دی۔ وہ میری کہانی سے بہت زیادہ متاثر نظر آ رہا تھا۔ کہانی ختم ہونے کے بعد اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"فکر مت کرو میرے دوست، تمہارے دُکھوں کا مداوا ہو جائیگا، لیکن سنو، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں جو کچھ کہوں اس پر خلوص سے عمل کرنا، ممکن ہے وہ کوئی ناگوار کام ہو۔ لیکن میری زندگی سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ رہی میری کہانی تو وہ بھی موقع ملنے پر تمہیں سُنا دوں گا۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا ــــــ"

میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھنے لگا، وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اُس نے ایک گہری سانس لی اور میری طرف دیکھ کر مُسکرانے لگا۔

"گاؤں کی خوبصورت زندگی میں، کبھی تم نے کسی سے محبت بھی کی ہے؟"

"نہیں دوست۔ اس کے لئے وقت نے اجازت نہیں دی۔"

"لیکن تم جوان ہو۔ خوبصورت ہو۔ اور پھر عورت تو زندگی کی اہم ضرورت ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اس ضرورت کے لئے فرصت نہیں ملی۔"

"خوب۔ پھر اب کیا خیال ہے۔؟"

"میں نہیں سمجھا۔" میں نے حیرت سے کہا۔

"عورت کی دلکشی سے واقفیت نہیں حاصل کرو گے۔؟"

"ابھی تو زندگی ہی ناپائیدار ہے۔ اگر جینے کا یقین ہو جاتا، تو اس طرف توجہ دیتا۔" میں نے کہا۔

" اس کا وعدہ میں کر چکا ہوں۔ بہر حال میری خواہش ہے کہ تمہیں ایک عورت سے ملاؤں۔"

"اوہ۔ کون ہے وہ۔؟ اور تم مجھے اس سے کیوں ملانا چاہتے ہو۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"یوں سمجھ لو۔ یہ میرے کام کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ میں تمہارے ساتھ اس کے مکان کے دروازے تک چلوں گا، تم اندر چلے جانا۔ اب اس کا گھر ایسا نہیں ہے، جہاں کسی کو آنے جانے میں دقت ہو۔ ہر وہ شخص وہاں جا سکتا ہے، جو ایک رات کے لئے اس کی قیمت ادا کر سکے، حالانکہ۔۔ حالانکہ اس سے قبل وہ ایسی نہیں تھی۔ میری آہوں کا طفیل ہے اور خدائی انتقام ہے۔ اس کی روح کچل رہی ہے۔ عذابِ قبر میں مبتلا ہے وہ۔! اور یہی اس کا انجام تھا۔ ہاں یہی اس کا انجام تھا۔" اس کے ہونٹ مُڑ گئے اور چہرہ غصّے سے بھیانک ہو گیا۔

کئی منٹ تک اُس کی یہی کیفیت رہی، لیکن پھر وہ اعتدال پر آ گیا۔ اور میری طرف دیکھ کر بولا۔ "تو تیار ہو جاؤ میرے دوست۔ ہم آج ہی اس کے پاس چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔!" میں نے گردن ہلا دی، اور وہ باہر نکل گیا۔ میں نے سوٹ کیس سے سب سے اچھا سوٹ نکالا۔ عجیب و غریب کام سپرد کیا تھا اُس نے۔ بہر حال میں اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے سوٹ پہنا، بال سنوارے، اور پھر وہ اندر آ گیا۔ اس نے مجھے دیکھا اور گردن ہلا کر مُسکرانے لگا۔ پھر اُس نے بہت سے نوٹ نکال کر میری طرف بڑھائے۔

"انھیں رکھ لو۔ اس کو منہ مانگی قیمت دینا ہوگی۔ اور یہ بھی رکھ لو۔"

اُس نے ایک تیز دھار خنجر نکال کر میری طرف بڑھایا اور میں چونک پڑا۔

"یہ۔ یہ کیوں۔ اس کا کیا کرنا ہے۔؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اس کے استعمال کی ضرورت بھی پیش آئے گی۔" اس نے پُراسرار انداز میں کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا! لیکن اس کی نگاہوں سے نگاہ ملتے ہی میری حیرت رفع ہو گئی۔ میرے اپنے خیالات ننھے منّے پرندوں کی طرح ذہن سے پرواز کر گئے۔ اور میں بے چوں و چرا اس کے احکامات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔ چنانچہ میں نے خنجر لے کر لباس میں چھپا لیا، اور پھر ہم دونوں گلباز ہوٹل سے باہر نکل آئے۔ وہ میرے قدموں سے قدم ملا کر چل رہا تھا اور پھر اس کے اشارے پر میں نے ٹیکسی روکی اور ہم دونوں بیٹھ گئے۔!

"میراں باغ۔" اس نے کہا اور ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ راستے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ میرے ذہن میں بھنور سے اُٹھ رہے تھے۔ کچھ عجیب سی کیفیت تھی۔ بہر حال ایک جگہ پہنچ کر ٹیکسی رُک گئی۔!

"اُترو۔!" اس نے کہا۔ اور میں دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔ میرے ساتھ وہ بھی اُتر آیا اور پھر میں نے پرس سے نوٹ نکال کر ٹیکسی کا بل ادا کر دیا۔ اُس نے میرا بازو پکڑا اور ایک طرف بڑھ گیا اور پھر تھوڑی دُور چل کر رُک گیا۔

"ٹھہرو۔!" اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہوں۔!"

"وہ مکان دیکھ رہے ہو۔ وہ جہاں سبز روشنی ہے۔"

"ہاں۔!"

"جاؤ۔ بے دھڑک اندر داخل ہو جاؤ۔ تم جانتے ہو تمہیں کس طرح گفتگو

کرنی ہے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے۔ اس کی آواز میرے حواس پر چھا گئی۔ اور میں نے گردن ہلا دی۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔" اور میرے قدم آگے بڑھ گئے۔ لیکن تھوڑی دور چل کر میں نے پلٹ کر دیکھا' وہ میرے ساتھ نہیں تھا' نہ جانے وہ کس طرف چلا گیا تھا۔ کسی پھندے میں نہ پھنس جاؤں۔ نہ جانے وہ مجھ سے کیا کرانا چاہتا ہے؟ میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا' لیکن پھر اچانک اس کی آواز حواس پر مسلط ہو گئی۔ مجھے وہی کرنا تھا جو اُس نے کہا تھا۔ ہاں۔ میں اب تک وہی کر رہا تھا جو وہ چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ جو میں کر رہا تھا اُسی کے اشارے پر کر رہا تھا۔ میری اپنی حیثیت تو کچھ نہ تھی' میں بہر حال ایک سادہ لوح دیہاتی تھا' کوئی شہری جوان نہ تھا۔ مجھے ان معاملات کے بارے میں کوئی واقفیت نہیں تھی۔ لیکن میرے اندر کوئی اور شخصیت کام کر رہی تھی۔ میں تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا۔!

سبز روشنی والے مکان کے دروازے پر میں رُک گیا۔ اور میں نے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔ زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ چند لمحات کے بعد دروازہ کھُل گیا۔ اور ایک بوڑھی عورت نے باہر جھانکا۔

"فرمایئے۔؟" اُس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مہمان ہوں۔!" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"اوہ۔ آ جایئے۔" عورت دروازے سے پیچھے ہٹ گئی اور میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ ایک بار پھر مجھے اطمینان سا ہو گیا تھا' جیسے کسی اندرونی قوت نے مجھے سنبھال لیا ہو۔ بوڑھی عورت مجھے مکان کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں لے گئی اور بولی۔

"تشریف رکھیئے۔ کیا آپ پہلے بھی یہاں آ چکے ہیں۔؟"

"نہیں۔!" میرے منہ سے نکل گیا۔

"تب پھر آپ کو پتہ کس سے معلوم ہوا۔؟"

"ایک عزیز دوست سے۔!" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ بے بی تیار ہو رہی ہے۔ براہ کرم پانچ سو روپے عنایت فرما دیں۔"

"جی۔!" میں نے کہا اور پرس سے پانچ سو روپے کے نوٹ نکال کر بوڑھی کی گود میں ڈال دیئے۔

"شکریہ۔" اُس نے کہا اور ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ واپس آئی تو چائے کی ٹرالی ساتھ تھی۔ جس پر عمدہ برتن سجے ہوئے تھے۔ اس کے بارے میں کچھ کہنے بھی نہ پایا تھا کہ خوبصورت لباس میں ملبوس ایک خوبصورت عورت اندر آ گئی۔! اُس نے بڑے گھریلو انداز میں مجھے سلام کیا تھا۔ میں نے گردن کے اشارے سے اسے جواب دیا' اور وہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

"تم جاؤ بوا۔ میں چائے بنا دوں گی۔" اس نے کہا اور اٹھ کر ٹرالی اپنے سامنے سرکالی۔ پھر چائے کا کپ میرے سامنے رکھتے ہوئے وہ نغمہ بار آواز میں بولی۔ "میں آپ سے تعارف حاصل کر سکتی ہوں۔؟"

"میرا نام۔ میرا نام۔ آذر ہے۔" میں نے کسی قدر ہچکچاہٹ سے بتایا۔

"مجھے انجم کہتے ہیں۔"

"جی۔!" میں نے گردن ہلا دی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس سے کیا گفتگو کروں خاموشی سے چائے پیتا رہا' اور یہ خاموشی طویل ہو گئی' وہ چور نگاہوں سے میری شکل دیکھ رہی تھی۔ چائے ختم ہو گئی۔

"آپ بڑے خاموش طبع ہیں آذر صاحب۔ تشریف لایئے۔ آرام سے بیٹھیں گے۔" وہ اُٹھ گئی۔ میں بھی اُٹھ گیا۔ اور پھر وہ مجھے لئے ہوئے اپنی خواب گاہ میں داخل ہو گئی۔ اور اس نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اس کے ہونٹوں پر دلآویز مسکراہٹ تھی' اور وہ مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"لایئے۔ آپ کے جوتے اُتار دوں۔!" وہ میرے پیروں کے نزدیک بیٹھ گئی۔ اور میں نے جلدی سے پاؤں سکوڑ لئے۔

"میں۔ میں خود اتار لوں گا!" میں نے کہا اور وہ ہنس پڑی۔

"تب پھر آرام سے بیٹھیئے۔ کوئی تکلف نہ کریں' آپ میرے مہمان ہیں۔ مجھے آپ کی ہر خدمت کر کے خوشی ہو گی۔" میں نے جوتے اتارے' کوٹ اتارا' اور وہ میرے مقابل آ گئی۔ اُس نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے۔ اور اپنا چہرہ میرے قریب لے آئی۔! میرے ذہن کا طلسم ٹوٹنے لگا' خواب گاہ میں نیلا بلب روشن تھا' جس کی رومان انگیز روشنی نے ماحول کو خوابناک بنا دیا تھا۔ اس کا حسین چہرہ میرے مقابل تھا۔ اور میں جذبات سے مغلوب ہوا جا رہا تھا۔

لیکن۔ اچانک خواب گاہ میں تیز روشنی پھیل گئی اور ہم دونوں اچھل پڑے۔! سوئچ بورڈ کے نزدیک نعمان کھڑا تھا۔ اس کے جسم کے گرد عجیب سی روشنی چکرا رہی تھی۔ جسے میں نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اور۔ اچانک انجم کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔

نعمان مسکرا رہا تھا۔

"نعمان۔ تت۔ تم۔ زندہ ہو۔؟" انجم نے لرزتی آواز سے کہا۔ "تم' تم زندہ ہو نعمان۔"

"یونہی سمجھ لو۔ میں تمہارا انجام دیکھے بنا کیسے مر سکتا تھا انجم۔" نعمان نے کہا۔

"لل۔ لیکن۔ لیکن تمہیں تو سزائے موت ہو گئی تھی۔ تمہیں تو۔!"

"اس کے باوجود۔ میں تمہارا انجام دیکھنے آ گیا۔" نعمان نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو دیکھ لو نعمان۔ دیکھ لو میرا انجام۔ خوش ہو جاؤ۔ قدرت نے تمہارا انتقام لے لیا ہے۔ دیکھ لو میں کیا سے کیا بن گئی ہوں۔ دیکھ لو نعمان۔" اس کی آواز بھرا گئی۔

"تم جو کچھ بن گئی ہو۔ وہی تمہارے لئے مناسب تھا۔ بلکہ میرا خیال ہے تم پہلے بھی یہی تھیں۔ جواب ہو۔ میں تمہارے جھانسے میں نہیں آ سکتا۔ تمہارے اندر کونسی تبدیلی ہوئی ہے' پہلے بھی تم دولت کی پجاری تھیں' دولت کے لئے تم نے سب کچھ ٹھکرا دیا تھا' یہاں تک کہ محبت بھی۔ سب کچھ تو بھلا دیا تھا تم نے انجم۔ اپنی محبت اپنے وعدے' اپنا پیار' اپنا شوہر۔ اور دولت کو اپنا لیا تھا۔ آج بھی دولت کے عوض تم اپنا جسم فروخت کر رہی ہو۔ تمہیں اب بھی دولت سے اتنا ہی پیار ہے' پھر قدرت نے کونسا انتقام لیا ہے تم سے۔ انتقام تو میں لوں گا تم سے۔ اور اسی لئے

میں نے یہ جسم مستعار لیا ہے۔“

”تم۔ تم کیا چاہتے ہو نعمان۔؟ تم، تم کسی خطرناک ارادے سے یہاں آئے ہو۔؟“ انجم گھبرا کر بولی۔

”ہاں انجم۔ تم نے مجھ بے گناہ کو قتل کے الزام میں پھنسایا تھا، میں نے سوچا جھوٹے الزام کو سچا بنا دوں!“ نعمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں، نہیں۔ تم ایسا نہیں کر سکتے، مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔“ انجم مجھ سے لپٹ گئی۔ اور نعمان کا بھیانک قہقہہ گونج اٹھا۔!

”وہی تو تمہارا قاتل ہوگا! وہ تمہیں کیا بچائے گا۔“ اُس نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر میری طرف رُخ کر کے بولا۔ ”شیرو۔ خنجر نکالو۔ اسے گرا کر ذبح کر دو۔ تمہیں یہی کام کرنا ہے، اور اسی کے لیے میں یہاں آیا تھا۔“

میں اچھل پڑا۔ میں نے خوفزدہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔ لیکن اُس سے نگاہ ملنا ہی قیامت تھی، میرے حواس سونے لگے اور۔ صرف اس کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے، تب میں نے اُچھل کر انجم کو دبوچ لیا، اسے گرایا اور پھر میں نے اپنے لباس سے خنجر نکالا۔ نعمان قہقہے لگا رہا تھا، انجم جان بچانے کی جدوجہد کر رہی تھی لیکن وہ میرے ہاتھوں سے نہ بچ سکی، میں نے اُس کی گردن پر خنجر پھیر دیا، اس کا نرخرہ کٹ گیا اور وہ ماہیِ بے آب کی مانند تڑپنے لگی۔

نعمان خاموشی سے اُسے تڑپتے دیکھ رہا تھا، میرا کام ختم ہوگیا تو وہ میرے نزدیک آگیا۔ ”شکریہ۔ میرے دوست۔ میں تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔ تم نے میری مشکل آسان کر دی۔ دراصل میں خود یہ کام نہیں کر سکتا تھا، کیونکہ۔ میرا یہ جسم۔ صرف ایک فریب ہے۔ ایک دکھاوا ہے۔ اس میں کارکردگی کی صلاحیت نہیں ہے۔ ہاں یہ صرف نظر آ سکتا ہے، اسے، جسے میں چاہوں۔ میں اس سے کوئی کام نہیں لے سکتا اسی لیے مجھے تمہاری ضرورت تھی۔ بس اب ایک کام اور ہے۔ لیکن اسے میں خود انجام دوں گا، کیونکہ اب میں اپنی مشکل آسان کر سکتا ہوں۔ تم کسی قسم کا خوف نہ کرنا۔ اب میں اس مردہ جسم کو مستعار لے رہا ہوں۔“ اس نے انجم کے جسم کی طرف اشارہ کیا، جو اب سرد ہوگیا تھا۔

میرا ذہن ماؤف تھا، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ فرش پر لیٹ گیا۔ اُس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور پھر اچانک اس کا جسم میری نگاہوں کے سامنے سے غائب ہونے لگا! وہ دھوئیں کی شکل میں فضا میں چکرانے لگا! اور میں منہ پھاڑے یہ طلسم ہوشربا دیکھتا رہا، پھر مجھے عقب سے اُس کی آواز سنائی دی۔

”شیرو۔!“ اور میں اچھل پڑا۔ میں نے دیکھا، انجم گردن مسلتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے کٹے ہوئے نرخرے سے مسلسل خون بہہ رہا تھا لیکن وہ پوری طرح چاق و چوبند تھی۔ لیکن آواز۔ آواز تو نعمان کی تھی۔ یہ آواز انجم کی تو نہ تھی۔!

”ہاں۔ یہ میں ہی ہوں میرے دوست۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نے نجانے کس طرح مٹی میں دبا ہوا اپنا جسم حاصل کیا تھا۔ لیکن وہ بے جان جسم کارکردگی کے قابل نہیں تھا، اس کا وجود مٹ چکا تھا۔ یہ بدن تازہ ہے اور اب اسی سے آخری کام لوں گا۔ مگر ٹھہرو۔ ذرا میں تیاریاں کر لوں۔!“

وہ خواب گاہ میں ایک طرف رکھی الماری کی طرف بڑھی، یا بڑھ گیا۔ میں پاگلوں کے سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ چیخیں مارتا ہوا بھاگ نکلوں کبھی دل چاہتا کہ خود اس پر حملہ کر دوں۔ اور پھر اپنے بارے میں سوچتا۔ میں نے ایک اور قتل کر دیا تھا اور۔ اور میں مفرور تھا۔

اس نے خون آلود لباس الماری میں ٹھونس دیا، نیا لباس پہنا۔ گردن کے کٹے ہوئے حصے پر پٹی باندھی، اس انداز میں، جیسے وہ پٹی محض خوبصورتی کے لیے باندھی گئی ہو۔ اور پھر مسکرا کر میری طرف مڑا۔!

”آؤ۔ شیرو۔ چلیں۔ آجاؤ۔“ اس نے اپنے ملائم ہاتھ میں میرا ہاتھ تھام لیا، میرا جسم برف ہو رہا تھا، میرے قدم اس کے ساتھ اٹھنے لگے، اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔

بوڑھی عورت نے ہم دونوں کو باہر جاتے دیکھا، اور کوئی توجہ نہیں دی۔ ہم باہر نکل آئے۔ اس نے ہاتھ کے اشارے سے ٹیکسی روکی، اور اس میں بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے قریب ہی تھا۔

”کہاں چلو صاحب؟“ ڈرائیور نے میری طرف رُخ کر کے کہا۔

”بوری بل۔!“ اُس نے جواب دیا، ڈرائیور نے سمجھا کہ یہ میری آواز ہے اور اس نے ٹیکسی آگے بڑھا دی۔!

بوری بل ایک خوبصورت رہائشی علاقہ تھا، یہاں قیمتی بنگلے تھے، ایک خوبصورت بنگلے کے سامنے اس نے ٹیکسی رکوائی، اور میں نے حسب معمول بل ادا کر دیا مجھے بے حد عجیب معلوم ہو رہا تھا۔ اب تک تو میرے ساتھ وہ تھا جسے میں بخوبی جانتا تھا وہ میرا دوست، میرا ہمدرد، میرا مددگار تھا، لیکن اب میرے ساتھ ایک نرم و نازک، حسین لڑکی تھی۔ لیکن۔ یہ بھی وہی تھا۔ میں اُسے لڑکی نہیں کہہ سکتا تھا، میری حیثیت بالکل پاگلوں کی سی تھی۔

بنگلے کے گیٹ پر چوکیدار موجود تھا۔! وہ شاید انجم کو پہچانتا تھا، اس لیے اس نے جلدی سے سلام کر کے دروازہ کھول دیا۔

”ظفر صاحب موجود ہیں؟“ اس نے زنانہ آواز میں بولنے کی کوشش کی، لیکن یہ آواز کسی طور پر انجم کی نہیں تھی، تاہم چوکیدار نے اس پر توجہ نہیں دی تھی،

”موجود ہیں بی بی۔!“ چوکیدار نے جواب دیا

”کوئی اور ہے اُن کے ساتھ؟“

”کوئی نہیں ہے جی۔“ چوکیدار نے کہا اور مجھے دیکھنے لگا، پھر اس نے مجھے اشارہ کیا اور میرے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ وہ اس بنگلے سے بخوبی واقف معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ چند منٹ کے بعد وہ ایک خواب گاہ کے دروازے پر رک گیا۔ اور پھر اس نے دستک دی۔

”آجاؤ۔ کون ہے۔؟“ اندر سے ایک بھرائی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ اور ہم دونوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے! اندر ایک تندرست و توانا

نوجوان موجود تھا۔ پہلے اس کی نگاہ انجم پر پڑی تھی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "اوہ۔ انجم — آؤ ڈارلنگ۔ آج کی رات تنہا تھی، کوئی نہیں ملا تھا میں نے سوچا تھا کہ تمہیں بلالوں لیکن ہمت نہ پڑی۔ لیکن فکر نہ کرو۔ میں تمہاری منہ مانگی فیس دوں گا۔ پرانے تعلقات سے کوئی رعایت نہیں حاصل کروں گا، اور پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ اور وہ چونک پڑا۔

"یہ کون ہے؟"

اتنے میں اس نے پلٹ کر دروازہ بند کردیا۔ اور خوفناک آواز میں بولا —

"تمہاری موت۔"

"کیا مطلب؟" نوجوان چونک پڑا۔ "یہ تمہاری آواز کو کیا ہوگیا؟"

"میں انجم نہیں ظفر — نعمان ہوں۔ دیکھ لو۔ میں تمہاری موت بن کر آگیا ہوں۔ آج تم سے حساب چکالیا جائے گا!"

"یہ کیا مذاق ہے انجم۔؟" ظفر بگڑ کر بولا۔ لیکن انجم بھوکی شیرنی کی طرح اس پر ٹوٹ پڑی۔ اس کے جسم میں نعمان کی قوت تھی۔ ظفر زبردست جدوجہد کر رہا تھا لیکن نعمان کے آگے اس کی ایک نہ چلی، اس نے ظفر کو نیچے گرادیا۔ اس کے نازک ہاتھ ظفر کی گردن پر جمے ہوئے تھے۔!

"کمینے — میری محبت کے قاتل میرے قاتل، میں نے انجم کو بھی کیفر کردار تک پہنچادیا ہے۔ اور اب تو بھی جا —!" ظفر کے حلق سے خرخراہٹ بلند ہونے لگی اور پھر اس کے اعضا سست پڑ گئے۔ زبان اور آنکھیں باہر نکل آئیں اور چند لمحات کے بعد اس نے دم توڑ دیا۔ میں اب بھی ایک کونے میں کھڑا کانپ رہا تھا۔ وہ ظفر کی لاش سے لپٹ گیا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ مسرت تھی۔ اور پھر اس نے خوشی سے میرے دونوں بازو تھام لئے۔!

"شیرو — میرے دوست — آخری کام بھی مکمل ہوگیا۔ میری روح کی پیاس بجھ گئی۔ بیٹھو — اطمینان سے بیٹھ جاؤ — اب میں تمہیں پوری کہانی سناؤں گا۔ اور — اس کے بعد تمہیں وہ معاوضہ دوں گا، جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ بیٹھ جاؤ۔ غلاظت کی اس لاش سے خوفزدہ نہ ہو۔ اس کا یہی انجام ہونا تھا۔"

میرے پاؤں بے جان ہو رہے تھے میں ایک کرسی میں گر گیا۔ اور وہ انجم کے جسم میں ہی میرے سامنے ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے خدوخال بھرپور تھے اس کے تاثرات جاندار تھے۔ صرف آواز — صرف آواز بدلی ہوئی تھی۔ تب وہ اداس آواز میں بولا۔

"انجم — متوسط طبقے کی ایک لڑکی، میری کلاس فیلو تھی۔ کالج میں ہم ایک دوسرے سے متاثر ہوگئے تھے۔ بوڑھی ماں کے سوا اس کا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔ والدین تو میرے بھی نہیں تھے لیکن میرے چچا، جنہوں نے میری پرورش کی تھی، مجھے بہت چاہتے تھے، وہ خود بھی معمولی کاروبار کرتے تھے لیکن بہرحال زندگی پرسکون تھی۔ پھر میری خواہش پر انھوں نے انجم کی ماں سے بات کی اور بوڑھی عورت تیار ہوگئی، تب ہماری محبت یکجا ہوگئی۔ انجم میری دلہن بن کر میرے گھر آگئی۔ ابتدائی چند ماہ ہم نے سکون سے گذارے لیکن اب انجم کی فطرت کھل رہی تھی۔ وہ دولت کی دلدادہ تھی، وہ عیش و عشرت چاہتی تھی، میں عمدہ ملازمت کے لئے کوشاں تھا لیکن حالات میرا ساتھ نہیں دے رہے تھے، انجم مجھ سے ناراض رہنے لگی۔ وہ اپنی بدبختی کو روتی تھی، مجبوراً میں نے کسی دوسری جگہ جاکر قسمت آزمانے کا فیصلہ کرلیا، اور وہاں چلا گیا۔ جہاں ملازمت ہوئی تھی۔ مجھے ملازمت ملی لیکن معمولی سی۔ اور میں انجم کو خوشیاں نہ دے سکا، تاہم میں نے شدید محنت کی، اور پھر انجم کے لئے کچھ تحائف لے کر ایک دن اچانک واپس آگیا لیکن یہاں کے حالات ہی بدلے ہوئے تھے۔ چچا سخت بیمار تھے، اور ان کے بارے میں انجم نے کبھی کچھ نہیں لکھا تھا، مجھے چچا کی زبانی معلوم ہوا کہ شہر کا ایک بہت بڑا تاجر ظفر ابراہیم بلا روک ٹوک میرے ہاں آنے لگا ہے اور اس کی راتیں انجم کی خوابگاہ میں گذرتی ہیں۔ میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی میں غم و غصے میں ڈوب گیا۔ اور پھر میں نے ظفر کا پتہ معلوم کیا اور اس کے مکان پر پہنچ گیا یہاں اسی خوابگاہ میں انجم ظفر کے پہلو میں موجود تھی۔ مجھے دیکھ کر پہلے تو وہ بوکھلا گئی لیکن پھر اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ اب وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، میں اسے طلاق دے دوں، وہ ظفر سے شادی کرنا چاہتی ہے۔

میں نے اس کی منت سماجت کی لیکن وہ میرے ساتھ آنے پر رضامند بھی نہیں ہوئی، اور میں غصے سے کھولتا ہوا واپس آگیا میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں، دونوں کو قتل کرنے کی ہمت بھی مجھ میں نہیں تھی، انجم دوسرے دن بھی واپس نہیں آئی، اور پھر میری قوت برداشت جواب دے گئی۔ میں جنون کے عالم میں ظفر ابراہیم کے گھر گیا۔ میں نے تہیہ کرلیا تھا کہ اگر آج بھی انجم میرے ساتھ نہ آئی تو میں اسے قتل کردوں گا، لیکن ظفر ابراہیم پہلے ہی اس کے لئے تیار تھا۔ مجھے اس کی قوت کا اندازہ نہیں تھا، اس کے پاس دولت کی کمی نہ تھی۔ میں نے انجم کو لے جانے کی کوشش کی اور اس کے ملازم مجھ پر ٹوٹ پڑے اور خود ظفر نے میرے اوپر گولی چلادی لیکن اس کا نشانہ خطا ہوگیا اور گولی نے اس کے ایک ملازم کا کام تمام کردیا، تب ظفر کے ملازموں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے گرفتار کرادیا گیا۔ پھر ظفر جیسے بڑے سرمایہ دار کے لئے میرے لئے سزائے موت کا انتظام مشکل نہیں تھا۔ اس نے بے دریغ دولت خرچ کی، اور مجھے قاتل قرار دلوادیا، اور مجھے سزائے موت دی گئی میں بھی اس کوٹھری میں تھا میرے دوست، جہاں تمہیں رکھا گیا تھا۔ مجھے پھانسی دیدی گئی لیکن میری انتقام کی پیاسی روح بھٹک رہی تھی، میں بے دست و پا تھا کہ میری ملاقات تم سے ہوگئی۔ اور میں نے تمہاری مدد سے اپنا کام کیا۔ اب تم سمجھ گئے ہوگے کہ میں تمہیں اس آسانی سے کیسے نکال لایا، اور اس کے بعد ۔ ۔ ۔ ۔ کے حالات بھی تمہاری سمجھ میں آگئے ہوں گے۔

"بہرحال تمہیں نئی زندگی مبارک ہو دوست۔ آؤ — میں تمہیں تمہارا معاوضہ ادا کردوں۔ اٹھو — یہاں اس جگہ لیٹ جاؤ — آنکھیں بند کرلو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کرو۔! میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ تاہم میں اس وقت خود کچھ نہ تھا، میں صرف اس کے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا، میں لیٹ گیا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور پھر اچانک مجھے اپنے جسم پر ایک عجیب سی سرسراہٹ محسوس ہوا۔ میرا وجود بے حد ہلکا پھلکا ہوگیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں اچانک زمین

سے بلند ہوگیا ہوں، اور ایک طرف بڑھ رہا ہوں، پھر مجھے ایک عجیب سی گھٹن کا احساس ہوا، جیسے مجھے کسی تنگ جگہ میں قید کر دیا گیا ہو۔ لیکن آہستہ آہستہ میری حالت اعتدال پر آتی گئی، میری سانسیں ہموار ہوتی گئیں اور پھر میری آنکھیں کھل گئیں۔

سامنے ہی انجم کی مسکراتی ہوئی شکل نظر آ رہی تھی۔ آہستہ آہستہ میرے حواس واپس آ گئے۔! اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیسا محسوس کر رہے ہو شیرو۔!" انجم کے منہ سے نعمان کی آواز نکلی۔

"ٹھیک ہوں مگر ــــ مجھے کیا ہو گیا تھا؟"

"میں نے تمھارا معاوضہ تمہیں ادا کر دیا ہے ــ" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کک کیا مطلب ؟ میں نہیں سمجھا۔!" میں نے پریشانی سے کہا۔

"اِدھر دیکھو۔ اس طرف۔!" اس نے کہا اور میری گردن غیر اختیاری پر گھوم گئی۔ تب میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ میں گھبرا کر خود کو ٹٹولنے لگا ادھر۔ زمین پر ــ میرا جسم پڑا تھا، میں خود کو پہچانتا تھا لیکن ۔ لیکن ۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔!

"آج سے تم ظفر ابراہیم ہو۔ دنیا کا کوئی شخص تمہیں ظفر ابراہیم تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتا، دنیا کا کوئی انسان تمہیں فراڈ قرار نہیں دے سکتا۔ اب تم مکمل طور پر ظفر ابراہیم ہو۔ لاکھوں کے مالک، اعلیٰ سوسائٹی کے ایک فرد۔ یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے، اسے میری طرف سے ایک حقیر تحفہ سمجھو، یہ دنیا دولت کی پجاری ہے میرے دوست۔ اور تم ایک دولت مند انسان ہو۔

میں نے گھبرا کر دوسری سمت دیکھا، جہاں ظفر کی لاش پڑی ہوئی تھی لیکن اب وہاں کچھ نہ تھا، ظفر کا جسم تو اب میرا تھا، اور میرا جسم تو بے جان تھا!

"یہی میرا معاوضہ ہے، تم نے میری روح کو سکون بخشا ہے۔ اب تم خود کون ہے میرا کام ختم ہو گیا۔ اس لئے اب میں جسمانی پنجرے سے آزاد ہو رہا ہوں۔ انجم کی اور اپنی لاش کو اپنے ملازموں سے ٹھکانے لگوا دو۔ وہ ان کاموں میں ماہر ہیں کسی کو پتہ بھی نہ چل سکے گا، اور اس کے بعد تمھارے اختیار میں ہے جس طرح چاہو زندگی گذارو۔ خدا حافظ۔ اس نے آخری الفاظ کہے۔ اور میں نے دیکھا کہ انجم کی آنکھیں بند ہونے لگیں، اور پھر اس کا بے جان جسم ایک طرف لڑھک گیا۔ خواب گاہ کا دروازہ کھلا۔ اور بند ہو گیا۔ اور اب کمرے میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں: ایک میری لاش، اور دوسری انجم کی۔!

"تو جناب۔ میں ظفر ابراہیم ہوں لیکن اصل میں میرا نام شبیر محمد عرف شیرو ہے۔ میرے آدمیوں نے ان دونوں لاشوں کو نہایت خوبی سے ٹھکانے لگا دیا تھا، کافی دن تک میری کیفیت پاگلوں کی سی رہی، میں ذہنی طور پر یہ زندگی قبول نہیں کر پا رہا تھا لیکن ...... کب تک؟ آئی ہوئی دولت کو کون ٹھکرا سکتا ہے۔ میں نے اپنی بہنو کے لئے بھی بہترین رشتہ تلاش کیا، اور اُسے اتنا دیا کہ وہ عیش سے زندگی گذار رہی ہے۔ لیکن اسے آج تک نہیں معلوم کہ میں اس پر کیوں مہربان ہو گیا میں کون ہوں۔ لیکن وہ مجھے بڑی چاہ سے بھیا کہتی ہے، اور کبھی کبھی اپنے شوہر کے ساتھ کار میں بیٹھ کر آ جاتی ہے۔ اور ہاں ایک دلچسپ بات اور۔ اخبارات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ جیل سے مفرور سزائے موت کے قیدی، شیرو کی لاش، پولیس کو کسی گندے نالے سے مل گئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی کی لاش بھی تھی جسے شاید اسی نے قتل کیا تھا۔

بہرحال میں ظفر ابراہیم ہوں۔ شیرو نہیں لیکن کیا آپ مجھے شیرو ثابت کر سکتے ہیں ــــ؟"

دولت کا خزانہ ۔ کام

ایک شخص کا بہت بڑا باغ تھا، اُسی کی رکھوالی میں وہ اور اُس کے بیٹے لگے رہتے تھے۔ جب وہ ضعیف العمر شخص مرنے لگا تو اُس نے اپنے تمام بیٹوں کو بلا کر کہا :۔

"اس باغ میں بہت بڑا خزانہ ہے۔ میں اب دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں۔ تم جانو، اور تمہارا کام۔ لیکن میری یہ تمنا ضرور ہے کہ تم اس کی تلاش سے غافل نہ ہونا۔ اگر لگے تو زندگی بھر مزے کرو گے"

باپ کے مرنے کے بعد لڑکوں نے سارا باغ کھود ڈالا۔ اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ اس کی پیداوار بڑھ گئی، آمدنی میں اضافہ ہو گیا لیکن خزانہ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ تمام بھائی آپس میں کہنے لگے۔ کوئی کونا تو ہم نے چھوڑا نہیں لیکن وہ خزانہ آخر گیا کہاں ؟

آخر کار اُن میں جو سب سے سمجھدار لڑکا تھا، بولا :

"ابا جان کا مطلب خزانہ سے روپیہ، پیسہ اور دولت نہیں تھا بلکہ خود یہ باغ تھا۔ ہم نے اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کی اور خوب محنت سے کام کیا تو اس کی پیداوار اور ہماری آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ کیا یہ بجائے خود ایک خزانہ نہیں ہے؟ یقیناً ہے، کیونکہ کام ہی تو اصل خزانہ ہے !"

(روایات و حکایات ۔ تاج کمپنی لمیٹڈ)

(مرسلہ : ریحانہ یوسف۔ ڈرگ کالونی کراچی)